247

تلخیص سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

تالیف

مولانا شبلی نعمانی

تلخیص

احسان بی۔اے

DATA ENTERED

مقبول اکیڈمی

۱۹۹۔ سرکلر روڈ۔ چوک انارکلی لاہور

Marfat.com

~~22307~~
2/11
297.9921
م ٢١ احسا
کے ٢١٣٠
ک ل

جملہ حقوق محفوظ

اہتمام ـــــ ملک مقبول احمد
مطبع ـــــ حسن بشیر پرنٹرز، لاہور
قیمت ـــــ ۱۵۰/۰۰ روپے

©

مقبول اکیڈمی، لاہور

Marfat.com

ترتیب

۱۔ معروضات و اعتذار ۷
۲۔ سرنامہ ۲۹
۳۔ عرب ۳۱
۴۔ سلسلۂ اسماعیلی ۵۷
۵۔ ظہور قدسی ۶۹
۶۔ آفتابِ رسالت کا طلوع ۹۱
۷۔ مدینہ منورہ اور انصار ۱۲۵
۸۔ ہجرت سنہ ۱ھ ۱۳۵
۹۔ تحویل قبلہ اور آغاز غزوات ۱۵۹
۱۰۔ غزوۂ بدر ۱۶۹
۱۱۔ غزوۂ احد ۱۹۱
۱۲۔ سلسلۂ غزوات و سرایا ۲۰۹
۱۳۔ یہودیوں کے ساتھ معاہدہ اور جنگ ۲۱۸
۱۴۔ غزوہ مریسیع، واقعہ افک اور غزوہ احزاب ۲۲۷
۱۵۔ صلح حدیبیہ اور بیعت رضوان ۲۴۹

Marfat.com

۱۶۔ سلاطین کو اسلام کی دعوت ۲۶۱
۱۷۔ خیبر ۲۷۱
۱۸۔ غزوہ موتہ ۲۸۹
۱۹۔ فتح مکہ ۲۹۳
۲۰۔ ہوازن اور ثقیف ۳۰۷
۲۱۔ واقعہ ایلاء و تخییر و غزوہ تبوک ۳۱۹
۲۲۔ تبلیغ و اشاعت اسلام ۳۳۳
۲۳۔ وفود عرب ۳۵۳
۲۴۔ تاسیس حکومت الٰہی ۳۷۱
۲۵۔ سالِ اخیر ۴۱۵
۲۶۔ وفات ۴۳۱
۲۷۔ اشاریہ ۴۴۶

Marfat.com

معروضات واعتذار

مغرب کے سامراجی توسیع پسندانہ عزائم کی ابتدا اُن خون آشام جنگوں سے ہوتی ہے جو مذہب کے نام پر لڑی گئیں اور جن کا اعلان کردہ مقصد مسیحیت کے خود ساختہ مرکز بیت المقدس کو مغربی اقوام کے لئے آزاد کرانا تھا۔ تاریخ ان جنگوں کو صلیبی جنگوں کا نام دیتی ہے۔

اس وقت کی اس جنگ عالمگیر کے اصل محرک کلیسا کے پیشوا تھے جو مغرب میں اپنے تسلیم شدہ اثر و نفوذ کو مشرق تک وسیع کر دینا چاہتے تھے۔ ان کی سب سے اہم ضرورت

Marfat.com

ہر نئی کہ یورپ کے وہ مختلف خود مختار حکومتی گروہ جو جغرافیائی اور قبیلوی سیاست پر ایمان رکھتے تھے اُن کے جھنڈے تلے جمع ہوں اور متحد ہو کر ان کی جنگ لڑیں۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کلیسائی سیاست دانوں نے اسلام سے نفرت کو مرکزی نقطے کی حیثیت میں پیش کیا اور تمام مسیحی ملکوں کو اس نقطے پر جمع ہونے کی دعوت دی۔

نفرت کے مبلغ

اس زمانے میں یورپ کا نظام تعلیم کلیسائی تھا۔ یعنی ہر کلیسا کے ساتھ ایک مدرسہ ملحق تھا جو ایسی تعلیم و تربیت کے لئے وقف ہوتا تھا جس کے ذریعے کلیسائے رُوم کے دین اور سیاست کے وفادار پیدا کئے جا سکیں۔ یہ مدرسے عام آدمی کے لئے کھلے نہ تھے بلکہ اس میں صرف وہ لوگ داخل ہو سکتے تھے جو اپنی زندگی کو کلیسا کے مذہبی اور سیاسی عقائد کے لئے وقف کر دیں اور عمر بھر کے لئے اسی نظام کے ہو رہیں۔ ان مدرسوں کے فارغ التحصیل ذہنی اور روحانی طور پر کلیسا ہی کے ساتھ وابستہ ہوتے اور اُسی کی پالیسیوں کو بروئے عمل لاتے تھے۔

جب کلیسا نے اسلام سے نفرت کو یورپ کا نقطۂ اتحاد قرار دیا اور اس کی تبلیغ کی پالیسی کو نمایاں ترین سیاسی پالیسی کے طور پر اختیار کیا تو کلیسائی مدرسوں کے فارغ التحصیل اس پالیسی کو بروئے عمل لانے کے لئے فوج اندر فوج پورے یورپ میں پھیل گئے۔ ان میں شعلہ نوا شاعر بھی تھے اور آتش افروز خطیب بھی۔ انہوں نے یورپ کے بہادروں کو اکسانے اور بھڑکانے میں جو کارنامے کئے وہ ان سطور کا موضوع نہیں، لیکن اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کلیسا کے ان وفادار فرزندوں نے یورپی اقوام کے سامنے اسلام کا جو نقشہ پیش کیا اُس کا دھندلا سا عکس دیکھ لینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ یورپ کے شہرہ آفاق مستشرق کاؤنٹ ہنری ڈی کاستری کے الفاظ میں:۔

"جس کسی نے بھی کوئی گیت یا قصیدہ لکھا ہے اس میں مسلمانوں کو مشرک، بُت پرست، بے ایمان اور خارج از دین قرار دیا ہے۔ مسیحی شعراء مسلمانوں کے لئے تین خدا کے قائل ہیں، جو علی الترتیب اس طرح ہیں۔ پہلا ماہوم جس کو وہ ماہوم بازمید

Marfat.com

اور ماہومند کہتے ہیں ۔ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں ۔ اس کے بعد دوسرا ایلین اور تیسرا ترفاجان ۔ مسیحی شعراء یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ آپ نے ایک زریں پیکر بُت اپنے لئے تراشا اور لوگوں کو اپنی پرستش کی دعوت دی ہے ۔"

ڈی گاستری نے اپنی کتاب میں بے شمار مثالیں دی ہیں جن میں بعض کو نقل کفر کفر نہ باشد کے جواز کے باوجود پورا پڑھنا بھی ممکن نہیں ۔ چند بے ضرر ترین مثالیں ملاحظہ کیجئے ۔ ایک مؤرخ لکھتا ہے:

"ایلین مسلمانوں کا خدا ایک غار میں تھا ۔ مسلمانوں نے شکست کھانے کے بعد اس پر سنگ باری کی اور فحش اور مغلظ گالیاں دیں ۔ اس کے ہاتھ کاٹ دیئے ۔ ٹھوکریں اور لکڑیوں سے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ۔ شہنشاہ کارلوس جب سرقسطہ میں داخل ہوا تو اُس کے حکم سے حکومت کے لوگوں نے شہر کے اطراف گشت کیا ۔ مسجدوں اور سراؤں میں داخل ہو کر ہتھوڑوں سے جو وہ ہاتھوں میں اٹھائے ہوئے تھے ماہومید اور تمام بتوں کو توڑ دیا ۔"

یہ یورپ کے ایک تاریخ دان محقق کی تحقیق ہے ۔ "ریشار" اُس زمانے کا شریف ترین شاعر ہے ۔ اُس کے متعلق ڈی گاستری کی رائے ہے کہ اس کے یہاں خرافات نہیں ۔ اپنے ایک قصیدے میں اپنے بہادروں کو پکارتا ہے :-

"اٹھو ۔۔۔ ! اور ماہومید اور ترفاجان کے بتوں کو سرنگوں کر دو ، ان کو آگ میں جھونک دو ۔

اور اس طرح تم اپنے پروردگار کا تقرب حاصل کرو ۔"

ملاحظہ کیجئے شاعر رولاں کس اعتماد سے اپنی بے خبری کا بھانڈا پھوڑتا ہے :-

"ماہوم کی ساری تصویر سونے اور چاندی سے بنی ہے ۔ اگر اُسے دیکھ لو تو یقین کر لوگے کہ اس سے بہتر نقاشی ممکن نہیں ۔ مسلمان جب کسی ایک جنگ میں شکست کھا گئے تو ان کے سردار نے ایک شخص کو خدا کی تلاش میں مکہ بھیجا ۔ جن لوگوں نے یہ واقعہ دیکھا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ خدا یعنی ماہومید ایک لشکر جرار کے ساتھ نمودار ہوا ۔"

یہ اور اسی قسم کی بے شمار خرافات اس دور کی یادگار ہیں۔ یہی لٹریچر آگے چل کر اسلام اور مسلمانوں کے متعلق یورپ کے علم کی اساس اور بنیاد بنا۔

"دین دار" "بے دینوں" کی دنیا میں

نشاۃ ثانیہ کے دور میں یورپ ان حماقتوں سے آہستہ آہستہ آزاد ہونے لگا جن میں کلیسا اُسے مبتلا رکھنا چاہتا تھا۔ اس آزادی کا پہلا دور مہم جُویانہ سرگرمیوں کا دور ہے جس میں یورپ نے مشرق کی افسانوی دولت کو مغرب میں سمیٹ لینے کے لئے نئی تجارتی راہیں ڈھونڈنے کی کامیاب کوشش کی۔ یہ وہ زمانہ ہے جب خاندان عثمانیہ کے بطل عظیم سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ کو فتح کر لینے کے بعد مشرق اور مغرب کی حد فاصل کو کلیتہً مسلمانوں کی مٹھی میں ر۔ے دیا تھا اور یورپ کے تاجروں کو مشرقی ممالک کے ساتھ تجارت کرنے کے لئے سُلطان ترکی کی سلطنت میں سے ہو کر گزرنا پڑتا اور ترکی حکومت کی اجازت اور شرائط کے مطابق عمل کرنا پڑتا تھا۔ اس رکاوٹ نے یورپ کی نئی بیداری پر تازیانے کا کام کیا۔ ہندوستان کے دھوکے میں امریکہ دریافت ہوا اور ہندوستان کے ساحل تک راس امید کا راستہ دریافت ہو گیا۔ خشکی کے تجارتی راستوں کی اہمیت یکایک کم ہو گئی اور اس کی جگہ بحری راستے آہستہ آہستہ تاریخ میں اپنی اہمیت کا احساس دلانے لگے۔ دنیا کی سیاسی تاریخ ایک اہم موڑ مڑنے لگی۔ اس موڑ نے علم پر بھی اپنے اثرات مرتب کئے اور ایسے سیاح مسلمان ملکوں میں آئے جنہوں نے اپنے ملکوں میں رہنے والوں کو ان دُور افتادہ لوگوں سے متعارف کرانے کے لئے سفرنامے لکھے۔

لیکن اپنے مافی الضمیر کو تحریر میں بیان کرنے پر قادر لوگ صرف وہی تھے جو کلیسائی طریق تعلیم کے فارغ التحصیل تھے اور جن کے ذہن صلیبی جنگوں کی روایات کے تربیت یافتہ تھے۔ یہ "دیندار" تھے جو "بے دینوں" کی دنیا میں آئے تھے۔ چنانچہ ان سفرناموں کے ذریعے جہاں صلیبی جنگوں کے مؤرخوں اور شاعروں کی بعض ہرزہ سرائیوں کی تردید ہوئی وہاں کچھ نئی روایات بھی یورپ کے خزانہ علمی میں شامل ہو گئیں۔

Marfat.com

اسلام اور مسلمانوں کے متعلق اس دور کی علمی خصوصیت یہ ہے کہ بت پرستی اور شرک کے متعلق ان تمام تصورات کی تردید کر دی گئی جو صلیبی جنگوں نے مسلمانوں کے متعلق قائم کئے تھے اور ان "دینداروں" کی توجہ مسلمانوں کے مصدر قوت یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کی طرف ہو گئی۔ وحی اور حامل وحی (صلی اللہ علیہ وسلم) کلیسائی تصورات سے ماورائی چیزیں تھیں۔ اس لئے ان کو جھوٹ فرض کر لینے کے بعد رسالت کے متعلق عجیب و غریب قسم کی روایات درج ہوئیں جو یورپ میں عام ہو گئیں۔ مسلمانوں اور اسلام کے متعلق یورپ کی معلومات کی یہ دوسری بنیاد ہے۔

سیاست دان عالم

تلاش اور مہم جوئی کے اس دور کے فوراً بعد سیاسی تفوق اور تغلب کا دور شروع ہو جاتا ہے اور ہر قدر سیاست کے ماتحت آجاتی ہے۔ ہندوستان میں انگریزوں کو فرانسیسی اور ولندیزی حریفوں کے علاوہ ایک قانونی اور مستحکم حکومت سے بھی دوچار ہونا پڑا تھا۔ اس لئے ان کی سیاست ایک حدود عرصے کے لئے تجارت کے ماتحت رہی، لیکن جب مقامی قانونی حکومت میں داخلی انتشار کی صورتیں نظر آنے لگیں تو آہستہ آہستہ تجارت کو سیاست کے ماتحت کر دیا گیا اور تجارت کے تحفظ کے لئے سیاست کے تفوق کی پالیسی اختیار کی گئی۔ انگریزوں کو اس میں بڑی تیزی سے کامیابی نصیب ہوئی اور بہت جلد ان کے سیاسی مراکز مضبوط ہونے لگے۔

اس کے ساتھ ساتھ کلیسا کے طریق تعلیم کے تربیت یافتہ اور فارغ التحصیل لوگ جنہیں عرف عام میں مشنری کہا جاتا ہے اپنے کام میں مصروف تھے اور نجی طور پر "بے دینوں" کو خداوند یسوع مسیح کی بھیڑوں میں شامل کرنے کی کوششیں کر رہے تھے۔ ان کوششوں کے محاذ متعدد تھے اور ہندوستان میں کلیسا کی اس دور کی تاریخ بڑی دلچسپ ہے لیکن ہمارے موضوع سے متعلق ان کوششوں کا وہ محاذ ہے جس کو علمی محاذ کہا جا سکتا ہے۔

شروع شروع میں اس محاذ پر چند افراد کی نجی کوششیں نظر آتی ہیں اور ان میں باریک بین طالب علم سیاست کے ہاتھ کو مضبوط کرنے کے جذبے سے صرف نظر نہیں کر سکتا۔ شہنشاہ شاہ جہان

کی بیٹی کے انگریز معالج کی مشہور روایت اس جذبے کی بڑی نمایاں مثال ہے۔ لیکن جب سیاست مستحکم قلعوں میں محفوظ ہو گئی اور جوڑ توڑ کے وہ حربے جن کا مؤرخ اُردو میں ابھی پیدا نہیں ہوا۔ ہندوستان گیر مغلیہ سلطنت کی وحدت کو مختلف خود مختار ٹکڑوں میں تقسیم کر کے اور ان ٹکڑوں کو ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار بنا کر ملک میں انتشار کی مکمل فضا پیدا کر چکی تو اس محاذ کو بھی باقاعدہ سیاست کے ماتحت کر کے منظم کیا گیا۔ یہ لارڈ ولزلی کا زمانہ ہے۔ لارڈ ولزلی نے ۱۸۰۰ء میں کلکتہ کے فورٹ ولیم کالج کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس کالج کا مقصد کمپنی کے ان ملازموں کو ہندوستان کی مختلف زبانوں، مختلف ثقافتوں اور مختلف اعتقادی گروہوں سے آشنا کرنا تھا۔ اس کا ایک اثر تو یہ ہوا کہ ۷ جنوری ۱۸۶۸ء کو پنجاب کے لفٹننٹ گورنر نے حاضرین جلسہ کو اُردو زبان میں خطاب کیا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کا ایک اور بڑا دُور رس اور نتیجہ خیز اثر بھی تھا جس کی طرف ہمارے سیاسی مؤرخوں میں سے بہت کم نے توجہ کی ہے۔ فورٹ ولیم کالج نے بعض ایسی کتابوں کے اُردو تراجم بھی شائع کئے جن میں مسلمانوں کے بنیادی عقائد بیان کئے گئے ہیں اور جو بے حد مقبول تھیں۔ ان عربی کتابوں کو اردو میں ترجمہ کرتے وقت ان میں سے بعض ایسی عبارتیں حذف کرا دی گئیں یا کم کر دی گئیں جن سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تفوق ظاہر ہوتا تھا۔ مولوی امانت اللہ کی کتاب "ہدایت الاسلام" اس کی ایک مثال ہے۔

تفصیلات پیش کرنے کا یہ موقع نہیں۔ مختصر یہ کہ اس کالج میں پادری صاحبان بھی تعلیم پاتے تھے اور انتظامیہ کے افسر بھی۔ اس کے ساتھ عام مسلمانوں کی بھی خدمت ہو رہی تھی۔ فورٹ ولیم کالج ان تین دھاروں کا سنگم تھا۔ اس میں اردو کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے عقائد کی بھی "اصلاح" کی جا رہی تھی۔

عالمی بساط پر اس وقت نقشہ یہ تھا کہ ہالینڈ اور پرتگال کا ستارۂ اقبال مشرق میں تقریباً غروب ہو چکا تھا اور مشرق کے مختلف ممالک جن میں اکثریت مسلمان ملکوں کی تھی فرانس، جرمنی اور انگلستان کے سامراجی عزائم کے سائے میں آ کر پھیلنے پڑنے لگے تھے۔ یہ بات خاصی معنی خیز ہے کہ ٹھیک اس زمانے میں ان تینوں ملکوں میں مشرقی زبانیں پڑھنے کا شوق تیزی سے ترقی

Marfat.com

کرنے لگا۔ خاص طور پر وہ زبانیں جن میں اسلام کے دینی اور ثقافتی خزانے محفوظ تھے خاص توجہ کا مرکز قرار پائیں اور مستشرقین کا ایک خاصا بڑا اور قابلِ احترام گروہ تیار ہو گیا۔

مستشرقین

آسانی کی خاطر مستشرقین کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا گروہ ان علماء کا ہے جنہوں نے عربی اور فارسی کی معروف اور مستند کتابوں کو مرتب اور مدوّن کر کے شائع کیا۔ اس سے پہلے یہ کتابیں خطی نسخوں کی شکل میں نجی کتب خانوں میں موجود تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان میں بے شمار نقائص تھے اور ان کو پڑھنا آسان نہ تھا۔ بعض کتابیں نایاب ہو گئی تھیں اور اہلِ علم ان کے حصول کی حسرت کیا کرتے تھے۔ ان مستشرقین نے ان کتابوں کو ڈھونڈ کر نکالا اور اس دعوے کے ساتھ شائع کیا کہ مختلف نسخوں سے مقابلہ کرنے اور تصحیح کرنے کے بعد انہیں ممکن حد تک صحیح ترین صورت میں شائع کیا گیا ہے۔ یہ کمال ہمارا ہے کہ ہم نے اُن کے اس دعوے کو سر آنکھوں پر جگہ دی ہے اور اس کی تصدیق یا تائید کی کوئی بھی کوشش کئے بغیر اس دعوے کو قبول کر لیا ہے۔ چنانچہ نایاب اور کمیاب کتابیں جو یورپ کے مستشرقین کی سالہا سال کی محنت اور عرق ریزی کے بعد شائع ہوتی ہیں صحیح ترین سمجھی جاتی ہیں اور خطی نسخوں سے مقابلہ کر کے ان کی صحت پر اطمینان کر لینے کی عادت جو ہمارا سب سے بڑا علمی ورثہ تھا ختم کر دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ آج کے مؤثر اور قابلِ توجہ علماء زیادہ تر یورپی یونیورسٹیوں کے ڈاکٹر ہوتے ہیں اور انہی کی رائے کو قابلِ توجہ سمجھا جاتا ہے۔ ان کی رائے یہی ہے کہ یورپ میں جو کچھ ہوتا ہے وہی علم کا درجۂ آخر ہے۔ اس کے بعد علم کی حدیں ختم ہو جاتی ہیں۔ ان وجوہ کی بنا پر پُرانی اور مستند کتابوں کے وہ نسخے جو کسی مستشرق کی زیرِ نگرانی ترتیب دیئے گئے ہوں اور جن پر اُن کی طرف سے حاشیوں کا اضافہ کیا گیا ہو آنکھیں بند کر کے قبول کر لئے جاتے ہیں۔

اور حقیقت یہ ہے کہ اس کے سوا دوسرا کوئی چارہ بھی نہیں۔ ہم ابھی تک اپنے ابتدائی اور بنیادی مسائل میں اس حد تک اُلجھے ہوئے ہیں کہ کوئی ایسا ادارہ یا تنظیم نہیں بنا سکے جو ان مستشرقین کے کارناموں کی تائید اور تصدیق کرنے پر قادر ہو اور ان کی خدمات کا صحیح مقام

متعین کر سکے۔ فی الحال یہ ہمارے ذہنی آقا ہیں اور ہمارے ذہن ان کی غلامی پر فخر کرنے ہی کو اپنا سرمایہ سمجھتے ہیں۔

مستشرقین کا دوسرا گروہ اس سے زیادہ خطرناک اور زیادہ توجہ طلب ہے۔ یہ حضرات مرتب اور مدوّن نہیں بلکہ مؤلف اور مصنف ہیں یعنی پرانی کتابوں کی تدوین اور ترتیب ہی ان کی ذمہ داری نہیں بلکہ یہ خود کتابیں لکھتے اور ان میں اپنے اخذ کردہ نتائج پیش فرماتے ہیں۔

ان کتابوں میں سے وہ کتابیں ہماری خاص توجہ کی مستحق ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے متعلق ان مستشرقین کے قلم سے نکلیں۔

یورپی سیرت نگار

سیرت النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مؤلف مولانا شبلی نعمانی نے "یورپین تصنیفات" کے زیر عنوان یورپی سیرت نگاروں کے متعلق سیر حاصل بحث کی ہے اور مختلف ادوار میں مستشرقین کے قلم سے نکلی ہوئی کتابوں کا عالمانہ اور محققانہ جائزہ لیا ہے۔ اس جائزے میں انہوں نے ۱۸۱۰ء سے ۱۹۰۹ء تک شائع ہونے والی ۲۷ کتابوں اور مضامین کے عنوانات گنائے ہیں۔ یہ تعداد ۱۹۰۹ء کے بعد سے اب تک خاصی بڑھ چکی ہے اور اس میں کئی ایسی کتابیں بھی شامل ہیں جنہوں نے ہندوستانی اور بعد میں پاکستانی مسلمانوں کے اذہان کو بڑی حد تک متاثر بھی کیا ہے۔ ان کے مصنفوں میں سے پروفیسر ٹائن بی اور پروفیسر ہٹی کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مولانا ممدوح نے اپنی فہرست میں منقول کتابوں میں سے چند پر تبصرہ بھی فرمایا ہے جس کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ مولانا شبلی فرماتے ہیں کہ:

> "ان مصنفین کی تین قسمیں ہیں۔ اوّل وہ جو عربی سے ناواقف ہیں اور ان کا سرمایۂ معلومات دوسروں کی تصنیفات ہیں۔ دوسرے وہ جو عربی زبان اور علم ادب و تاریخ و فلسفہ اسلام کے بہت بڑے ماہر ہیں۔ اور تیسرے وہ جنہوں نے خاص اسلامی اور مذہبی لٹریچر کا کافی مطالعہ کیا ہے۔"

دوسری اور تیسری قسم کے مصنفین کا ذکر کرتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں:

Marfat.com

"جرمن کا مشہور فاضل ساخو جس نے طبقات ابن سعد شائع کی، اسلامی امور کے متعلق ایسی باتیں لکھ جاتا ہے جن کو پڑھ کر بھول جانا پڑتا ہے کہ وہ وہی محترم شخص ہے جس کو ابھی ہم نے دیکھا تھا۔ نولدیکی (جرمنی) نے قرآن مجید کا خاص مطالعہ کیا ہے لیکن انسائیکلو پیڈیا (جلد ۱۶) میں قرآن پر اس کا جو آرٹیکل ہے جا بجا نہ صرف اس کے تعصب بلکہ اس کی جہالت کے راز پنہاں کی بھی پردہ دری کرتا ہے۔

مارگولیس نے مسند امام احمد بن حنبل رح کی چھ ضخیم جلدوں کا ایک ایک حرف پڑھا ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانحعمری پر جو کتاب لکھی ہے دنیا کی تاریخ اس سے زیادہ کوئی کتاب کذب و افترا اور تاویل و تعصب کی مثال کے لئے پیش نہیں کر سکتی۔"

یورپین مصنفین کی ان بوالعجبیوں کی وجہ بیان کرتے ہوئے مولانا مرحوم فرماتے ہیں:-

"یورپین مصنفوں کی غلط کاریوں کی بڑی وجہ تو وہی اُن کا مذہبی اور سیاسی تعصب ہے۔"

مولانا مرحوم نے یہ الفاظ ۱۹۱۲ء کے قریبی زمانہ میں لکھے تھے۔ یہ وہ دور تھا، جب انگریز ابھی ۱۸۵۷ء کی یاد کو بھلانے میں کامیاب ہونے کی کوشش میں معروف تھا۔ اب اس اجمال کی مختصر سی تفصیل بیان کی جا سکتی ہے کہ نولدیکی اپنے علم و فضل کے باوجود ۱۸۶۰ء کا مصنف ہے اور یہ وہ زمانہ ہے جس میں جرمن مشرق وسطیٰ میں پھیل جانے کی سر توڑ کوشش کر رہا تھا۔ اس وقت نولدیکی کی قوم کو ایسے "مستند جھوٹ" کی ضرورت تھی جو مسلمانوں کے پیروں تلے سے زمین نکال دے قرآن مجید کا خاص طالب علم ہی اس کام میں استعمال ہو سکتا ہے۔ مارگولیوس یا مارگولیتھ ۱۹۰۵ء کا برطانوی مستشرق ہے۔ اس زمانے کے انگلستان کی سیاسی ضرورتوں پر نظر رکھئے۔ امام احمد بن حنبل رح کی چھ ضخیم جلدوں کا مطالعہ اسے اپنی قومی ضروریات سے کس طرح غافل بنا سکتا تھا۔ بحیثیت انگلستانی اس کا فرض تھا کہ وہ اپنے علم و فضل کی اس شہرت کو جو مسلمانوں کو پوری طرح مرعوب کئے ہوئے تھی اپنی قوم کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے استعمال کرتا اور اپنی سی کوشش کرتا کہ مسلمانوں کو

اپنے مرکز سے ہٹا دے اور اس طرح عرب ممالک میں بددلی کی فضا پیدا کر دیتے۔ اسی طرح سر ولیم میور ۱۸۶۱ء کے انگریزی مؤلف ہیں۔ ہندوستان میں انگریز کے نقطۂ نظر سے بعض خاصے خطرناک صوبوں (بنگال و بہار) کے لیفٹیننٹ گورنر بھی رہ چکے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں باقاعدہ سیاسی بزرگ ہیں اور ہندوستان میں برطانوی سیاست کے سربراہ اور دو ستون ہیں۔ کتاب کی اشاعت سے تین چار برس پہلے ہندی مسلمانوں کی قیادت میں ہندوستان نے ایک خوفناک "بغاوت" بھی کی ہے جس کا کم از کم اثر تو یہ ہونا چاہیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے مسلمانوں کی شیفتگی اور دیوانہ وار محبت انتظامیہ کے اس بہت بڑے ستون پر وا شگاف ہو جائے اور وہ یہ سمجھ لے کہ جب تک اس قوم کے سر پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سایہ موجود ہے، انگریز کی برتر انتظامی صلاحیتیں اور اس کی برتر سیاسی اور حربی قوتیں اس قوم کا بال بیکا نہیں کر سکتیں۔ اس سوفی صد درست خیال کے تحت اگر وہ اس قوم سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھیننے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اپنا فرض منصبی پورا کر رہا ہے۔ یہ اس کے انتظامی فرائض میں سے ایک فرض ہے جس کو اگر وہ پورا نہیں کرتا تو اُسے "سر" کا خطاب نہیں ملنا چاہیئے اور اُس کی قوم کو اس کی پذیرائی نہیں کرنی چاہیئے۔

تقریباً یہی صورت ۱۹۰۹ء کے بعد شائع ہونے والی کتب کی ہے۔ یہ درست ہے کہ جسمانی طور پر مغربی اقوام ہمارے درمیان سے اٹھ گئیں لیکن ان کے سیاسی اور اقتصادی مفادات آج بھی موجود ہیں اور وہ ان مفادات کے وجود کے اعتراف و اظہار میں کسی قسم کے تکلف سے کام نہیں لیتیں۔ ابھی سویز پر انہیں سرد ہی نہیں گرم جنگ بھی کرنی پڑتی ہے۔ ملائشیا اور انڈونیشیا کے جھگڑے میں گولہ و بارود سے مداخلت کرنی پڑتی ہے۔ عرب کی ساحلی "زیر حفاظت" ریاستوں کو قابو میں رکھنے کے لئے سیاسی اقدامات کرنے پڑتے ہیں۔ مالی، فنی اور مشینی امداد کا جال الگ ہے۔ وقار اور برتری کے قیام و استحکام کے جذبے نے بے شمار سیاسی الجھنوں کو پیدا کرنے اور پھر انہیں برقرار رکھنے کی ضرورت کو اتنا شدید کر دیا ہے کہ وہ خود چاہیں بھی تو اپنے اس خود ساختہ جال میں سے نہیں نکل سکتیں۔ ان بے شمار مفادات کے پیش نظر یہ سوچنا غلط ہوگا کہ نظریاتی جنگ کا وہ محاذ جس کا ایک مورچہ ۱۸۰۰ء میں لارڈ ولزلی کے ہاتھوں کلکتہ کے فورٹ ولیم کالج کے نام سے کھولا گیا تھا، بند کر دیا گیا۔ پروفیسر ہٹی اور پروفیسر ٹائن بی اسی محاذ کے سپاہی ہیں اور انہیں نولدیکی، مارگولیوس اور سر ولیم میور ہی کی بٹالین کے

رُکن کی حیثیت میں پہچان لینا ہمارے لئے مفید ہوگا۔

مولانا شبلی نعمانی مرحوم نے ان اعتراضات کی فہرست مرتب کی ہے، جو مغرب کے ان مستشرقین میں مشترک ہیں۔

۱۔۔۔۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی مکۂ معظمہ تک پیغمبرانہ زندگی تھی لیکن مدینہ جاکر جب زور و قوت حاصل ہوتی ہے تو دفعتہً پیغمبری بادشاہی سے بدل جاتی ہے اور اس کے جو لوازم ہیں یعنی لشکرکشی، قتل، انتقام، خونریزی خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔

۲۔۔۔۔ کثرت ازواج اور میل الی النساء۔

۳۔۔۔۔ مذہب کی اشاعت جبر و زور سے۔

۴۔۔۔۔ لونڈی غلام کی اجازت اور اس پر عمل۔

۵۔۔۔۔ دنیا داروں کی سی حکمت عملی اور بہانہ جوئی۔

اب بدلے ہوئے حالات کے تحت ان اعتراضات کو پیش کرنے کی تکنیک بدل گئی ہے۔

۱۔ مسلمان حکومتیں اپنے ملک میں کسی کتاب کے داخلے پر پابندی لگانے کی مجاز ہیں۔ اس کے علاوہ اسلامی ممالک سے سیاسی دوستیاں بھی ہیں۔ اس لئے الفاظ کے استعمال میں بے حد دانائی اور احتیاط کا ثبوت دیا جاتا ہے اور کوشش کی جاتی ہے کہ ذہن اعتراض سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے لیکن نگاہ اسے گرفت میں لے کر بدظن یا غضب ناک نہ ہو۔

۲۔ بعض اوقات نہایت معصومیت کے انداز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خیالی تصاویر شائع کردی جاتی ہیں اور جب کسی ملک کی طرف سے اعتراض کیا جاتا ہے تو یہ انکشاف کرکے معذرت کرلی جاتی ہے کہ یہ تصویر فلاں اسلامی ملک کے مصور کی بنائی ہوئی تھی ہم نے اس پر اعتراض کا اندازہ نہیں کیا۔ مقصد اعتراض کرنے والے ملک اور "فلاں ملک" کے درمیان بدمزگی پیدا کرنا ہے۔ اس سلسلے میں بعض امریکی جرائد اور پروفیسر ہٹی خاص شہرت کے مالک ہیں۔

۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی پر جدید نفسیات کی روشنی میں "عملی بحث" مولانا شبلی مرحوم کے مرتب کردہ اعتراض نمبر ۲ کا جدید ترین انداز ہے۔

۴۔ اعتراض نمبر ۱ خاص مسیحی تصورِ رسالت کے پیمانے پر اسلام کے تصورِ رسالت کو ناپنے کا

Marfat.com

نتیجہ ہے۔ یورپی اقوام (جن میں امریکہ اور آسٹریلیا نسلی اعتبار سے شامل ہیں) کسی ایسے پیغمبر کی صداقت پر ایمان نہیں لا سکتیں جو اپنے مشن میں کامیاب ہوا ہو اور اپنے کسی حواری کی غداری کی وجہ سے مصلوب نہ ہوا ہو۔ یہ انتہائی اذیت پسند اور اذیت کوش قوم کا معیار ہے۔ جہلائے عرب کا معیار ان سے زیادہ صحت مند تھا جو فرشتہ یا قوم کے بڑے سردار کو رسالت کا معیار سمجھتے تھے۔ بہر حال یہ اذیت کوش اور اذیت پسند قوم جو دوسروں کے بہتے خون کو دیکھ کر لذت آفریں عقیدت سے سر جھکاتی ہے، یہ اعتراض کرتی ہی رہے گی۔ یہ اس کی مجبوری ہے۔

۵۔ ان تمام اعتراضات پر ایک اعتراض کا اور اضافہ کر لیجئے۔ موجودہ مستشرق اسلام کے نظام کو موجودہ دنیا کے لئے کافی اور اس کی ضرورتوں کے مطابق نہیں پاتے۔ یہ فقرہ آپ تقریباً ہر مصنف میں پڑھیں گے کہ آج سے چودہ سو سال پہلے کا نظام جو اس زمانے کے لئے بہت اچھا ثابت ہوا تھا، موجودہ زمانے کے متعلق اس کی افادیت محل نظر ہے۔ اس کا مقصد ہماری خود اعتمادی کو فنا کرنے کے سوا کچھ نہیں کیونکہ مغرب مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کو صرف اس طریقے سے روک سکتا ہے کہ وہ اس قوم سے اس کی خود اعتمادی کو چھین لے اور اس اعتماد کو متزلزل کر دے جو اسے اپنے نظریات پر پھر سے پیدا ہو رہا ہے۔ اس لئے مغرب کا موثر ترین محاذ یہی ہے جس سے ہم کو خبردار رہنا چاہیئے۔

یہ اسلام کے متعلق مغرب کے تصورات اور جن وجوہ سے یہ تصورات قائم اور باقی رکھے جا رہے ہیں، اُن کی تفصیل ہے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ہم نے ہندوستان میں ان تمام اور مستشرقین کے اثرات کو زائل کرنے اور اپنے آپ کو اس مورچے کی بے دریغ اور بے حساب گولہ باری سے محفوظ رکھنے کی کیا کوششیں کی ہیں؟

تحریک سیرت

جیسا کہ سطور بالا سے ظاہر ہو گیا ہو گا ہندوستان میں اس مورچے کا نمایاں نام سر ولیم میور کا ہے۔ ہندی مسلمان موصوف کے سیاسی مقصد سے بے خبر نہ تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کو شکست دینے اور ہندوستان کو تاج برطانیہ سے ملحق کر لینے کے بعد

Marfat.com

انگریز ہندی مسلمانوں کو ہر مورچے پر شکست دینا چاہتے ہیں۔ مسلمانوں کا حربی مورچہ تقریباً بے دم ہو چکا تھا۔ اقتصادی طور پر انہیں ہمیشہ کے لئے ختم کر دینے اور انگریزوں کا دستِ نگر بنا دینے کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ ان کے تعلیمی نظام کو درہم برہم کر دینے کے لئے مؤثر ترین حربہ اختیار کر لیا گیا تھا یعنی سرکاری زبان فارسی کی بجائے انگریزی ہو گئی تھی اور اب لارڈ ولزلی کے زمانے کی طرح حکمرانوں کو مملوکوں کی زبان سیکھنے اور سمجھنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ حکمران اس حد تک قابض اور متصرف ہو چکے تھے کہ محکوموں کو دو وقت کی روکھی سوکھی حاصل کرنے کے لئے حکمرانوں کی زبان سیکھنے اور اُن کے چلن کو اپنانے کی ضرورت پیدا کر دی گئی تھی۔ وہ زمانہ آگیا تھا جب انگریزی زبان ہی معاشی طور پر کفالت کر سکتی تھی۔ فارسی اور اُردو پڑھتے رہنے والے پسماندہ، جاہل اور غیر مہذب کے ناموں سے موسوم ہونے کے علاوہ بھوکوں بھی مرنے لگے تھے۔ ٹھیک اس زمانے میں سر ولیم میور اور اُن کے رفقا اپنے علم کے طبل و علم کے ساتھ نظریات کے مورچے پر نمودار ہوئے۔ یہ بات کسی سے پوشیدہ نہ رہی کہ سلطنت، دولت، حکومت، ثروت اور عزت چھین لینے کے بعد ملکہ برطانیہ کی نہایت رحم دل اور رعایا پرور حکومت مسلمانوں کے دین و ایمان پر بھی ڈاکہ ڈالنا چاہتی ہے۔

اس محاذ پر بے شمار لوگ فوراً امڈ آئے اور ہندی مسلمانوں نے ایک مضبوط فصیل دفاع قائم کر لی۔ اس فصیل کے سب سے پہلے سپاہی سر سید احمد خاں مرحوم ہیں جنہوں نے "خطبات احمدیہ" کے نام سے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر اُردو میں پہلی کتاب لکھی۔ اس کتاب میں سر ولیم میور کے علم کا راز فاش کیا گیا۔ اس کی تصنیف "لائف آف محمدؐ" کی غلطیاں گنوائی گئیں اور اس کے اعتراضات کا مسکت جواب دیا گیا۔ دوسرے متعدد ناموں میں مشہور شیعی عالم چراغ علی کا نام نمایاں ہے۔ جنہوں نے "محمدؐ دی پرافٹ" کے عنوان سے انگریزی میں ایک کتاب لکھی اور مستشرقین کی غلطیوں کی نشان دہی کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی گستاخیوں کا بھی جواب دیا۔

یہ انفرادی کوششیں ہیں جن کا آغاز ۱۸۸۲ء میں ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ پادری اور ریلجس بک سوسائیٹیاں بھی میدان میں اتریں۔ اسی مورچے کو مضبوط تر بنانے اور مسلمانوں کی فصیل دفاع کو کمزور کرنے کے لئے علم کے میدان میں سے بھی مسلمانوں کے اندر "حضور ملکہ عالیہ برطانیہ" کے

Marfat.com

دُعاگو پیدا کیے گئے۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ سیاست کے میدان میں "دُعاگوؤں" کی کوئی کمی نہ تھی لیکن علم کے میدان میں انگریز کو اکا دکا "دُعاگو" سے زیادہ نہ مل سکے۔ ہندو ہر وقت اور ہر محاذ پر انگریز کا خادم جانثار تھا۔ اس موقع پر سوامی دیانند سرسوتی کی قیادت میں آریہ سماج اپنے نئے آقاؤں کی مدد کے لئے بڑھی اور ہندوستان کے گلی گلی اور محلّے محلّے میں اسلامی نظریات کے خلاف محاذ قائم ہوگیا۔

یہ محاذ مستشرقین، مغربی مصنفین، اعتراض کرنے والے پادریوں، آریہ سماجیوں اور خود مسلمانوں کے اندر "دُعاگو" جماعتوں کے ناپاک اتحاد سے عبارت تھا جس نے بہت جلد ایک اجتماعی تحریک کی صورت اختیار کر لی۔ اور ملک بھر میں مناظروں کا ایک طوفان کھڑا ہوگیا۔ مسلمان علماء نے اس پہلودار محاذ کے ہر گوشے پر دفاعی بند باندھے اور مسیحی، آریہ سماجی اور "دُعاگو" مناظروں کے مقابلے میں بڑے بڑے فاضل اور حاضر جواب مناظر اُترے جن کے اسمائے گرامی اس دور کی تاریخ میں ناقابل فراموش ہیں لیکن یہ ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی تھی کہ حقیقی، مؤثر اور دیرپا دفاع اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جب خود مسلمانوں کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مستند واقعات کو اس حد تک عام کر دیا جائے کہ ہر مسلمان اپنی جگہ پر اس فصیل دفاع کی مضبوط اینٹ بن جائے۔ اس جذبے کے تحت انفرادی کوششیں بہت جلد اجتماعی تحریک کی صورت اختیار کر گئیں جسے "تحریک سیرت" کا نام دیا جاتا ہے۔

مولانا شاہ سلیمان پھلواروی

اس تحریک کا آغاز پٹنہ (بھارت) کے ضلع عظیم آباد کی ایک چھوٹی سی بستی پھلواری سے ہوا اور اس کی ابتدا کرنے والے ہاتھ ایک درویش حق آگاہ حضرت مولانا شاہ سلیمان پھلواروی مرحوم و مغفور کے ہاتھ تھے۔

پھلواری میں ایک بڑی درگاہ آج بھی مرجع خلائق ہے۔ اور اس درگاہ کے سجادہ نشینوں کا دودمان عالی قدیم سے شریعت اور طریقت کا گہوارہ چلا آتا ہے۔ شاہ سلیمان پھلواروی اسی خاندان کے چشم و چراغ اور اس درگاہ سے عقیدت رکھنے والے ہزاروں لاکھوں دلوں کے حکمران

Marfat.com

تھے ۔ اس درگاہ پر آج بھی ربیع الاوّل کے مہینے میں بہت بڑا عرس ہوتا ہے جس میں دُور دُور سے عقیدت کیش حاضر ہوتے ہیں ۔

یہ ۱۸۸۵ء کے ماہِ ربیع الاوّل کا ذکر ہے کہ مولانا شاہ پھلواروی نے اس عظیم الشان عرس کی چاند راتوں کو سیرت اور تذکرہ تاریخ اسلام کے اجلاس میں بدل دیا ۔ مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم مولانا شاہ سلیمان پھلواروی مرحوم و مغفور کے متعلق لکھتے ہیں :-

"وسیع النظر عالم، بذلہ سنج ادیب ، خوش بیان خطیب ، پُراثر واعظ ، موقع شناس مقرر اور بڑے بڑے بزرگوں کے حلقے سے فیضیاب صوفی تھے ۔ ان کو تاریخ کا شوق اور عربی نظم و نثر کا اچھا ذوق تھا ۔ اچھے کتب خانوں اور کتابوں کی تلاش رہتی تھی ـــــ وہ قدیم اور جدید کے درمیان حلقہ اتصال تھے ۔"

اس صاحبِ علم اور صاحبِ دل نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر شروع کیا ۔ یہ انداز بہت جلد مقبول ہو گیا اور ملک کے طول و عرض میں اس کا چرچا ہونے لگا ۔ کوئی بڑا چھوٹا اجتماع ایسا نہیں ہوتا تھا جس میں مولانا شاہ سلیمان پھلواروی کی شرکت ضروری نہ سمجھی جاتی ہو ۔ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، ندوۃ العلماء اور انجمن حمایت اسلام لاہور کے جلسوں میں حضرت مولانا مغفور تشریف لاتے اور ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دلوں کو گرما جاتے ۔ اس تذکرے نے ملک گیر تحریک کی صورت اختیار کر لی اور مسلمان عوام میں سیرت کا ذوق پیدا ہو گیا ۔ سیرت پر کتابوں کی تلاش اس کا ناگزیر نتیجہ تھی ۔

اردو میں سیرت کی پہلی مستند کتاب

جیسا کہ اُوپر عرض کیا گیا اس تحریک سے پہلے اس موضوع پر جو کتابیں شائع ہوئیں ان کا بنیادی مقصد سر ولیم میور اور اُن کے ہمصفیروں کی تاریخی اور علمی غلطیوں کی نشان دہی کرنا اور ان کی ذہنی برتری اور پیشوائی کا حتی المقدور تدارک کرنا تھا ۔ اس لئے ان کتابوں کا نمایاں پہلو اعتراضات کا جواب تھا ۔ خود سیرت ثانوی حیثیت اختیار کر لیتی تھی ۔ اس طریق کار نے اپنے زمانے میں قابلِ قدر خدمت کی اور اس خدمت کو ہماری علمی تاریخ ہی نہیں، ہماری آزادی کی تاریخ بھی نہیں بھلا سکے گی ۔ لیکن ان

کتابوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کے واقعات کی ثانوی حیثیت بہرحال مسلم ہے۔ مولانا شاہ سلیمان پھلواروی کی تحریک نے اس طریق کار میں بنیادی انقلاب پیدا کیا اور سیرت کے واقعات کو اولیت دے کر اعتراضات کے جواب کی حیثیت ثانوی کر دی۔ اس طرح سے گویا اس موضوع پر بعد میں لکھی جانے والی کتابوں کے لئے راستہ ہموار کر دیا گیا۔

حضرت مولانا مرحوم کی اپنی خواہش بھی تھی کہ اس انداز کی ایک مبسوط اور مستند کتاب مرتب ہو جائے لیکن تحریک کی مصروفیات نے اس بار گراں کو اٹھانے کی مہلت نہ دی۔ آپ کے صاحب زادے حضرت مولانا حسن میاں پھلواروی نے اس کام کا آغاز کیا لیکن یہ کام چند چھوٹے چھوٹے رسائل سے آگے نہ بڑھ سکا۔ یہ سعادت پنجاب کو نصیب ہوئی اور حضرت شاہ سلیمان پھلواروی کی خواہش کی تکمیل مولانا قاضی محمد سلیمان منصورپوری کے حصے میں آئی۔

قاضی صاحب مرحوم و مغفور ریاست پٹیالہ کے جج، وسیع النظر عالم اور صاحب دل محقق تھے۔ انہوں نے ۱۹۱۲ء میں اپنی کتاب "رحمۃ للعلمین" کی پہلی جلد شائع کی۔ تحریک سیرت کے مرکز پھلواری کے ساتھ مرحوم کا رابطہ خاص تھا۔ چنانچہ اس پہلی جلد کے پہلے ایڈیشن کی پہلی کاپی بعد خلوص و احترام پھلواری روانہ کی گئی اور اس پر رائے دینے کی استدعا کی گئی۔ مولانا حسن میاں پھلواروی نے تنقید و تبصرہ کے بعد لکھا:-

"اس کتاب کے بعد مجھے یہ کام کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔"

"رحمۃ للعلمین" آج بھی اتنی ہی مقبول اور علمی طبقے میں متداول ہے جتنی پہلے تھی۔ اس کی اشاعت کے اہتمام میں کوتاہیاں ہوئی ہیں جن کی وجہ سے یہ بازار میں طویل عرصوں کے لئے غائب رہتی رہی ہے۔ اب قاضی صاحب کے پوتے جو آج کل گلبرگ لاہور میں مقیم ہیں، اسے دوبارہ شائع کر رہے ہیں۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اسی زمانے میں مولانا شبلی نعمانی نے اپنی مشہور کتاب "الفاروق" کی اشاعت کے بعد "سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کے نام سے سیرت پر کتاب لکھنے کا ارادہ فرمایا۔ یہ کتاب "رحمۃ للعلمین"

28307

Marfat.com

کے بعد شائع ہوئی۔ یہ گویا اس سلسلے کی دوسری کتاب ہے۔ اس کی تالیف کی کہانی مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم کی زبان سے سنئے۔ فرماتے ہیں :-

"مصنف مرحوم کو سیرت نبوی لکھنے کا خیال الفاروق کے بعد ہی پیدا ہو گیا تھا چنانچہ ۱۳۲۳ھ میں اس کا ایک مختصر سا حصہ یعنی غزوہ احد تک وہ لکھ بھی چکے تھے کہ بعض مشکلات کی بنا پر رک گئے لیکن دل کا تقاضائے شوق برابر جاری رہا۔ بالآخر انہوں نے ۱۳۳۰ھ میں اس بار امانت کے اٹھانے کا آخری فیصلہ کیا۔ مصنف مرحوم کی وفات کے بعد مصنف مرحوم نے جو مسودہ چھوڑا تھا اس میں اس حصہ تک بیضہ صاف تھا البتہ تین چار مقامات پر اضافہ کی علامتیں بنی ہوئی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس حصہ کی تکمیل کے بعد ان کو خیال آیا کہ قدیم مؤرخین کی طرح سن وار واقعات کی ترتیب رکھ کر آخر میں جزئی حالات "واقعات متفرقہ" کے عنوان سے لکھ دیئے جائیں۔ چنانچہ بیضہ پر سنہ تک اپنے قلم سے وہ لکھ سکے۔ یہ امانت جب میرے سپرد ہوئی تو میں نے بقیہ سنین کے آخر میں اسی قسم کے جزئیات متفرقہ کا اضافہ کر دیا۔

مولانا کی زندگی میں ان کی تصنیف کے وقت ان کو بعض کتابیں قلمی ملی تھیں جیسے روضۃ الانف جس سے پورا استفادہ وقت طلب تھا۔ اب وہ چھپ گئی ہے۔ بعض کتابوں کی ان کو تلاش ہی رہی مگر ان کو نہ مل سکیں۔ جیسے کتاب البدایہ والنہایہ ابن کثیر۔ مصنف سے اکثر حسرت کے ساتھ سنا کہ افسوس کہ تاریخ ابن کثیر نہیں ملتی۔ وہ مل جاتی تو ساری مشکلیں حل ہو جاتیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اب وہ چھپ کر عام ہو گئی۔ مستدرک حاکم اس وقت تک ناپید تھی، اب طبع ہو کر گھر گھر پھیل گئی۔ غرض ان کتابوں کے ہاتھ آ جانے سے بہت سے نئے معلومات بڑھ گئے۔ چنانچہ اس نسخہ کی تصحیح و اضافہ میں ان سے کام لیا گیا۔"[1]

---

[1] دیباچہ طبع اول۔ ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۳۹ھ

مختصر یہ کہ نومبر ۱۹۱۴ء میں مولانا شبلی نعمانی کا انتقال ہوا۔ اس وقت تک سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم شائع نہیں ہوئی تھی۔ مولانا مرحوم کے قابل صد احترام شاگرد اور ان کے صحیح جانشین مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم نے اپنے استاد کے مسودے میں استاد مرحوم کی خواہش اور اشاروں کے مطابق اور بعض نایاب کتابوں کے مل جانے کی وجہ سے تصحیح و اضافہ کے ساتھ "سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کی پہلی دو جلدیں شائع کیں جن میں ولادت باسعادت سے لے کر وفات تک کے حالات درج ہیں۔ اس کے بعد چار مزید جلدیں مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم کے اپنے قلم سے نکلیں۔ ایک اطلاع کے مطابق ساتویں جلد زیر ترتیب تھی کہ مولانا سلیمان ندوی کا پاکستان میں انتقال ہوا۔

بعد کے خادمانِ سیرت

ان دو کتابوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کے مطالعہ کے متعدد راستے کھول دیئے اور سیرت کے خادموں کی بڑی تعداد میدانِ عمل میں کود پڑی۔ چھوٹی بڑی بیسیوں کتابیں منظر عام پر آئیں جن میں سے اکثر کا انداز مناظرانہ ہے لیکن کچھ کتابیں ایسی بھی آئیں جنہوں نے تحقیق کے نئے گوشے اُجاگر کیے۔ ان میں سے پُرانے عربی منابع سے استفادہ کرنے کے سلسلے میں مولانا حکیم ابوالبرکات عبدالرؤف صاحب قادری داناپوری کی تالیف اصح السیر فی ہدی خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص علمی مقام حاصل ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے جدید انداز اور آج کی زبان میں سیرت کے مختلف گوشوں پر مختلف مضامین لکھے۔ ان کے علاوہ انہی خطوط پر "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی" اور "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگیں" کے نام سے بھی دو کتابیں آئیں جنہوں نے فکر و نظر کے کئی راستے صاف کیے۔ ڈاکٹر حمید اللہ کے اخذ کردہ بعض نتائج سے مکمل اتفاق بعض اوقات ممکن نہیں ہوتا لیکن طریق فکر کی جو نئی راہیں ممدوح نے سجھائی ہیں ان پر مزید مفید کام کیا جا سکتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بعض گوشوں کو جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے ذہنوں کے قریب تر لایا جا سکتا ہے۔

اس سلسلے میں سیرت کمیٹی پٹی کی خدمات کا اعتراف بھی ضروری ہوگا۔ اس کمیٹی کے بانی

عبدالمجید قرشی تھے جن کی شخصی اور ذاتی مساعی نے پورے برصغیر میں سیرت کمیٹیاں قائم کیں اور چھوٹے چھوٹے پمفلٹوں اور رسائل کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو گھر گھر پہنچا کر ایک اہم کام کیا۔ قیام پاکستان کے کچھ ہی عرصہ بعد پاکستان میں قرشی صاحب کی وفات ہوئی جس کے ساتھ ہی سیرت کمیٹی کی سرگرمیاں سرد پڑ گئیں۔

لیکن ان تمام عظیم الشان خدمات اور قابلِ احترام مساعی کے باوجود مولانا شبلی نعمانی کی "سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کو جو قبول عام نصیب ہوا اُسے صرف اللہ کی دین ہی کہا جا سکتا ہے۔ عوام نے تو اُسے سر آنکھوں پر جگہ دی ہی تھی سیرت شریفہ کے مختلف پہلوؤں کے ماہرین نے بھی اپنے علم کے مطابق اس کے مختلف پہلوؤں کو جانچا اور پرکھا۔ اہل علم میں اس کی مقبولیت مسلّم ہے۔

آج کی ضرورت

آج ہم بحمداللہ پاکستان میں آباد ہیں اور اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ اسلام کے مزاج کے قریب لانے کی جدوجہد کر رہے ہیں۔ اس عبوری دور میں افراط و تفریط بعید از قیاس نہیں اور ایسے قرآن فہموں کا پیدا ہو جانا بھی کوئی بڑی بات نہیں جو قرآن کے شارح اول و آخر صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور تک پہنچنے کی سعادت نہیں پا سکے اور اپنی عقل پر تکیہ کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اس لئے عبوری دور کا ہر ذہنی اور روحانی انتشار اس دور کی خصوصیت ہے۔ راقم الحروف کے خیال میں مسلمان کا سب سے مضبوط اور قابل اعتماد لنگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ ہے جس نے ہر طوفان میں مسلمان کو سہارا دیا اور ہر سیلاب میں اُن کی کشتی کو قائم رکھا۔ اس لئے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ موجودہ عبوری دور کے ہیجان و تلاطم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ ہماری قوم خصوصاً پاکستانی قوم کی سب سے بڑی اور اشد ضرورت ہے۔ مستشرقین نے جو کچھ کیا وہ سیاست تھی۔ آج کل ہمارے عقل پرست جو کچھ کر رہے ہیں ... سیاست نہیں سادگی اور کم علمی ہے۔ اس خطرناک تر دور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا سادہ ترین اور دل نشین ترین صورت میں ہر گھر میں عام ہو جانا بے حد ضروری ہے۔ اس مقصد کی تکمیل مولانا شبلی نعمانی مرحوم کی تالیف

Marfat.com

سے زیادہ کوئی دوسری تالیف احسن طریقے سے نہیں کر سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے مقبولیت کے جن درجات پر فائض کیا ہے، وہ اس مقصد کی سمت بڑھنے کے لیے پہلا کامیاب قدم بن سکتا ہے اس لیے میری نظر بار بار اسی تالیف کی طرف اٹھتی تھی۔

چند مشکلات

اس نقطے پر یہ سوال غیر ضروری نہیں سمجھا جا سکتا کہ اصل سیرت کی موجودگی میں یہ مقصد پورا ہو رہا تھا، اس کی تلخیص کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی اس کے لئے کچھ ذاتی تاثرات بیان کرنا ضروری ہوں گے۔ جب راقم الحروف کو پہلی بار سیرت کا مطالعہ کرنے کا شوق ہوا تو مولانا مرحوم کی تالیف کے حصول اور مطالعہ کے ضمن میں چند مشکلات ملنے آئیں (۱) ـــ خاص مولانا مرحوم کی تالیف دو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے جس کی قیمت کم از کم میری قوت خرید سے ۔ وقت باہر تھی۔ لائبریری وغیرہ سے اسے حاصل کرنا اور بعض ذہنی اور روحانی ضرورتوں کے موقعوں پر اسے اپنی دسترس سے باہر پانا اکثر اوقات میرے لئے انتہائی کوفت کا باعث بنا تھا۔

ب ـــ تالیف کے وقت مولانا کے پیش نظر عام قاری کے علاوہ ہندوستان کے علمائے تاریخ بھی تھے جن کے درمیان سیرت کے بعض مسائل پر اختلاف تھا۔ اس لئے اس کتاب میں بعض مباحث آتے ہیں جن کو واضح کرنے اور اپنا نقطہ نظر پیش کرنے کے لئے مولانا کو مختلف نقطہ ہائے نظر، ان کے دلائل اور حوالے اور پھر اپنے استنباط کی تائید کے لئے دلائل اور حوالے پیش کرنے پڑے۔ علماء اور ان مباحث کے طالب علموں کے لئے ان میں بڑی قیمتی باتیں ہیں لیکن سیرت پڑھنے کے خواہش مند کی حیثیت سے میرا ذہن نہ ان مباحث کا احاطہ کر سکتا تھا اور نہ ان کی ضرورت محسوس کرتا تھا بلکہ مجھ عامی کا ذوق ان مباحث کو بعض اوقات واقعات کے تسلسل میں رکاوٹ سمجھتا تھا اور میں ان طویل صفحات کو پڑھے بغیر چھوڑ جاتا تھا۔

ج ـــ مؤلف مرحوم نے مغربی مستشرقین کے اعتراضات پر خاص توجہ فرمائی ہے اور انہیں نقل کر کے ان کے نہایت مدلل اور عالمانہ جواب دیئے ہیں لیکن جیسا کہ سطور بالا سے ظاہر ہوا ہوگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراضات کی نوعیت مرغ بادنما کی طرح سیاسی ہوا کے

Marfat.com

مطابق پہلو بدلتی ہے اور ان کا مقصد علمی تحقیق نہیں سیاسی مقاصد کا حصول ہوتا ہے۔ مؤلف مرحوم کے زمانے میں مستشرقین جس سیاسی محاذ کو فتح کرنے میں اپنی حکومتوں کو کمک پہنچا رہے تھے، اب وہ محاذ بدل چکے ہیں۔ اس لئے مستشرقین کی "تحقیقات" کے زاویے بھی بدل گئے ہیں۔ مغرب کا موجودہ سب سے بڑا خطرہ مسلم ممالک کا بلاک ہے جو کسی وقت بھی مشترک قرآن، مشترک نبی اور مشترک سمت سجدہ کی بنیادوں پر قائم ہو سکتا ہے۔ اس خطرے کا واحد علاج یہ ہے کہ مسلمانوں کے درمیان فقہ، تاریخ اور دیگر فروعی مسائل کی تعبیر و تشریح کے متعلق جو اختلافات پائے جاتے ہیں ان کو حقیقی، قوی اور بنیادی ثابت کیا جائے۔ آج کے مستشرقین کی زیادہ تر توجہ اسی طرف ہے اور یہ حضرات اپنے پیش رو مستشرقین کے اعتراضات کو لایعنی ثابت کرنے میں ہم سے بھی پیش پیش ہیں۔ اس صورت حال میں مؤلف مرحوم کی یہ کوشش جو اپنے زمانے میں نہایت مستحسن اور اہم تھی اس وقت ان اعتراضات اور ان کے جواب کے تاریخی ریکارڈ سے زیادہ اہم نہیں رہی۔ کم از کم میرے لئے ان اعتراضات اور ان کے مدافعانہ جوابات میں کوئی کشش باقی نہ رہی تھی۔

یہ تلخیص

ان وجوہ کی بنا پر اور اس مقصد کی طرف پہلا قدم اٹھانے کی غرض سے جس کا ذکر اوپر ہوا میں نے مولانا شبلی نعمانی کی تالیف کی دو جلدوں کی تلخیص کرنے کا ارادہ کیا اور علمی مباحث اور اعتراضات کے جوابات کو اس میں سے حذف کر دیا۔ موجودہ صورت میں عرب کے جغرافیائی حالات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے حالات اور ولادت باسعادت سے لے کر وصال تک کے حالات مولانا شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی کے الفاظ میں پیش خدمت ہیں۔ متن میں میری طرف سے کسی ایک لفظ کا اضافہ نہیں ہوا البتہ بعض مواقع پر جہاں میں نے متن کو کسی وجہ سے تشنہ پایا ہے یا بعض اشاروں کی تشریح ضروری سمجھی ہے وہاں حاشیوں کا اضافہ کر دیا ہے اس طرح اس کتاب کے بعد کے معاصر سیرت کی تحقیقات کا کچھ حصہ بھی اس میں شامل ہو گیا ہے جو امید ہے مفید اور دلچسپ ثابت ہوگا۔ ان حاشیوں کی وجہ سے یہ تلخیص خالصتاً مولانا شبلی نعمانی

Marfat.com

مرحوم کی تالیف ہی کی تلخیص نہیں رہی بلکہ اس کو مکمل کرنے میں بعض دیگر علماء سے بھی استفادہ کیا گیا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ مناسب حجم کے اندر اس وقت تک کے خادمانِ سیرت کی محنتوں کا بیشتر ثمر پڑھنے والے تک پہنچ سکے اور مقصد کی تکمیل میں موئید ہو سکے۔

لیکن میں اپنی اس محنت کے باوجود یہ اعتراف کرتے ہیں کوئی تامل محسوس نہیں کرتا کہ یہ پہلا قدم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مستند سیرت کو ہر گھر میں پہنچانے کی کوشش ہے اصل کتاب اپنے مباحث اور نقطۂ نظر کے اعتبار سے اس سے بہر حال اہم تر ہے اور موجودہ صفحات کو اصل تک پہنچنے کا ذریعہ ہی سمجھنا چاہیئے۔ یہ صفحات وہ ضرورت پوری نہیں کر سکیں گے جس کے پیش نظر مؤلف مرحوم نے عرق فشانی کی تھی۔

میں اپنی کم مائگی کے پورے احساس اور شعور کے ساتھ تاریخ اور سیرت کے ایک عالم بے بدل کی وساطت سے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا ہوں۔ دعا ہے کہ یہ حاضری شرفِ قبول کو پہنچے۔

احسان

Marfat.com

نامہ

ایک گدائے بے نوا شہنشاہِ کونین ﷺ کے
دربار میں اخلاص و عقیدت کی نذر لے کر
آیا ہے۔

ز چشمم آستیں بردار و گوہر را تماشہ کُن

شوال ۱۳۳۰ھ
شبلی

Marfat.com

وجہ تسمیہ ——————

جغرافیہ ——————

عرب کے اقوام و قبائل ——————

عرب کی قدیم حکومتیں ——————

تہذیب و تمدن ——————

عرب کے مذاہب ——————

Marfat.com

وجہ تسمیہ

عرب کی وجہ تسمیہ کے متعلق مختلف رائیں ہیں۔ اہل لغت کہتے ہیں کہ عرب اور اعراب کے معنی فصاحت اور زبان آوری کے ہیں اور چونکہ اہل عرب اپنی زبان آوری کے سامنے دنیا کو ہیچ سمجھتے تھے اس لئے انہوں نے اپنے آپ کو عرب اور دنیا کی تمام قوموں کو عجم (ژولیدہ بیان) کہہ کر پکارا۔

بعض کی رائے ہے کہ عرب اصل میں عربہ تھا۔ قدیم اشعار میں عرب کے بجائے عربہ آیا ہے۔ عربہ کے معنی سامی زبانوں میں دشت اور صحرا کے ہیں اور چونکہ عرب کا بڑا حصّہ دشت و صحرا ہے اس لئے تمام عرب کو عرب کہنے لگے۔

Marfat.com

جغرافیہ

عرب کے حدودِ اربعہ[1] یہ ہیں :-

مغرب —— بحیرہ قلزم

مشرق —— خلیج فارس اور بحر عمان ۔

---

[1] مؤلف مرحوم نے یہ حدود جیالوجی کے نقطۂ نظر سے بیان فرمائی ہیں۔ اس کے علاوہ کتاب کی تالیف کے وقت ۱۹۱۴ء سے قبل، جیالوجی کی یہی حدبندیاں سیاسی طور پر بھی تقریباً قائم تھیں۔

اور گو اس وقت اس علاقے کے مختلف گروہوں میں اقتدار کی جنگ جاری تھی، لیکن عربوں میں محدود علاقائی قومیت کا تصور عام نہیں ہوا تھا۔ زمانۂ تالیف کے بعد سے اب تک نصف صدی گزر چکی ہے اس عرصہ میں دو عالمگیر جنگیں بھی ہو چکی ہیں جنہوں نے نظریات پر گہرا اثر ڈالا ہے اور دنیا کے نقشے کو یکسر بدل دیا ہے۔ جزیرہ نمائے عرب اس سے مستثنیٰ نہیں۔ چنانچہ اب جزیرہ نمائے عرب مندرجہ ذیل خودمختار ریاستوں پر مشتمل ہے۔

(۱) سعودی عرب (۲) اردن۔ (۳) شام (۴) لبنان (۵) عراق۔ (۶) خلیج فارس کی وفاقی عرب ریاستیں۔ (۷) سلطان عمان اور سلطان مسقط کے علاقے (۸) عدن کا زیرِ حفاظت علاقہ (۹) یمن ان کے علاوہ دنیا کے کچھ ممالک اسرائیل کو بھی اس جزیرہ نما کا ایک خودمختار ملک سمجھتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۳۵)

Marfat.com

جنوب :۔ بحر ہند
شمال :۔ کے حدود مختلف فیہ ہیں۔ بعض ممالک حلب اور فرات تک اس کی حدود کو وسعت دیتے ہیں۔
سینا کا جزیرہ نما جس کا اصلی نام التیہ ہے اکثر محققین عرب ویورپ اس کا مصر میں شمار کرتے ہیں لیکن جیالوجی کی رو سے وہ عرب سے متعلق ہے۔ عرب کی پیمائش باقاعدہ اب تک

(بقیہ حاشیہ از صفحہ ۲۴) سعودی عرب رقبے کے اعتبار سے ان سب میں سے بڑا ہے اور اس کتاب کے موضوع سے براہ راست متعلق ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دیگر عرب ممالک کی حدود کی تفصیلات میں جائے بغیر سعودی عرب کے محل وقوع کو تفصیل سے بیان کر دیا جائے۔

نقشے پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہو جائے گا کہ سعودی عرب دوسرے تمام عربی ممالک کے ٹھیک وسط میں واقع ہے۔ اس کے شمال میں اردن اور عراق واقع ہیں (شام اردن کے شمال مشرق میں ہے اور لبنان شام کے مغربی ساحل پر۔ اردن کے مغربی ساحل پر اسرائیل کی حد بندی نظر آئے گی جسے عرب بجا طور پر اپنے سینے میں گڑے ہوئے خنجر کا نام دیتے ہیں) سعودی عرب کے شمال مشرق میں ریاست کویت، قطر اور خلیج فارس کی وفاقی ریاستیں واقع ہیں۔ جنوب مغرب میں یمن ہے اور ٹھیک مغرب میں بحیرہ قلزم۔ شمال مغرب میں خلیج عقبہ۔

لے متداول نقشوں میں جزیرہ نمائے عرب کے جنوب میں واقع خطۂ آب کو بحیرہ عرب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ بحر ہند کی حدیں اس سے نیچے شروع ہوتی ہیں۔
لے حلب کبھی شام کا دار الخلافہ تھا۔ فرات عراق کا مشہور دریا ہے۔
سے یہ ایک طرف خلیج عقبہ، دوسری طرف سویز اور جنوب کی طرف سے بحیرۂ قلزم میں گھرا ہوا جزیرہ نما ہے۔ سعودی عرب کے مغرب میں واقع ہے اور متحدہ عرب جمہوریہ کے علاقہ میں شامل ہے۔

Marfat.com

نہیں ہوئی۔ تاہم اس قدر یقینی ہے کہ وہ جرمنی اور فرانس سے چوگنا زیادہ وسیع ہے۔ طول تقریباً پندرہ سو، عرض چھ سو اور مجموعی رقبہ بارہ[۲] لاکھ میل مربع ہے۔

ملک کا بڑا حصہ ریگستان[۳] ہے۔ پہاڑوں کا جال تمام ملک میں پھیلا ہوا ہے۔ سب سے بڑا طویل السلسلہ پہاڑ جبل السراۃ ہے جو جنوب میں یمن سے شروع ہو کر شمال میں شام تک چلا

---

[۱] موجودہ جرمنی مشرقی جرمنی اور مغربی جرمنی میں تقسیم ہے۔ کل رقبہ بتفصیل ذیل ہے۔ (بحوالہ انسائیکلو پیڈیا آف نیشنز)

مشرقی جرمنی بشمول مشرقی برلن ۴۱۶۳۵ مربع میل۔ مغربی جرمنی بشمول مغربی برلن ۹۵۹۱۳ مربع میل۔ کل رقبہ ۱,۳۷,۵۴۸ مربع میل ہوا۔ فرانس کا کل رقبہ جس میں جزیرہ کارسیکا اور دوسرے چھوٹے ساحلی جزیرے شامل ہیں ۲,۱۲,۶۸۱ مربع میل ہے۔ پس دونوں ملکوں کا مجموعی رقبہ ۳,۵۰,۲۲۹ مربع میل ہوا۔ محولہ بالا دونوں ملکوں کے مجموعی رقبے کا چوگنا چودہ لاکھ مربع میل سے زیادہ ہوتا ہے۔

[۲] جدید جغرافیہ نویسوں کے اندازے کے مطابق جزیرہ نمائے عرب میں شامل مختلف عرب ریاستوں کے رقبے حسب ذیل ہیں (بحوالہ انسائیکلو پیڈیا آف نیشنز)

سعودی عرب تقریباً	۹,۰۰,۰۰۰	مربع میل	عراق تقریباً	۱۶۷,۵۵۵	مربع میل
شام	۷۲,۲۳۴	"	اردن "	۳۶,۷۱۵	"
لبنان	۴۰۱۵	"	علاقہ مقبوضہ اسرائیل	۷۹۹۲	"
کویت	۵۸۰۰	"	بحرین تقریباً	۲۱۳	"
قطر	۸۰۰۰	"	یمن "	۷۵۰۰۰	"

خلیج عمان کی وفاقی ریاستیں تقریباً ۳۲۰۰۰ مربع میل۔ جزیرہ نمائے عرب کا کل رقبہ ۱۳,۰۹,۵۲۴ مربع میل ہوا۔

[۳] ہمارے موضوع کا تعلق زیادہ تر سعودی عرب سے ہے۔ اس لئے نئی تحقیق کی روشنی میں اس ملک کے طبعی حالات کی تفصیل بیان کرنا مفید ہوگا۔ (بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۳۷)

Marfat.com

گیا ہے۔ اس کی سب سے اونچی چوٹی آٹھ ہزار فیٹ بلند ہے۔ بعض حصے زرخیز اور شاداب بھی ہیں۔

چاندی اور سونے[1] کی کانیں کثرت سے ہیں۔ علامہ ہمدانی نے "صفتہ جزیرۃ العرب" میں ایک ایک کان کا نشان دیا ہے۔ قریش جو تجارت کیا کرتے تھے، مؤرخین نے لکھا ہے، زیادہ تر ان کا مالِ تجارت[2] چاندی ہوتی تھی۔

(بقیہ حاشیہ از صفحہ ۳۶) (ملاحظہ ہو جغرافیہ عرب در انسائیکلو پیڈیا آف نیشنز) بحیرۂ قلزم کے کناروں کے متوازی ایک تنگ میدانی علاقہ ہے جس کا طول خلیج عقبہ سے یمن کی سرحد تک تقریباً گیارہ سو میل ہے۔ اس میدانی علاقے کو تہامہ کہا جاتا ہے۔

اس سے اندرون ملک کی طرف بڑھیں تو شمال کی طرف حجاز کی پہاڑیاں یکایک بلند ہو جاتی ہیں۔ ان کی بلندی تین ہزار فٹ سے نو ہزار فٹ ہے۔ جنوب کی طرف عسیر کی پہاڑیاں ہیں جو بحیرہ قلزم کے کنارے کنارے تقریباً دو سو تیس میل اور اندرون ملک ۱۸۰ سے ۲۰۰ میل تک پھیلی ہوئی ہیں۔

حجاز کا سلسلۂ کوہ مشرق کی طرف نسبتاً آسان ڈھلوان کی شکل میں نشیب کی طرف اترتا ہے اور ملک کی مرکزی سطح مرتفع نجد میں تحلیل ہو جاتا ہے۔ نجد مغرب کی طرف سطح سمندر سے تقریباً پانچ ہزار فٹ بلند ہے اور مشرق کی طرف اس کی بلندی دو ہزار فٹ رہ جاتی ہے۔ نجد اور زیریں زمین الحساء کو ایک صحرا جدا کرتا ہے جس کا عرض تخمیناً ۲۵ میل ہے۔ الحساء کا اوسط عرض ایک سو میل ہے اور یہ سطح سمندر سے آٹھ سو فٹ بلند ہے۔ یہ علاقہ آہستہ آہستہ خلیج فارس کے نشیبی ساحلی علاقے میں مل جاتا ہے۔ سعودی عرب میں اس ساحلی علاقے کا جو حصہ شامل ہے وہ شمال میں راس المشعاب سے لے کر ریاست قطر تک ہے۔ اس کا طول تقریباً تین سو میل ہے۔

ملک کا کم از کم ایک تہائی حصہ ریتلا صحرا ہے۔ سب سے بڑا صحرائی علاقہ ربع الخالی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ جنوب میں واقع ہے۔ اس کا رقبہ تقریباً (بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۳۸)

Marfat.com

عرب کے اقوام و قبائل

مؤرخین عرب نے اقوام و قبائل عرب کو تین حصوں پر منقسم کیا ہے۔

عرب بایدہ:- یعنی عرب کے قدیم ترین قبائل جو اسلام سے بہت پہلے فنا ہو چکے تھے۔

عرب عاربہ:- بنو قحطان جو عرب بایدہ کے بعد عرب کے اصلی باشندے تھے اور جن کا اصل مسکن ملک یمن تھا۔

عرب متعربہ:- بنو اسمٰعیل یعنی حضرت اسماعیلؑ کی اولاد جو حجاز میں آباد تھی۔

(بقیہ حاشیہ از صفحہ ۲۷) دو لاکھ پچاس ہزار مربع میل ہے۔ شمال میں النفوذ کا صحرائی علاقہ ہے جس کا رقبہ بائیس ہزار مربع میل ہے۔ ملک میں کوئی قدرتی جھیل نہیں۔ مشرقی علاقوں کے نخلستانوں میں کنوؤں کے سوا پانی کا کوئی چشمہ یا دریا نہیں۔

لہ تیل کے علاوہ سعودی عرب کی معدنی دولت کی تلاش کی کوئی منظم کوشش نہیں کی گئی۔ ۱۹۳۰ء سے اس سلسلے میں کچھ توجہ دی گئی اور ۱۹۳۴ء میں سعودی عربین مائننگ سنڈیکیٹ کے نام سے ایک کمپنی بنی جس میں زیادہ تر برطانیہ، امریکہ اور کینیڈا کے حصے تھے۔ اس کا مقصد سعودی عرب میں معدنیات کی تلاش اور ان کی کھدائی تھا۔ لیکن اس کمپنی نے سونے کی صرف ایک کان "مہد الدیب" (سونے کا گہوارہ) کی کھدائی کی۔ اس کان کے متعلق مشہور ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے زمانے میں دریافت ہوئی تھی۔ (بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۲۹)

Marfat.com

ظہورِ اسلام کے وقت بنو قحطان اور بنو اسمٰعیل، جن کو عدنانی قبائل بھی کہتے ہیں، ملک کے اصل باشندے تھے اور ان کے علاوہ خال خال یہودیوں کی آبادی تھی۔ اس بنا پر درحقیقت ملک عرب اس وقت تین مختلف عناصر سے مرکب تھا۔ ہر عنصر کا قوام بے شمار قبائل و فروع سے تھا، جو یمن سے شام تک ہر قطعہ زمین میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان کی پھر مختلف چھوٹی

(بقیہ حاشیہ از صفحہ ۳۸) یہ مدینہ کے جنوب مشرق میں واقع تھی۔ ۱۹۳۹ء میں اس کی کھدائی شروع ہوئی اور ۱۹۵۴ء میں آخری بار اس سے کچی دھات نکالی گئی۔ اس وقت تک اس میں سے تین کروڑ پندرہ لاکھ ستاسی ہزار سات سو اسی ڈالر کا سونا اور چاندی حاصل کیا گیا۔ کمپنی میں حکومت سعودی عرب کے پندرہ فی صد اور سعودی عرب کے شہریوں کے دس فی صد حصص تھے۔ حکومت سعودی عرب کو سونے کی کل قیمت پر پانچ فی صد رائیلٹی ملتی تھی۔

لہ ۲۹۔ مئی ۱۹۳۳ء میں سعودی عرب کی حکومت نے ایک امریکی فرم سٹینڈرڈ آئیل آف کیلیفورنیا کو تیل کی مراعات دیں۔ یہ کمپنی بعد میں عربین امریکن آئیل کمپنی کے نام سے موسوم ہوئی۔ ۲ر دسمبر ۱۹۴۸ء میں کمپنی کے سرمایے کو ایک بار پھر منتظم کیا گیا۔ اب اس میں مندرجہ ذیل حصے دار شامل ہیں۔

سٹینڈرڈ آئل آف کیلیفورنیا = ۳۰ فی صد۔ ٹیکساز کمپنی = ۳۰ فی صد۔ سٹینڈرڈ آئل آف نیوجرسی = ۳۰ فی صد۔ سوکنی موبل آئل کمپنی = ۱۰ فی صد۔

تیل کے ذخائر سعودی عرب کے مشرقی صوبے الحسا میں پائے جاتے ہیں۔ ۱۹۵۵ء میں چھتیس کروڑ اکیس لاکھ اکیس ہزار چار سو اٹھہتر بیرل خام تیل نکلا تھا۔ گویا خام تیل کی روزانہ اوسط نو لاکھ بانوے ہزار ایک سو چھ بیرل تھی۔ یہ تیل ایک سو انچاس کنوؤں میں سے حاصل ہوا تھا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک کنوئیں میں سے ہر روز پانچ ہزار دو سو انچاس بیرل تیل نکلتا رہا۔ امریکہ میں تیل کے کنوؤں کی یومیہ اوسط صرف بارہ بیرل فی کنواں ہے۔

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۴۰)

شاخیں تھیں۔ کیونکہ اس کتاب میں اکثر ان کے نام آئیں گے، اس بنا پر ان کا ایک مختصر خاکہ درج ذیل ہے۔

بنو قحطان

اس خاندان کی تین بڑی شاخیں ہیں۔

۱۔ قضاعہ ۲۔ کہلان ۳۔ ازد۔ حمیر بھی اسی کی شاخ ہے جو یمن کے فرمانروا تھے لیکن واقعات کو ان سے کوئی تعلق نہیں۔

(بقیہ حاشیہ از صفحہ ۳۹) سعودی عرب کے خام تیل کا ایک تہائی حصہ یورپ کی منڈیوں میں بھیجنے کے لئے ۱۰۶۸ میل لمبی پائپ لائن کے ذریعے لبنان کے شہر صیدا کو بھیجا جاتا ہے۔ یہ پائپ لائن دسمبر ۱۹۵۰ء میں بچھائی گئی تھی۔ مزید ایک تہائی سویز کے مشرقی علاقوں میں فروخت کے لئے ایک دوسری پائپ لائن کے ذریعے بحرین میں بھیجا جاتا ہے۔ باقی کا ایک تہائی بڑے بڑے تیل بردار سمندری جہازوں کے ذریعے یورپ اور امریکہ کی منڈیوں کو روانہ ہوتا ہے۔ ۱۹۵۶ء میں ہر ماہ تقریباً ۱۲۸ بڑے بڑے تیل بردار جہاز اس کام میں لائے گئے تھے۔

اس کمپنی کے علاوہ سعودی عرب میں دو اور کمپنیاں کام کر رہی ہیں۔ ان میں سے ایک جاپانی کمپنی ہے اور دوسری امریکی کمپنی جس کا نام پال گیٹی آئل کمپنی ہے۔

تیل کی دریافت نے سعودی عرب اور دوسرے عربی ممالک کی کایا پلٹ دی ہے۔ (۱) اس سے پہلے سعودی عرب کے سرکاری خزانے کی بیشتر آمدنی حجاج کی مرہون ہوا کرتی تھی۔ یہ آمدنی اب بھی قائم ہے لیکن تیل کی آمدن ان سب سے بڑھ کر ہے۔ ایک اندازے کے مطابق سرکاری خزانے کا ۸۱ فی صد تیل سے حاصل ہوتا ہے۔

"ارامکو" (عربین امریکن آئل کمپنی) تیل کے ہر بیرل پر ۲۰ فی صد رائلٹی دیتی ہے۔ اس کے علاوہ تیل پر انکم ٹیکس بھی ادا کیا جاتا ہے۔ دسمبر ۱۹۵۰ء میں (بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۴۱)

۱۔ قبائل قضاعہ:۔ عام علمائے انساب قضاعہ کو بنو قحطان میں داخل کرتے ہیں اور ہم بھی یہاں اُن کی پیروی کرتے ہیں ورنہ از روئے تحقیق وہ بنو اسماعیل ہیں۔ بہر حال ان کی حسب ذیل شاخیں ہیں:۔

بنو کلب، بنو تنوخ، بنو جرم، بنو جہینہ، بنو نہد، بنو عذرہ، بنو اسلم، بلی، سلیح، ضجعم، تغلب، نمر، اسد، تیم، املات، کلب۔

(بقیہ حاشیہ از صفحہ ۴۰) ایک معاہدے کے تحت تیل پر رائلٹی، ٹیکس اور دوسری تمام ڈیوٹیز کو ملا کر حکومت کا حصہ کمپنی کی کل آمدن کا پچاس فی صد مقرر کیا گیا تھا۔

سعودی عرب کی کل آمدنی سے متعلق اعداد و شمار نہیں ملتے۔ ایک اندازے کے مطابق ۱۹۵۸ء میں کل آمدنی تقریباً چار سو ملین ڈالر تھی۔

سعودی عرب کی تجارت زیادہ تر امریکہ سے ہوتی ہے۔ ۱۹۵۷ء میں امریکہ نے سعودی عرب سے بیالیس ملین ڈالر کا تیل خریدا اور سعودی عرب نے امریکہ سے چھیاسٹھ ملین ڈالر کی اشیائے صرف خریدیں جن میں کھانے پینے کی اشیاء، سوتی کپڑا اور موٹریں وغیرہ شامل تھیں۔ اب جرمنی اور جاپان کے ساتھ بھی تجارتی تعلقات بڑھ رہے ہیں۔ جون ۱۹۵۸ء سے حکومت نے درآمدی پالیسی کو سخت کر دیا ہے تاکہ سامان آسائش کی درآمد میں کمی ہو سکے۔

اپریل ۱۹۵۹ء میں قاہرہ میں عرب پٹرولیم کانفرنس منعقد ہوئی تھی جس میں سعودی عرب کے وفد نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ مشرق وسطیٰ کے تیل پیدا کرنے والے ممالک کو صرف خام تیل کے منافع ہی میں حصہ دار نہیں رہنا چاہیئے بلکہ اس کی مواصلت، صفائی اور فروخت کے منافع میں بھی حصے کا مطالبہ کرنا چاہیئے۔

یہ صرف سعودی عرب کے تیل کی کہانی ہے۔ سعودی عرب میں تیل ۱۹۳۸ء میں نکلا تھا۔ اس کے علاوہ جزیرہ نمائے عرب میں عراق، کویت، بحرین، قطر اور خلیج فارس کی وفاقی ریاستوں میں بھی تیل کے ذخائر پائے جاتے ہیں۔ آمدنی کی جدول حسب ذیل ہیں۔ (بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۴۲)

Marfat.com

۳- کہلان :- بجیلہ ، خثعم ، ہمدان ، کندہ ، مذحج ، طے ، لخم ، جذام ، عاملہ۔

۴- ازد :- انصار اسی کی شاخ ہیں۔

اوس ، خزرج ، خزاعہ ، غسان ، دوس۔

مشہور عدنانی قبائل

جن کا آخری مقسم مضر ہے حسب ذیل ہیں :-

قبائل مضر اولاً بنی خندف اور بنو قیس دو خاندانوں پر منقسم ہیں۔

۱- خندف :- ہذیل ، کنانہ ، اسد ، ضبہ ، مزینہ ، رباب ، تمیم ، ہون ۔ ان میں سے ہر ایک کے متعدد فروع ہیں۔

(بقیہ حاشیہ از صفحہ ۴۱) عراق کی قومی آمدن کا ۶۰ فی صد حصہ تیل سے حاصل ہوتا ہے۔

کویت کی قومی آمدنی ۱۹۵۸ء کے اعداد و شمار کے مطابق چار سو پندرہ ملین ڈالر سالانہ تھی۔ اس میں ۱۹۳۶ء میں تیل نکلا تھا۔

بحرین میں تیل کی دریافت ۱۹۳۲ء میں ہوئی تھی۔ ۱۹۵۸ء کے اعداد و شمار کے مطابق سالانہ آمدنی پندرہ ملین ڈالر تھی۔

قطر میں تیل کی دریافت ۱۹۳۹ء میں ہوئی۔ سالانہ آمدنی ۱۹۵۸ء کے اعداد و شمار کے مطابق ساٹھ ملین ڈالر تھی۔

عمان کی ساحلی وفاقی ریاستوں کی کل تعداد سات ہے۔ ان میں سے سب سے پہلے ۱۹۵۸ء میں ابوظہبی میں تیل دریافت ہوا۔ اس وقت تک تیل کو تجارتی خطوط پر فروخت کرنے کی کوئی تنظیم میسر نہ تھی تاہم برطانوی کمپنیاں تیل تلاش کر رہی تھیں اور سہولت کے عوض ان ریاستوں کو حسب ذیل سالانہ رائلٹی دی گئی۔

ابوظہبی = چار لاکھ ڈالر۔ دبئی = ۱ لاکھ ڈالر۔ شارجہ = چھپن ہزار ڈالر۔ راس الخیمہ، عجمان، فجیرہ، ام القیوین میں سے ہر ایک کو تقریباً اٹھارہ ہزار اور ۴۴ ہزار ڈالر کے درمیان ان ریاستوں کی آمدنی کے موجودہ اعداد و شمار حاصل نہیں ہو سکے (بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۴۳)

اصول	فروع	اصول	فروع
کنانہ ہون رباب	قریش ـ دول قارہ عدی ـ تیم ـ عقل ـ ثور	تمیم	مقاعس ـ قریع ـ بہدلہ ـ یربوع ـ ریاح ـ ثعلبہ ـ کلیب ـ

قیس :- عدوان ـ غطفان ـ اعصر ـ سلیم ـ ہوازن ـ

ان میں بعض کے فروع یہ ہیں :-

اصول	فروع	اصول	فروع
غطفان اعصر	عبس ـ ذبیان ـ فزارہ ـ مرہ غنی ـ باہلہ	ہوازن	سعد بکر ـ جشم ـ ثقیف ـ سلول ـ بنو عامر (عامر کی شاخیں بنو ہلال بنو نمیر بنو کعب ہیں)

یہود

بنو قینقاع ـ بنو نضیر ـ بنو قریظہ ـ

(بقیہ حاشیہ از صفحہ ۴۲) تاہم یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی اوپر بیان کردہ آمدنی کئی گنا بڑھ گئی ہے ـ ان ریاستوں میں ہوٹلوں، بنکوں اور ہسپتالوں کی تعمیر آمدنی میں منافع کا ثبوت ہیں ـ

Marfat.com

عرب کی قدیم حکومتیں

بنو قحطان و آلِ اسمٰعیل نے اسلام سے پہلے متعدد حکومتیں قائم کی تھیں جن کے جستہ واقعات کہیں کہیں سے ملتے ہیں۔ کتبوں اور دیگر مؤرخین کی تصریحوں سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں پانچ متمدن سلطنتیں گزری ہیں۔

۱۔ معینی ـــــ معین، یمن میں ایک مقام کا نام ہے جو کسی زمانے میں سلطنت کا پایۂ تخت تھا۔

۲۔ سبائی ـــــ یعنی قوم سبا۔

۳۔ حضرموتی ـــــ حضرموت یمن کا مشہور مقام ہے۔

۴۔ قتبانی ـــــ قتبان عدن میں ایک مقام ہے جو آج کل گمنام ہے۔

۵۔ نابتی ـــــ حضرت اسمٰعیلؑ کے ایک بیٹے کا نام نابت تھا۔ یہ سلسلہ ان ہی کی طرف منسوب ہے۔

معینی سلطنت جنوبی عربستان میں تھی۔ اس کے صدر مقامات قرن اور معین تھے۔ کتبوں سے تقریباً پچیس حکمرانوں کا پتہ چلتا ہے۔ محققین یورپ میں اختلاف ہے کہ معینی اور سبائی حکومتیں ہم زمان تھیں یا متقدم و متاخر۔ گلازر کا خیال ہے کہ معینی حکومت بہت متقدم ہے اور حضرت عیسیٰؑ سے پندرہ سو برس قبل موجود تھی لیکن مولر کا بیان ہے کہ کوئی معینی کتبہ آٹھ سو برس قبل مسیح سے پہلے کا نہیں تھا۔ اس بنا پر سبائی اور معینی دونوں ہمعصر ہیں۔

سبائی دور، جیسا کہ کتبوں سے ثابت ہوتا ہے، حضرت عیسیٰؑ سے سات سو برس قبل ہے

اس سلطنت کا پایۂ تخت مآرب تھا۔ اس زمانے کے سنگی کتبے بکثرت موجود ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ سے ایک سو پندرہ برس قبل تک اس حکومت کا پتہ چلتا ہے۔ اس دور کے بعد حمیر کا زمانہ ہے۔ حمیر نے مآرب پر قبضہ کر کے اس کو پایۂ تخت بنا لیا۔

قریباً ۱۱۵ء قبل مسیح میں حمیر نے سبائی حکومت پر[1] قبضہ کر لیا۔ کتبوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حمیر میں چھبیس فرمانروا گزرے۔ حمیر کے بعض کتبوں میں سن و سال بھی کندہ ہے۔ ان کے عہد میں رومی سلطنت نے عرب میں مداخلت کرنے کی کوشش کی تھی لیکن یہ کوشش پہلی بھی تھی اور آخری بھی۔ اے لیس، گالس جس نے حضرت عیسیٰؑ سے اٹھارہ برس پہلے عرب[2] پر چڑھائی کی تھی بالکل ناکامیاب رہا۔ اس کے رہبر و خانہ زنی سے اس کو صحرا میں لے گئے اور ریگستان میں پہنچ کر اس کا سارا لشکر تباہ ہو گیا۔

حمیر نے یہودی مذہب قبول کر لیا تھا۔ اسی زمانے کے قریب حبشیوں[3] نے عرب کے جنوب میں حکومت قائم کرنا شروع کی اور ایک زمانہ میں حمیریوں کو شکست دے کر اپنی مستقل حکومت قائم

---

[1] مولانا عبدالرؤف قادری داناپوری نے اپنی کتاب اصح السیر میں حمزہ اصفہانی کی کتاب "تاریخ ملوک الارض" کے حوالے سے یمن میں بنی قحطان کے بادشاہوں کے نام نقل کئے ہیں اور یہ نتیجہ نکالا ہے کہ سبائی، حمیری اور تبابعہ کی مختلف اور جدا جدا سلطنتیں نہ تھیں۔ سبا بن یشجب سب کا جد اعلیٰ تھا۔ اسی کی اولاد سبائی ملوک ہیں اور اسی کا لڑکا حمیر بن سبا چونکہ منظم سلطنت کا بانی ہے۔ اس لئے بعد کے تمام سلاطین کو ملوک حمیر بھی کہتے ہیں۔

رائش کو جو سبا اور حمیر کی اولاد ہے پہلے پہلے تبع کا لقب دیا گیا کیونکہ اس نے ان لوگوں کو تابع کیا جو پہلے تابع نہ ہو سکے تھے۔ اور ذو القرن کو بھی اسی طرح تبع کا لقب ملا۔ لیکن تبع بن الاقرن کے بعد سے تبع بن حسان تک جتنے شاہان حمیر ہوئے سب تبع کہلائے اور ان کو تبابعہ کی حکومت کا نام دیا گیا۔

[2] اس سے مراد حجاز اور نجد ہی کا علاقہ ہو سکتا ہے۔ جزیرہ نمائے عرب میں تو عیسائی روم کے اثر و نفوذ کا ذکر اگلے صفحہ میں خود مؤلف کے قلم سے ہو گا۔ (بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۴۹)

Marfat.com

کر گی۔ اس عہد کا ایک کتبہ جو آج کل ہاتھ آیا ہے اس پر یہ الفاظ ہیں :۔

"رحمان مسیح اور روح القدس کی قدرت و فضل و رحمت سے اس یادگاری پتھر پر ابرہہ نے کتبہ لکھا جو کہ بادشاہ سبا ارا حیمس ذوبیان کا نائب الحکومت ہے "۔

نابتی حکومت جو شام کے حدود سے متصل تھی اور جو قوم ثمود کی مرادف یا ان کی قائم مقام تھی اس کی نسبت فارسٹر صاحب اپنے جغرافیہ میں لکھتے ہیں :۔

"نابت کا نام اور اثر نہ صرف ریگستانی اور صحرائی عرب پر مستولی تھا بلکہ حجاز و نجد

(بقیہ حاشیہ از صفحہ ۴۵) ؎ ڈاکٹر حمید اللہ نے اپنی کتاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی میں عربوں اور یورپی مؤرخوں اور محققوں کے حوالے سے وضاحت کی ہے کہ یمن کا جو بادشاہ یہودی ہو گیا تھا اُس کا نام ذو نواس تھا۔ اُس نے اپنے ماتحت صوبہ نجران کے عیسائیوں پر مذہبی تعصب کی بنا پر شدید مظالم کئے۔ انجیلیں جلادیں اور جو لوگ عیسائیت سے تائب نہیں ہوئے انہیں ایک گڑھے میں الاؤ جلا کر زندہ جلا دیا۔ ان نجرانی عیسائیوں میں سے ایک آدمی کسی طرح بیزنطینی شہنشاہ کے دربار میں پہنچا اور عیسائیوں کی مظلومیت کی داستانیں سنا کر اسے امداد پر مائل کیا۔ بیزنطینی شہنشاہ اس وقت ایرانیوں سے جنگ میں مصروف تھا۔ اس کے علاوہ یمن اس کی سلطنت سے زیادہ فاصلے پر واقع تھا۔ اس نے اپنے زیر اثر ملک حبشہ کے عیسائی بادشاہ کو سفارش کی کہ وہ یمن سے قریب تھا اور آسانی کے ساتھ نجران کے عیسائیوں کی مدد کر سکتا تھا۔ اس کے علاوہ بیزنطینی بادشاہ نے کشتیوں سے حبشہ کی مدد کرنے کا بھی وعدہ کیا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے دوسری روایت یہ بھی بیان کی ہے کہ نجران کا یہ قاصد سیدھا حبشہ میں پہنچا تھا۔ صورت جو بھی ہو اپنے ہم مذہبوں کی مدد کے لئے حبشہ کا بادشاہ ستر ہزار کی فوج کے ساتھ یمن پر حملہ آور ہوا۔ یمنی سلطنت نے مدافعت کی لیکن بالآخر ذونواس کو شکست ہوئی اور یمن پر حبشیوں کا قبضہ ہو گیا۔ ابرہہ شہنشاہ حبش کی طرف سے یمن کا دوسرا گورنر تھا۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے اپنی محولہ بالا کتاب میں اس کتبے کا پورا متن دیا ہے۔

Marfat.com

کے صوبہ ہائے عظیم پر بھی حاوی تھا۔ نابتی جہاں ایک طرف منافع بخش تجارت سے بہرہ اندوز ہونے میں کمال رکھتے تھے وہاں دوسری طرف بطور سچے بنو اسمٰعیل کے خطرات جنگ کے لیئے بالکل مستعد رہتے تھے۔ فلسطین و شام میں ان کی غارت گریوں اور خلیج عرب میں مصری جہازات پر ان کی رہزنی نے بطالسہ جداران مقدونیہ کو ان کی دشمنی پر آمادہ کر دیا۔ لیکن روما کی مجموعی قوت سے پیشتر کوئی شے انہیں روک نہ سکی۔ اور روما کی اطاعت بھی انہوں نے اسطرابو کے زمانے میں بالکل مجبورانہ اور مختصبانہ انداز سے قبول کی۔

یہ قدیم سلطنتوں کا حال تھا۔ اسلام سے قبل یہ تمام سلطنتیں برباد ہو چکی تھیں۔ ان کے بجائے یمن میں بڑے بڑے سردار رہ گئے تھے۔ جن کو قیل[1] یا مقول کہتے تھے۔ عراق میں آل منذر کا خاندان قائم تھا جو فارس کے زیر اثر تھا۔ شام کی حدود میں غسانی[2] خاندان فرمانروا تھا جو قیصرانِ روم کا ماتحت تھا اور جس کا آخری فرمانروا جبلہ بن الایہم غسانی تھا۔

---

[1] جدید محققوں کی تحقیق یہ ہے کہ حبش کے تین گورنر یکے بعد دیگرے یمن پر حکمران ہوئے۔ تیسرے اور آخری گورنر کا نام مسروق تھا۔ اس کے عہد میں ایک آدمی ایران گیا اور نوشیرواں سے مدد لینے میں کامیاب ہو گیا۔ ایرانی فوج نے عربوں کے تعاون سے حبشیوں کو یمن سے نکال دیا اور یمن ایران کے ماتحت ایک صوبہ بن گیا۔ جس پر دربار ایران سے عامل مقرر ہو کر آتے تھے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے زمانے میں باذان نامی ایک ایرانی عامل یمن پر حکمران تھا۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس گورنر کے تحت بڑے بڑے عرب سردار بھی ہوں گے جن کو قیل یا مقول کہا جاتا ہو گا۔

[2] غسانی خاندان اصل میں یمن کا رہنے والا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً چار سو برس قبل سدِ مارب کے ٹوٹ جانے اور سیل عرم کے آنے سے یمن میں تباہی و ہلاکت ہوئی۔ اور اس کی وجہ سے کچھ یمنی قبائل دوسرے علاقوں میں ہجرت کر گئے۔ ان میں سے ایک قبیلہ غسان بھی تھا۔ یہ قبیلہ پھرتا پھراتا دمشق میں پہنچا جو اس وقت بیزنطینی سلطنت کے وظیفہ خوار قبیلہ ضجعم کے زیر حکومت تھا۔ بیزنطینی حکومت دمشق (بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۴۸)

تہذیب و تمدّن

تہذیب و تمدن کے لحاظ سے عرب کے مختلف حصّے بالکل مختلف حالت رکھتے تھے۔ مثلاً یمنی کسی زمانے میں انتہا درجے کی ترقی تک پہنچ چکے تھے۔ یورپ کے محققین آثار قدیمہ جنہوں نے یمن کے آثار قدیمہ کی تحقیقات کی ہے اور پرانے کتبوں کو پڑھا ہے وہ یمن کی قدیم تہذیب و تمدن کا اعتراف کرتے ہیں۔ مؤرخین عرب کا دعویٰ ہے کہ یمن نے ایک زمانہ میں اس حد تک ترقی کی تھی کہ وہاں کے سلاطین نے تمام ایران فتح کر لیا تھا۔ چنانچہ سمرقند کی وجہ تسمیہ بتاتے ہیں کہ یمن کا ایک بادشاہ جس کا نام شمر تھا اُس نے سمرقند کو کھدوا کر برباد کر دیا تھا اسی بنا پر ایرانی اس مقام کو شمر کند کہنے لگے۔ پھر معرب ہو کر سمرقند ہو گیا۔

(بقیہ حاشیہ از صفحہ ۴۷) میں اس قبیلے کو خانہ بدوش عربوں اور اپنی سلطنت کے درمیان حاجز سلطنت (بفر سٹیٹ) کے طور پر استعمال کرتی تھی۔ قبیلہ غسان نے حسب حیثیت ایک ڈیڑھ یا دو دینار فی کس ٹیکس دینا قبول کیا اور دمشق میں رہائش اختیار کر لی لیکن یہ اطاعت گزاری چند روزہ ثابت ہوئی۔ غسانیوں نے جلد ہی ٹیکس دینے سے انکار کر دیا اور ضجعم کے مقابلے میں اتر آئے۔ گھمسان کی لڑائی ہوئی جس میں ضجعم بالکل فنا ہو گئے اور غسانی دمشق پر قابض ہو گئے۔ رومن شہنشاہ دیقیوس (وفات ۲۵۱ء) نے اس نئی ریاست کو تسلیم کر لیا اور سالانہ پندرہ سیر سونا بطور وظیفہ مقرر کیا۔

اسی طرح عرب کے وہ مقامات جو ایران اور شام سے متصل تھے مثلاً حیرہ[1] جو آلِ نعمان کا پایۂ تخت تھا اور حوران جو خاندانِ غسان کا صدر مقام تھا۔ تہذیب و تمدن سے خالی نہ تھے۔

لیکن عرب کے اصلی اور اندرونی مقامات میں تہذیب و تمدن کی یہ حالت نہ تھی۔ عربی زبان نہایت وسیع ہے۔ باوجود اس کے جن چیزوں کو تمدن اور اسباب معاشرت سے تعلق ہے ان کے لئے خاص عربی زبان میں الفاظ نہیں ملتے بلکہ ایران یا روم سے مستعار آئے ہیں۔ سکہ کے لئے ایک لفظ بھی موجود نہیں۔ درہم و دینار دونوں غیر زبان کے الفاظ ہیں۔ درہم یونانی لفظ درخم ہے اور یہ وہی لفظ ہے جو انگریزی میں ڈرام ہو گیا۔ چراغ معمولی چیز ہے تاہم اس

---

[1] جدید علمائے تاریخ کی تحقیق ہمیں بتاتی ہے کہ موجودہ کوفہ کا پرانا نام حیرہ ہے جو عراق کا پایۂ تخت تھا جس طرح بیزنطینیوں نے دمشق میں ایک وظیفہ خوار عربی سلطنت قائم کر کے اپنی سلطنت کو خانہ بدوشوں کی تاراج سے محفوظ کیا تھا اسی طرح عراق میں ایران نے ایک باجگزار ریاست قائم کی اور آلِ نعمان کو وظیفہ خوار کی حیثیت سے اس پر حکمران بنا دیا۔ انہوں نے خانہ بدوشی ترک کر دی۔ بستیوں کو آباد کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے صدیوں قبل ایک زبردست عربی سلطنت کے حاکم اور مختار بنے رہے۔ لیکن مزدک کے زیرِ اثر ایرانیوں کی اخلاقی حالت ناگفتہ بہ ہو گئی اور جنسی اباحت ان میں اس حد تک راسخ ہو گئی کہ بہن اور بیٹی تک کی تمیز مٹ گئی۔ اس سلطنت نے عربوں کو بھی اپنے ڈھنگ پر لانا چاہا۔ لیکن عربی غیرت نے اس کی مدافعت کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حیرہ کے حکمران کو مدائن میں بلا کر قتل کر دیا گیا۔ ایک عرب ایاس بن قبیصہ کو عربوں کا برائے نام سردار بنا دیا گیا لیکن عملاً حیرہ ایرانی صوبہ بنا دیا گیا۔ ایرانی گورنروں نے عرب کشی کی ہولناک مثالیں قائم کیں۔

حیرہ اور یمن کے علاوہ مشرقی اور جنوب مشرقی ساحلی علاقوں یعنی عمان اور بحرین (موجودہ الحساء کا علاقہ) میں ایرانی اثرات مستحکم ہو گئے۔ عمان میں جلندی بن المستکبر کا خاندان کسریٰ ایران کی طرف سے نامزد ہو چکا تھا۔ اسی جلندی کے بیٹوں جیفر اور عبد (بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۵۰)

Marfat.com

کے لئے عربی میں کوئی لفظ نہ تھا۔ چراغ کو لے کر سراج کر لیا۔ پھر ایک مصنوعی لفظ بنایا مصباح یعنی ایک آلہ جس سے صبح بنائی جاتی ہے۔ کوزہ کے لئے کوئی لفظ نہیں۔ کوزہ کو کوز کر لیا ہے۔ لوٹے کو ابریق کہتے ہیں جو آب ریز کا معرب ہے۔ طشت فارسی لفظ تھا اسی کو عربی میں طست کر لیا ہے۔ پیالہ کو کاس کہتے ہیں۔ وہی کاسہ فارسی لفظ ہے۔ کرتہ کو عربی میں قرطق کہتے ہیں۔ یہ بھی فارسی ہے۔ پاجامہ کو سروال کہتے ہیں جو شلوار کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب نے کسی زمانے میں جو ترقی کی تھی آس پاس کے ممالک کی تہذیب و تمدن سے متاثر ہو کر کی تھی۔ اس لئے جو مقامات ان ممالک سے دور تھے اسی اصلی حالت پر رہ گئے۔

احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک عیش و نعمت کے سامان بہت کم تھے۔ مسئلہ حجاب کے شان نزول میں بخاری وغیرہ میں مذکور ہے کہ اس زمانے تک گھروں میں جائے ضرور نہ تھی۔ مستورات رفع حاجت کے لئے باہر جایا کرتی تھیں۔ ترمذی باب الفقر میں ہے کہ اس وقت تک چھلنیاں نہ تھیں۔ بھوسے کو پھونک کر اڑاتے۔ جو رہ جاتا تھا وہی آٹا ہوتا تھا۔ ابو داؤد میں ایک صحابی کی روایت ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہا لیکن میں نے آپ سے حشرات الارض کا حرام ہونا نہیں سنا۔ اگرچہ اس حدیث کی شرح میں محدثین لکھتے ہیں کہ ایک راوی کے نہ سننے سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حشرات الارض کی حرمت نہیں بیان کی لیکن اس سے اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے عرب حشرات الارض کھاتے تھے۔ تاریخ اور ادب میں یہ تصریح موجود ہے کہ عرب کھنکھجورا، گوہ، گرگٹ، سیہی اور جانوروں کا چمڑہ کھاتے تھے۔

(بقیہ حاشیہ از صفحہ ۴۹) کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مخاطب فرمایا تھا۔

عمان کے ایک اور سردار ہوذہ بن علی کو کسریٰ نے ایک جواہر نگار ٹوپی عنایت کی تھی جس کی وجہ سے اس کا لقب ذوالتاج یا صاحب التاج مشہور ہو گیا۔ بحرین کے صدر مقام ہجر میں ایران کی طرف سے ایک فوجی افسر رہا کرتا تھا بعض عرب موروثی فوجی افسر تھے

عرب کے مذاہب

عرب میں اسلام سے پہلے مختلف مذاہب تھے۔ بعضوں کا خیال تھا کہ جو کچھ ہے زمانہ یا فطرت (قانون قدرت) ہے۔ خدا کوئی چیز نہیں۔ بعض خدا کے قائل تھے لیکن قیامت اور جزا و سزا کے منکر تھے۔ بعض خدا اور جزا و سزا کے بھی قائل تھے لیکن نبوت کے منکر تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر کوئی پیغمبر ہو سکتا ہے تو اس کو فرشتہ ہونا چاہیے جو حاجاتِ انسانی سے منزہ ہو۔

لیکن عموماً لوگ بت پرست تھے۔ وہ بتوں کو خدا نہیں سمجھتے تھے بلکہ کہتے تھے کہ خدا تک پہنچنے کے وسیلے ہیں۔ قبیلہ حمیر جو یمن میں رہتا تھا آفتاب پرست تھا۔ کنانہ چاند کو پوجتے تھے۔ قبیلہ بنی تمیم دبران کی عبادت کرتا تھا۔ اسی طرح قیس شعری کی۔ قبیلہ اسد عطارد کی اور لخم و جذام مشتری کی پرستش کرتے تھے۔

مشہور بتوں اور اُن کے پوجنے والوں کے نام حسب ذیل تھے:۔

نام بت	مقام	قبیلہ جو اس بت کو پوجتا تھا	نام بت	مقام	قبیلہ جو اس بت کو پوجتا تھا
لات	طائف	ثقیف	عزیٰ	مکہ معظمہ	قریش و کنانہ
مناۃ	مدینہ منورہ	اوس۔ خزرج۔ غسان	ودّ	دومۃ الجندل	کلب
سواع	..	ہذیل	یغوث	..	مذحج اور بعض قبائل یمن
یعوق	..	ہمدان	..	..	.. ..

Marfat.com

سب سے بڑا بُت ہبل تھا جو کعبہ کی چھت پر منصوب تھا۔ قریش لڑائیوں میں اس کی جے پکارتے تھے۔

عرب میں بُت پرستی کا بانی ایک شخص عمرو بن لُحَیّ تھا۔ اس کا اصلی نام ربیعۃ بن حارثہ تھا۔ عرب کا مشہور قبیلہ خزاعۃ اسی کی نسل سے ہے۔ عمرو سے پہلے جرہم کعبہ کے متولی تھے۔ عمرو نے لڑ کر جرہم کو مکّہ سے نکال دیا اور خود حرم کا متولی ہوگیا۔ وہ ایک دفعہ شام کے کسی شہر میں گیا۔ وہاں کے لوگوں کو بُت پُوجتے دیکھا تو پوچھا ان کو کیوں پوجتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ یہ حاجت روا ہیں۔ لڑائیوں میں فتح دلاتے ہیں۔ قحط پڑتا ہے تو پانی برساتے ہیں۔ عمرو نے چند بُت اُن سے لے لئے اور لاکر کعبہ کے آس پاس قائم کئے۔ کعبہ چونکہ عرب کا مرکز تھا اس لئے تمام قبائل میں بُت پرستی کا رواج ہوگیا۔ ان میں سب سے قدیم بُت منات تھا۔ یہ سمندر کے کنارے قدید کے قریب نصب تھا۔ اوس وخزرج یعنی مدینہ کے لوگ اسی پر قربانی چڑھاتے تھے اور جب کعبہ کا حج کر کے آتے تھے تو احرام یہیں آتارتے تھے۔ ہذیل اور قضاعہ بھی اسی کی پرستش کرتے تھے۔

یاقوت حموی نے معجم البلدان (ذکر مکّہ) میں لکھا ہے کہ عرب میں بُت پرستی کی عام شکایت کی وجہ یہ ہوئی کہ قبائل عرب جو تمام اطراف سے حج کو آتے تھے واپس جاتے ہوئے حرم کے پتھروں کو اٹھا لیتے تھے اور ان کو اصنام کعبہ کی صورت پر تراش کر ان کی عبادت کرتے تھے۔

اللہ کا اعتقاد

عرب گو قریبًا سب کے سب بُت پرست تھے لیکن اس کے ساتھ یہ اعتقاد اُن کے دل سے کبھی نہیں گیا کہ اصلی خدا سب سے برتر اور چیز ہے اور وہی تمام عالم کا خالق ہے۔ اس خالق اکبر کو وہ اللہ کہتے تھے۔

نصرانیت اور مجوسیت

اگرچہ زمانے اور مدت کا تعین مشکل ہے لیکن یہ تینوں مذہب ایک مدتِ دراز سے

Marfat.com

عرب میں رائج ہو چکے تھے۔ علامہ ابن قتیبہ نے معارف میں لکھا ہے کہ قبیلہ ربیعہ وغسان نصرانی تھے۔ قضاعہ میں بھی اس مذہب کا اثر پایا جاتا تھا۔ نصرانیت کو اس قدر ترقی ہو چکی تھی کہ خود مکّہ معظمہ میں ایسے لوگ موجود تھے (مثلاً ورقہ بن نوفل) جو عبرانی زبان میں انجیل پڑھ سکتے تھے۔ متعدد ایسے لوگ تھے جنہوں نے شام میں جاکر تعلیم پائی تھی۔

حمیر بنو کنانہ، بنو حرث، بنو کعب، کندہ ـــــ یہ قبائل یہودی تھے۔ مدینہ منورہ میں یہود نے پورا غلبہ پا لیا تھا اور توراۃ کی تعلیم کے لئے متعدد درس گاہیں قائم تھیں جن کو بیت المدارس کہتے تھے۔ حدیث کی کتابوں میں اسی نام سے ان کا ذکر آتا ہے۔ قلعہ خیبر کی تمام آبادی یہودی تھی۔ امراء القیس کا ہم عصر مشہور شاعر سموئل بن عادیا جس کی وفاداری آج تک عرب میں ضرب المثل ہے، یہودی تھا۔

اہل کتاب کی روائتیں مکہ معظمہ میں اس قدر رواج پا چکی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب قرآن نازل ہوتا تھا اور اس میں بنی اسرائیل کے واقعات مذکور ہوتے تھے تو کفار بدگمانی کرتے تھے کہ کوئی یہودی یا عیسائی آپ کو سکھاتا ہے۔

قبیلہ تمیم مجوسی تھا۔ زرارہ تمیمی نے جو اس قبیلہ کا مشہور رئیس تھا۔ اسی بنا پر اپنی بیٹی سے شادی کر لی تھی۔ گو اس پر اُس کو ندامت ہوئی۔ اقرع بن حابس بھی مجوسی تھا۔

مذہب حنیفی

دین ابراہیمی کا اُم الاصول توحید خالص تھی۔ زمانہ کے امتداد اور جہالت کے شیوع سے یہ اصول اگرچہ شرک آلود ہو گیا تھا، یہاں تک کہ خود خانۂ خدا میں بُتوں کی پرستش ہوتی تھی تاہم بالکل فنا نہیں ہو سکتا تھا۔ عرب میں کہیں کہیں اس کا دھندلا سا نشان نظر آتا تھا۔ جو لوگ صاحب بصیرت تھے اُن کو یہ منظر نہایت نفرت انگیز معلوم ہوتا تھا کہ انسان عاقل جماد لایعقل کے سامنے سر جھکائے۔ اس بنا پر بُت پرستی کی بُرائی کا خیال بہتوں کے دل میں آیا لیکن اس کا تاریخی زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے کچھ ہی پہلے شروع ہوتا ہے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ کسی بُت کے سالانہ میلے میں ورقہ بن نوفل، عبداللہ بن جحش، عثمان

بن الحویرث، زید بن عمرو بن نفیل شریک تھے۔ ان لوگوں کے دل میں دفعتہً یہ خیال آیا کہ یہ کیا بیہودہ پن ہے کہ ہم ایک پتھر کے آگے سر جھکاتے ہیں جو نہ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے نہ کسی کا نقصان کر سکتا ہے، نہ کسی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ یہ چاروں قریش کے خاندان سے تھے۔ ورقہ حضرت خدیجہؓ کے برادرِ عم زاد تھے۔ زید حضرت عمرؓ کے چچا تھے۔ عبداللہ بن جحش حضرت حمزہؓ کے بھانجے تھے۔ عثمان عبدالعزیٰ کے پوتے تھے۔

زید دین ابراہیمی کی تلاش میں شام گئے۔ وہاں یہودی اور عیسائی پادریوں سے ملے لیکن کسی سے تسلی نہ ہوئی۔ اس لئے اجمالی اعتقاد پر اکتفا کیا کہ

"میں ابراہیمؑ کا مذہب قبول کرتا ہوں۔"

صحیح بخاری میں (باب بنیان الکعبہ سے پہلے) حضرت اسماءؓ (دختر حضرت ابوبکر صدیقؓ) سے روایت ہے کہ

"میں نے زید کو اس حالت میں دیکھا کہ کعبہ سے پیٹھ لگائے لوگوں سے کہتے تھے، اے اہل قریش! تم میں سے کوئی شخص بجز میرے ابراہیمؑ کے دین پر نہیں ہے۔"

عرب میں لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ زید ہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس رسم کی ممانعت کی۔ جب کوئی شخص ایسا ارادہ کرتا تو جا کر اس لڑکی کو مانگ لیتے اور خود اس کی پرورش کرتے۔ صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے پہلے زید کو دیکھا تھا اور اُن سے صحبت رہی تھی۔ ورقہ اور عبداللہ بن جحش اور عثمان بُت پرستی چھوڑ کر عیسائی ہو گئے تھے۔ اسی زمانے کے قریب امیہ بن ابی صلت نے، جو طائف کا رئیس اور مشہور شاعر تھا بُت پرستی کی مخالفت کی۔ حافظ ابن حجر نے اصابہ بن زبیر بن بکار کی سند سے لکھا ہے کہ امیہ نے زمانہ جاہلیت میں آسمانی کتابیں پڑھی تھیں۔ اور بُت پرستی چھوڑ کر دین ابراہیمی اختیار کر لیا تھا۔

شمائل میں ہے کہ ایک دفعہ ایک صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم ردیف تھے۔ اُنہوں نے امیہ کا ایک شعر پڑھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اور۔۔۔!"

Marfat.com

انھوں نے سو شعر پڑھے۔ ہر شعر کے ختم ہونے پر آپؐ فرماتے جاتے تھے کہ
"اور ــــ!"
اخیر میں آپؐ نے فرمایا کہ
"امیہ مسلمان ہوتے ہوتے رہ گیا"
عرب میں اور متعدد اہلِ نظر پیدا ہو گئے تھے جنھوں نے بت پرستی سے توبہ کی تھی۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور شخص عرب کا نامور خطیب قیس بن ساعدۃ الایادی ہے۔ اس کا تذکرہ آگے آتا ہے۔ ایک شخص قیس بن نشبہ تھا جس کی نسبت حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں خدا پرست ہو چکا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر مشرف بہ اسلام ہوا۔

کیا عرب میں ان مذاہب نے کچھ اصلاح کی؟

جیسا کہ اُوپر بیان ہوا، عرب میں تمام مشہور مذاہب موجود تھے۔ یہودیت بھی، نصرانیت بھی، مجوسیت بھی، حنیفیت بھی اور عقلی بلند پروازی کی معراج الحاد بھی۔ لیکن ان سب کا نتیجہ کیا تھا ــــ عقائد کے لحاظ سے یا تو خداؤں کی وہ کثرت جس کو نصرانیت نے بہت گھٹایا تاہم تین کی تعداد سے کم نہ کر سکی۔ ان کے ساتھ یہ اعتقاد کہ حضرت عیسیٰؑ خود سُولی پر چڑھ کر تمام بنی آدم کے گناہوں کا کفارہ بن گئے۔ یا توحید تھی لیکن خدا اس قسم کا تھا جو آدمیوں سے کشتی لڑتا تھا۔

بتوں پر آدمیوں کی قربانی چڑھائی جاتی تھی۔ باپ کی منکوحہ بیٹے کو وراثت میں ملتی تھی۔ حقیقی بہنوں سے ایک ساتھ شادی جائز تھی۔ ازدواج کی کوئی حد نہ تھی۔ قمار بازی، شراب خوری، زناکاری کا رواج عام تھا۔ بے حیائی کی یہ حالت تھی کہ سب سے بڑا نامور شاعر امراء القیس جو شہزادہ بھی تھا قصیدہ میں اپنی پھوپی زاد بہن کے ساتھ اپنی بدکاری کا قصہ مزے لے لے کر بیان کرتا ہے اور یہ قصیدہ کعبہ پر آویزاں کیا جاتا ہے۔

لڑائیوں میں لوگوں کو زندہ جلا دینا، مستورات کا پیٹ چاک کر ڈالنا، معصوم بچوں کو

Marfat.com

تہ تیغ کرنا عموماً جائز تھا۔

یہ حالت صرف عرب کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ تمام دنیا میں یہی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ کیا اس عام ظلمت، اس عالمگیر تیرگی، اس وسیع اور ہمہ گیر تاریکی میں ایک آفتاب عالمتاب کی حاجت نہ تھی۔

Marfat.com

سلسلہ اسماعیلی

Marfat.com

سلسلہ اسماعیلی

حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی

حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد

Marfat.com

سلسلہ اسماعیلی

دنیا میں ہر طرف تاریکی چھائی تھی۔ ایران، ہند، مصر، یورپ میں عالمگیر اندھیرا تھا۔ قبول
ی ایک طرف، اس وسیع خطۂ خاک میں گز بھر زمین نہیں ملتی تھی جہاں کوئی شخص خالص خدائے واحد
نام لے سکتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب کلدان میں یہ صدا بلند کرنا چاہی تو آگ کے
علوں سے کام پڑا۔ مصر آئے ناموس کو خطرے کا سامنا ہوا۔ فلسطین پہنچے کسی نے بات
ت نہیں پوچھی۔ خدا کا نام جہاں لیتے تھے شرک اور بت پرستی کے غلغلے میں آواز دب کر
جاتی تھی۔ معمورۂ عالم کے صفحے نقش ہائے باطل سے ڈھک چکے تھے۔ اب ایک سادہ،
بے رنگ، ہر قسم کے نقش و نگار سے معرا نقش درکار تھا جس پر طغرائے حق لکھا جائے۔ یہ صرف
باز کا صحرائے ویران تھا جو تمدن اور عمران کے داغ سے کبھی داغدار نہیں ہوا تھا۔

حضرت ابراہیمؑ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کو عرب میں لائے اور اُن کو یہیں آباد کیا۔
ضرت سارہ نے (جیسا کہ توراۃ میں ہے) کچھ عرصہ کے بعد انتقال کیا۔ حضرت ابراہیمؑ مکہ میں
لے آئے۔ حضرت اسماعیلؑ جوان ہو چکے تھے۔ اعلانِ حق میں ایک ہم آواز ہاتھ آیا۔ دونوں
ے مل کر ایک چھوٹے سے چوکھونٹے گھر کی بنیاد ڈالی۔ علامہ ازرقی نے تاریخ مکہ میں لکھا
ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے جو تعمیر کی اُس کا عرض و طول حسب ذیل تھا۔

بلندی ـــــ زمین سے چھت تک ۹ گز

طول ـــــ حجر اسود سے رکن شامی تک[له] ۲ ۳۰ گز

له (حاشیہ بر صفحہ ۶۰)

Marfat.com

عرض ــــ رکن شامی سے غربی تک ۲۱ گز

عمارت بن چکی تو حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ سے کہا کہ ایک پتھر لا دو تاکہ اُ
مقام پر[1] جہاں سے طواف شروع کیا جائے۔ خدا کا یہ گھر ایسا تعمیر ہوا تھا کہ نہ چھ
تھی نہ کواڑ اور نہ چوکھٹ بازو تھے۔ جب قصی بن کلاب کو کعبہ کی تولیت حاصل ہوئ
انہوں نے قدیم[1] عمارت گرا کر نئے سرے سے تعمیر کی اور کھجور کے تختوں کی چھت پاٹ

(حاشیہ از صفحہ ۵۹) خانہ کعبہ کے بیرونی گوشوں کو ارکان کہتے ہیں۔ ان میں شمالی گوشے کا نام رکن عراقی ہے کیونکہ وہ عراق کی جانب ہے۔ اسی مناسبت سے مغربی گوشے کو رکن شامی اور قبلی گوشے کو رکن یمانی کہا جاتا ہے۔ مشرقی گوشے کو رکن اسود کہتے ہیں کیونکہ حجر اسود اسی گوشے میں ہے۔ (مرتب)

Marfat.com

حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی

خدا کا گھر بن چکا تو ضرورت تھی کہ اس کی تولیت اور خدمت کے لئے کوئی نفس قدسی
م مشاغل سے الگ ہو کر اپنی زندگی اس پر نظر چڑھا دے۔ اس قسم کی نذر کو ابراہیمی شریعت
قربانی سے تعبیر کرتے تھے۔ توریت میں یہ محاورہ بکثرت آتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب دکھلایا گیا کہ اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر
ہے ہیں۔ اُنہوں نے اس خواب کو عینی سمجھا اور بعینہٖ اس کی تعمیل پر آمادہ ہوئے۔

حضرت ابراہیمؑ کو اپنے استقلال اور جاں نثاری پر اعتماد تھا لیکن یہ تحقیق طلب تھا کہ
ترہ سالہ نوجوان بھی اپنی گردن پر چھری چلتے دیکھ سکتا ہے یا نہیں۔ بیٹے سے مخاطب
کر کہا:

"بیٹا میں خواب دیکھتا ہوں کہ میں تجھ کو ذبح کر رہا ہوں۔ تو بتا تیری کیا رائے ہے؟"

بیٹے نے نہایت استقلال سے جواب دیا:

"ابا جان! آپ کو جو حکم ہوا ہے وہ کر گزریئے۔ خدا نے چاہا تو میں ثابت قدم
ہوں گا۔"

اب ایک طرف نوّد سالہ پیر ضعیف ہے جس کو دُعائے سحر کے بعد خاندانِ نبوت کا
شمع و چراغ عطا ہوا تھا جس کو وہ تمام دنیا سے زیادہ محبوب رکھتا تھا، اب اسی محبوب
کے قتل کے لئے اس کی آستینیں چڑھ چکی ہیں اور ہاتھ میں چھُری ہے۔

دوسری طرف نوجوان بیٹا ہے جس نے بچپن سے آج تک باپ کی محبت آمیز نگا
کی گود میں پرورش پائی ہے اور اب باپ ہی کا مہر پرور ہاتھ اس کا قاتل نظر آتا ہے۔
قدسی، فضائے آسمانی، عالم کائنات یہ حیرت انگیز تماشا دیکھ رہے ہیں اور انگشت بد
ہیں کہ دفعتہً عالم قدس سے آواز آتی ہے۔

"ابراہیمؑ! تو نے خواب کو سچ کر دکھایا۔ ہم نیک بندوں کو اسی طرح اچھا
بدلہ دیا کرتے ہیں"

بیٹے نے جس استقلال، جس عزم، جس حیرت خیز ایثار سے اپنے آپ کو قربانی
لئے پیش کیا اس کا صلہ یہی تھا کہ یہ رسم (قربانی) قیامت تک دنیا میں اس کی یادگار رہ جا
اولاد اسمٰعیلؑ میں قربانی کی تمام یادگاریں موجود ہیں اور حج جو کہ ایک بڑا فریضۂ اسل
ہے تمام تر اسی قربانی کی یادگار ہے۔ چنانچہ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔۔۔ حضرت ابراہیمؑ کو جب خدا نے بیٹے کی قربانی کا حکم دینا چاہا، تو پکارا "ا
ابراہیمؑ!" حضرت ابراہیمؑ نے کہا "میں حاضر ہوں!" حج کے وقت مسلمان جو ہر قدم پر لب
کہتے چلتے ہیں یہ وہی ابراہیمی الفاظ ہیں جن کا لفظی ترجمہ وہی ہے "میں حاضر ہوں"

۲۔۔۔ شریعت ابراہیمی میں دستور تھا کہ جس کو قربان گاہ پر چڑھاتے تھے یا خدا
لئے نذر دیتے تھے وہ بار بار معبد یا قربانی گاہ کے پھیرے کرتا تھا۔ حج میں صفا و مرو
کے درمیان جو سات بار سعی کرتے ہیں یہ اُسی کی یادگار ہے۔

۳۔۔۔ نذر کے فرائض میں ایک یہ تھا کہ ایام نذر تک بال نہیں کترواتے تھے۔
میں بھی یہی دستور ہے۔ جب احرام اتارتے ہیں تب بال کترواتے یا منڈواتے ہیں۔

۴۔۔۔ حج کا ایک ضروری رُکن قربانی ہے۔ یہ وہی حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی
یادگار ہے۔

Marfat.com

حضرت اسماعیلؑ کی اولاد

کعبہ کی برکت اور کشش سے لوگ آس پاس آباد ہونے لگے۔ چنانچہ سب سے پہلے قبیلہ جرہم آکر آباد ہوا۔ اس قبیلے میں مضاض بن عمرو جرہمی ایک ممتاز شخص تھے حضرت اسماعیلؑ نے ان کی لڑکی سے شادی کی۔ ان سے بارہ اولاد ہوئی جن کے نام توریت میں مذکور ہیں۔ ان میں سے اکثر اہل عرب قیدار کی اولاد ہیں۔ حضرت اسماعیلؑ کی وفات کے بعد ان کے بڑے بیٹے نابت کعبہ کے متولی ہوئے۔ ان کے مرنے کے بعد ان کے نانا مضاض نے یہ منصب حاصل کیا اور کعبہ کی تولیت خاندانِ اسماعیل سے نکل کر جرہم کے خاندان میں آگئی۔ لیکن پھر ایک اور خزاعہ نے کعبہ پر قبضہ کر لیا اور مدت تک اسی خاندان میں یہ منصب رہا۔

سلسلۂ نسب

حضرت اسماعیلؑ کے بارہ بیٹے تھے جن کا ذکر توریت میں بھی ہے۔ ان میں سے قیدار کی اولاد حجاز میں آباد ہوئی اور بہت پھیلی۔ ان ہی کی اولاد میں عدنان ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان ہی کے خاندان سے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان ابًا عن جدٍ معزز اور ممتاز چلا آتا ہے لیکن جس شخص نے اس خاندان کو قریش کے لقب سے ممتاز کیا نضر بن کنانہ تھے۔ بعض محققین کے نزدیک قریش کا لفظ سب سے پہلے فہر کو ملا۔

Marfat.com

قصی

نضر کے بعد فہر اور فہر کے بعد قصی بن کلاب نے نہایت عزت اور اقتدار حاصل کیا۔ اس زمانے میں حرم کے متولی حلیل خزاعی تھے۔ قصی نے حلیل کی صاحبزادی سے جن کا نام حبی تھا شادی کی تھی۔ اس تعلق سے حلیل نے مرتے وقت وصیت کی کہ حرم کی خدمت قصی کو سپرد کردی جائے۔ اس طرح یہ منصب بھی ان کو حاصل ہوگیا۔ قصی نے ایک دارالمشورۃ قائم کیا جس کا نام دارالندوہ رکھا۔ قریش جب کوئی جلسہ یا جنگ کی تیاری کرتے تو اسی عمارت میں کرتے قافلے باہر جاتے تو یہیں سے تیار ہو کر جاتے۔ نکاح اور دیگر تقریبات بھی یہیں ادا ہوتے۔

قصی نے بڑے بڑے نمایاں کام کئے جو ایک مدت تک یادگار رہے۔ مثلاً سقایہ اور رفادہ جو خدام حرم کا سب سے بڑا منصب تھا ان ہی نے قائم کیا۔ تمام قریش کو جمع کرکے تقریر کی کہ سینکڑوں ہزاروں کوس سے لوگ حرم کی زیارت کو آتے ہیں۔ ان کی میزبانی قریش کا فرض ہے۔ چنانچہ قریش نے ایک سالانہ رقم مقرر کی جس سے منیٰ اور مکۂ معظمہ میں حجاج کو کھانا تقسیم کیا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ چرمی حوض بنوائے جن میں ایام حج میں پانی بھر دیا جاتا تھا کہ حج کے کام آئے۔ مشعر حرام بھی ان ہی کی ایجاد ہے جس پر ایام حج میں چراغ جلاتے تھے۔

قصی کی چھ اولاد تھی۔ عبدالدار ۔۔۔ عبد مناف ۔۔۔ عبدالعزیٰ ۔۔۔ عبد بن قصی ۔۔۔ تخمر ۔۔۔ برہ۔ قصی نے مرتے وقت حرم محترم کے تمام مناصب سب سے بڑے بیٹے عبدالدار کو دیئے۔ اگرچہ وہ سب بھائیوں میں ناقابل تھے۔ لیکن قصی کے بعد قریش کی ریاست عبد مناف نے حاصل کی اور ان ہی کا خاندان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص خاندان ہے۔ عبد مناف کے چھ بیٹے تھے۔ ان میں سے ہاشم نہایت صاحب صولت اور با اثر تھے۔ انہوں نے بھائیوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ حرم کے مناصب، جو عبدالدار کو دیئے گئے واپس لئے جائیں۔ وہ لوگ اس منصب عظیم کے قابل نہیں۔ عبدالدار کے خاندان نے انکار کیا اور جنگ کی تیاریاں شروع کیں۔ بالآخر اس پر صلح ہوگئی کہ عبدالدار سے سقایہ اور رفادہ واپس

لے کر ہاشم کو دے دیا۔

ہاشم

ہاشم نے اپنے فرض کو نہایت خوبی سے انجام دیا۔ حجاج کو نہایت سیر چشمی سے کھانا کھلاتے تھے۔ چرمی حوضوں میں پانی بھروا کر زمزم اور منیٰ کے پاس سبیل رکھتے تھے۔ تجارت کو نہایت ترقی دی۔ قیصر روم سے خط لکھوایا کہ قریش جب اس کے ملک میں اسباب تجارت لے کر جائیں تو اُن سے کوئی ٹیکس نہ لیا جائے۔ حبش کے بادشاہ نجاشی سے بھی اسی قسم کا فرمان حاصل کیا۔ چنانچہ اہل عرب جاڑوں میں یمن اور گرمیوں میں شام اور ایشیائے کوچک تک تجارت کے لئے جایا کرتے تھے۔ اس زمانے میں انگوریہ (انقرہ) جو ایشیائے کوچک کا مشہور شہر ہے، قیصر کا پایۂ تخت تھا۔ تجارِ قریش انگوریہ میں جاتے تو قیصر نہایت عزت اور حرمت سے خیر مقدم کرتا تھا۔

عرب میں راستے محفوظ نہ تھے۔ ہاشم نے مختلف قبائل میں دورہ کر کے قبائل سے یہ معاہدہ کیا کہ

"قریش کے کاروانِ تجارت کو ضرر نہ پہنچائیں گے جس کے صلہ میں کاروانِ قریش ان قبائل میں ان کی ضرورت کی چیزیں خود لے کر جائے گا اور ان سے خرید فروخت کرے گا۔"

یہ سبب تھا کہ عرب میں باوجود عام لوٹ مار کے قریش کا قافلۂ تجارت ہمیشہ محفوظ رہتا تھا۔

ایک دفعہ مکہ میں قحط پڑا۔ ہاشم نے اس قحط میں شوربہ میں روٹیاں چورا کر کے لوگوں کو کھلائیں۔ اسی وقت سے ان کا نام ہاشم مشہور ہو گیا۔ عربی زبان میں چورا کرنے کو ہشم کہتے ہیں جس کا اسم فاعل ہاشم ہے۔

ایک بار تجارت کی غرض سے شام گئے۔ راستے میں مدینے میں ٹھہرے۔ وہاں سال کے سال بازار لگتا تھا۔ بازار میں گئے تو ایک عورت کو دیکھا جس کے حرکات وسکنات

Marfat.com

سے شرافت اور فراست کا اظہار ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ حسین اور جمیل بھی تھی۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ خاندان بنی نجار سے ہے اور سلمیٰ نام ہے۔ ہاشم نے اس سے شادی کی درخواست کی اور اُس نے قبول کر لی۔ غرض نکاح ہو گیا۔ شادی کے بعد یہ شام کو چلے گئے اور غزہ میں جا کر انتقال کیا۔ سلمیٰ کو حمل رہ گیا تھا۔ لڑکا پیدا ہوا۔ اس کا نام شیبہ رکھا گیا اس نے تقریباً آٹھ برس تک مدینہ میں پرورش پائی۔ ہاشم کے بھائی جن کا نام مطلب تھا، ان کو یہ حالات معلوم ہوئے تو فوراً مدینہ روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر بھتیجے کی جستجو کی سلمیٰ نے اُن کے آنے کا حال سُنا تو بلوا بھیجا۔ تین دن مہمان رہے چوتھے دن شیبہ کو ساتھ لے کر مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔ ان کی عمر آٹھ برس تھی۔ یہاں آ کر ان کا نام عبدالمطلب پڑ گیا۔

عبدالمطلب

عبدالمطلب کے لفظی معنی مطلب کا غلام ہیں۔ اس لئے ارباب سیر نے وجہ تسمیہ میں بہت سے نام لکھے ہیں جن میں صحیح تر یہ ہے کہ چونکہ مطلب نے ان کی پرورش کی تھی اور یہ یتیم تھے اس لئے عرب کے محاورہ کے مطابق "غلام مطلب" مشہور ہوئے۔

عبدالمطلب کی زندگی کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ چاہ زمزم جو ایک مدت سے اٹ کر گم ہو گیا تھا انہوں نے اس کا پتہ لگوایا اور کھدوا کر نئے سرے سے درست کرا دیا۔ انہوں نے منت مانی تھی کہ دس بیٹوں کو اپنے سامنے جوان دیکھ لیں گے، تو ایک کو خدا کی راہ میں قربان کر دیں گے۔ خدا نے یہ آرزو پوری کی۔ دسوں بیٹوں کو لے کر کعبہ میں آئے اور پجاری سے کہا کہ ان دسوں پر قرعہ ڈالو۔ دیکھو کس کے نام پر نکلتا ہے۔ اتفاق سے عبداللہ کا نام نکلا۔ یہ اُن کو لے کر قربان گاہ چلے۔ عبداللہ کی بہنیں جو ساتھ تھیں رونے لگیں اور کہا کہ ان کے بدلے دس اونٹ قربان کیجئے۔ ان کو چھوڑ دیجئے۔ عبدالمطلب نے پجاری سے کہا کہ عبداللہ پر اور دس اونٹوں پر قرعہ ڈالو۔ اتفاق یہ کہ عبداللہ ہی کے نام قرعہ نکلا۔ عبدالمطلب نے اب دس کے بجائے بیس اونٹ کر دیئے۔ یہاں تک کہ بڑھاتے بڑھاتے سو تک نوبت پہنچی تو اونٹوں پر قرعہ آیا۔ عبدالمطلب نے سو اونٹ قربانی کئے اور عبداللہ بچ گئے۔ یہ واقدی

Marfat.com

کی روایت ہے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اونٹوں کے معاوضہ کی تدبیر روٴسائے قریش نے تجویز کی تھی۔

عبدالمطلب کے دس یا بارہ بیٹوں میں سے پانچ شخصوں نے اسلام یا کفر کی خصوصیت کی وجہ سے شہرت عام حاصل کی یعنی ابو لہب، ابو طالب، عبداللہ، حضرت حمزہؓ، حضرت عباسؓ۔ عام طور پر مشہور ہے کہ ابو لہب کا اصلی نام اور ہے۔ یہ خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یا صحابہ نے دیا، لیکن یہ غلطی ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں تصریح کی ہے کہ یہ لقب خود عبدالمطلب نے دیا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ ابو لہب نہایت حسین اور جمیل تھا اور عرب میں گورے چہرے کو شعلہ آتش کہتے ہیں۔ فارسی میں بھی آتشیں رخسار ہے۔

عبداللہ

عبداللہ قربانی سے بچ گئے تو عبدالمطلب کو ان کی شادی کی فکر ہوئی۔ قبیلہ زہرہ میں وہب بن عبد مناف کی صاحبزادی جن کا نام آمنہ تھا قریش کے تمام خاندانوں میں ممتاز تھیں۔ وہ اس وقت اپنے چچا وہیب کے پاس رہتی تھیں۔ عبدالمطلب وہیب کے پاس گئے اور عبداللہ کی شادی کا پیغام دیا۔ انہوں نے منظور کیا اور عقد ہو گیا۔ اس موقعہ پر خود عبدالمطلب نے بھی وہیب کی صاحبزادی سے، جن کا نام ہالہ تھا، شادی کی۔ حضرت حمزہؓ ان ہی ہالہ کے بطن سے ہیں۔ ہالہ رشتہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ ہوئیں۔ اس بنا پر حضرت حمزہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خالہ زاد بھائی بھی ہیں۔

دستور تھا کہ نوشاہ شادی کے بعد تین دن تک سسرال میں رہتا تھا۔ عبداللہ تین دن رہے اللہ پھر گھر چلے آئے۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً سترہ برس سے کچھ زیادہ تھی۔

عبداللہ تجارت کے لئے شام کو گئے۔ واپس آتے ہوئے مدینہ میں ٹھہرے اور بیمار ہو کر یہیں رہ گئے۔ عبدالمطلب کو یہ حال معلوم ہوا تو اپنے بڑے بیٹے حارث کو خبر لانے کے لئے بھیجا۔ وہ مدینہ میں پہنچے تو عبداللہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ چونکہ یہ خاندان میں سب سے

زیادہ محبوب تھے تمام خاندان کو سخت صدمہ ہوا۔

عبداللہ نے ترکہ میں اونٹ، بکریاں اور ایک لونڈی چھوڑی تھی جس کا نام ام ایمن تھا۔ سب چیزیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ترکہ میں ملیں۔ ام ایمن کا اصلی نام برکہ تھا۔

Marfat.com

ظہورِ قدسیؑ

ظہورِ قدسی

رضاعت

مدینہ کا سفر

عبد المطلب کی کفالت

حرب فجار کی شرکت

تعمیرِ کعبہ

شغلِ تجارت

تزویج خدیجہؓ

خدود سفر

مراسمِ شرک سے اجتناب

Marfat.com

ظہورِ قدسی

تاریخ ولادت کے متعلق مصر کے مشہور ہیئت دان عالم محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں انھوں نے دلائل ریاضی سے ثابت کیا ہے کہ آپ کی ولادت ۹ ربیع الاوّل روز دوشنبہ مطابق ۲۰۔ اپریل ۵۷۱ء میں ہوئی تھی۔

آپ کا نام محمدؐ رکھا گیا اور عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ عبدالمطلب نے یہ نام رکھا تھا۔

رضاعت

سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی والدہ نے اور دو تین روز کے بعد ثوبیہ نے دودھ پلایا (جو ابولہب کی لونڈی تھی)

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا

ثوبیہ کے بعد حضرت حلیمہ سعدیہؓ نے آپ کو دودھ پلایا۔ اس زمانے میں دستور تھا کہ شہر کے رؤساء اور شرفاء شیر خوار بچوں کو اطراف کے قصبات اور دیہات میں بھیج دیتے تھے۔ یہ رواج اس غرض سے تھا کہ بچے بدوؤں میں پل کر فصاحت کا جوہر پیدا کرتے تھے اور عرب کی خالص خصوصیات محفوظ رہتی تھیں۔

غرض دستور مذکور کی بنا پر سال میں دو مرتبہ دیہات سے شہر میں عورتیں آیا کرتی تھیں۔ اور شرفائے شہر اپنے شیر خوار بچوں کو ان کے حوالے کر دیا کرتے تھے۔ اس دستور کے موافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے چند روز بعد قبیلہ ہوازن کی چند عورتیں بچوں کی تلاش میں آئیں۔ ان میں حضرت حلیمہؓ بھی تھیں۔ اتفاق سے ان کو کوئی بچہ ہاتھ نہیں آیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ نے ان کو مقرر کرنا چاہا تو اُن کو خیال آیا کہ یتیم بچے کو لے کر کیا کروں گی، لیکن خالی ہاتھ بھی نہ جا سکتی تھیں۔ اس لئے حضرت آمنہؓ کی درخواست قبول کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر گئیں۔ ان کی ایک صاحبزادی تھیں جن کا نام

Marfat.com

شیما تھا۔ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت اُنس تھا۔ وہی آپؐ کو کھلایا کرتی تھیں۔ دو برس کے بعد حلیمہؓ آپ کو مکہ میں لائیں اور آپؐ کی والدہ ماجدہ کے سپرد کیا، لیکن چونکہ اس زمانے میں مکہ میں وبا پھیلی ہوئی تھی آپ کی والدہ نے فرمایا کہ واپس لے جاؤ۔ چنانچہ وہ دوبارہ گھر میں لائیں۔ اس میں اختلاف ہے کہ آپ حضرت حلیمہؓ کے ہاں کے برس تک رہے۔ ابن اسحاق نے وثوق کے ساتھ چھ برس لکھا ہے۔

ہوازن کا قبیلہ فصاحت و بلاغت میں مشہور ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ

"میں تم سب میں فصیح تر ہوں کیونکہ میں قریش کے خاندان سے ہوں اور میری زبان بنی سعد کی زبان ہے۔"

بنی سعد ہوازن ہی کے قبیلہ کو کہتے ہیں۔

حضرت حلیمہؓ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بے انتہا محبت تھی۔ عہد نبوت میں جب وہ آپ کے پاس آئیں، تو آپؐ میری ماں ــــ میری ماں!" کہہ کر لپٹ گئے۔ یہ دلچسپ واقعات آگے آئیں گے۔

حارثؓ

حضرت حلیمہؓ کے شوہر یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی باپ کا نام حارثؓ بن عبدالعزیٰ ہے۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد مکہ میں آئے اور اسلام لائے۔ حارثؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ

"یہ تم کیا کہتے ہو؟"

آپؐ نے فرمایا:

"ہاں! وہ دن آئے گا کہ میں آپ کو دکھا دوں گا کہ میں سچ کہتا تھا۔"

حارثؓ مسلمان ہو گئے۔

Marfat.com

رضاعی بھائی بہن

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چار رضاعی بھائی بہن تھے۔ جن کے نام یہ ہیں۔ عبداللہؓ انیسہ، حذیفہ اور حذافہ جو شیما کے لقب سے مشہور تھیں۔ ان میں سے عبداللہ اور شیما کا اسلام لانا ثابت ہے۔ باقیوں کا حال معلوم نہیں۔

مدینہ کا سفر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر جب چھ برس کی ہوئی تو آپ کی والدہ آپ کو لے کر مدینہ گئیں۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا کی ننھیال خاندان نجار میں تھی وہیں ٹھہریں۔ اس سفر میں ام ایمن بھی ساتھ تھیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ تھیں۔ مورخین نے لکھا ہے کہ آپ کی والدہ اس ننھیالی رشتے کی وجہ سے مدینہ گئیں۔ لیکن یہ رشتہ دُور کا رشتہ تھا۔ قیاس میں نہیں آتا کہ صرف اتنے سے تعلق سے اتنا بڑا سفر کیا جائے۔ میرے نزدیک بعض مورخین کا یہ بیان صحیح ہے کہ حضرت آمنہؓ اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے لئے گئی تھیں جو مدینہ میں مدفون تھے۔ بہرحال ایک مہینہ تک مدینہ میں مقیم رہیں۔ واپس آتے ہوئے جب مقام ابواء میں پہنچیں تو اُن کا انتقال ہو گیا اور یہیں مدفون ہوئیں۔ ام ایمن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر مکہ آئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیام مدینہ کی بہت سی باتیں یاد رہ گئی تھیں۔ جب آپ قیام مدینہ کے زمانہ میں ایک دفعہ بنو عدی کی منازل پر گزرے تو فرمایا کہ اسی مکان میں میری والدہ ٹھہری تھیں۔ یہی وہ تالاب ہے جس میں میں نے تیرنا سیکھا تھا۔ اسی میدان میں میں انیسہ ایک لڑکی کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔

Marfat.com

عبدالمطلب کی کفالت

والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد عبدالمطلب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ا
دامن تربیت میں لیا۔ ہمیشہ آپؐ کو اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

عبدالمطلب نے بیاسی برس کی عمر میں وفات پائی اور حجون میں مدفون ہوئے۔
وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر آٹھ برس کی تھی۔ عبدالمطلب کا جنازہ اٹھا تو آنح
صلی اللہ علیہ وسلم بھی ساتھ تھے اور فرطِ محبت سے روتے جاتے تھے۔ عبدالمطلب
مرنے کے وقت اپنے بیٹے ابوطالب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت سپرد
ابوطالب نے اس فرض کو جس خوبی سے ادا کیا اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ یہ واقعہ خا
پر لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ عبدالمطلب کی موت نے بنوہاشم کے رتبۂ امتیاز کو د
گھٹا دیا۔ اور یہ پہلا دن تھا کہ دنیوی اقتدار کے لحاظ سے بنوامیہ کا خاندان بنوہاشم پر
آگیا۔ عبدالمطلب کی مسند ریاست پر اب حرب متمکن ہوا جو امیہ کا نامور فرزند تھا۔ منا
ریاست میں سے صرف سقایہ یعنی حجاج کو پانی پلانا عباس کے ہاتھ میں رہا جو عبدالمطل
سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔

ابوطالب کی کفالت

عبدالمطلب کے دس بیٹے مختلف ازواج سے تھے۔ ان میں سے آنحضرت صلی اللہ

Marfat.com

کے والد عبداللہ اور ابوطالب ماں جائے بھائی تھے۔ اس لئے عبدالمطلب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوطالب ہی کے آغوش تربیت میں دیا۔ ابوطالب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر محبت رکھتے تھے کہ آپؐ کے مقابلہ میں اپنے بچوں کی پروا نہیں کرتے تھے۔ سوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے کر سوتے اور باہر جاتے تو ساتھ لے کر جاتے۔

غالباً جب آپؐ کی عمر دس بارہ سال کی ہوئی تو آپؐ نے بکریاں چرائیں۔ زمانۂ رسالت میں آپؐ اس سادہ اور پُرلطف مشغلہ کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپؐ صحابہ کے ساتھ جنگل میں تشریف لے گئے۔ صحابہ جھڑبیریاں توڑ توڑ کر کھانے لگے۔ آپؐ نے فرمایا:

"جو خوب سیاہ ہو جاتے ہیں زیادہ مزے کے ہوتے ہیں۔ یہ میرا اُس زمانے کا تجربہ ہے جب میں بچپن میں یہاں بکریاں چرایا کرتا تھا۔"

شام کا سفر

ابوطالب تجارت کا کاروبار کرتے تھے۔ قریش کا یہ دستور تھا سال میں ایک دفعہ تجارت کی غرض سے شام کو جایا کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تقریباً بارہ برس کی ہوگی کہ ابوطالب نے حسب دستور شام کا ارادہ کیا۔ سفر کی تکلیف یا کسی اور وجہ سے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ نہیں لے جانا چاہتے تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوطالب سے اس قدر محبت تھی کہ جب ابوطالب چلنے لگے تو آپ اُن سے لپٹ گئے۔ ابوطالب نے آپؐ کی دل شکنی گوارا نہ کی اور ساتھ لے لیا۔ عام مؤرخین کے بیان کے موافق بحیرا کا مشہور واقعہ اسی سفر میں پیش آیا۔ اس واقعہ کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے کہ جب ابوطالب بصریٰ میں پہنچے تو ایک عیسائی راہب کی خانقاہ میں اترے جس کا نام بحیرا تھا۔ اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کہا کہ

"یہ سیدالمرسلینؐ ہیں۔"

لوگوں نے پوچھا:

"تم نے کیوں کر جانا تھا؟"

اُس نے کہا:

"جب تم لوگ پہاڑ سے اُترے تو جس قدر درخت اور پتھر تھے سب سجدے کے لئے جھک گئے۔"

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت ناقابلِ اعتبار ہے۔

Marfat.com

حربِ فجار کی شرکت

عرب میں اسلام کے آغاز تک لڑائیوں کا جو متواتر سلسلہ چلا آتا ہے ان میں یہ جنگ سب سے زیادہ مشہور اور خطرناک تھی۔

یہ لڑائی قریش اور قیس کے قبیلہ میں ہوئی تھی۔ قریش کے تمام خاندانوں نے اس معرکہ میں اپنی اپنی الگ فوجیں قائم کی تھیں۔ آل ہاشم کے علم بردار زبیر بن عبدالمطلب تھے اور اسی صف میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے۔ بڑے زور کا معرکہ ہوا۔ اوّل قیس پھر قریش غالب آئے اور بالآخر صلح پر خاتمہ ہوگیا۔ اس لڑائی میں قریش کا رئیس اور سپہ سالار اعظم حرب بن امیہ تھا جو ابوسفیان کا باپ اور امیر معاویہ کا دادا تھا۔

چونکہ قریش اس جنگ میں برسرِ حق تھے اور خاندان کے ننگ و نام کا معاملہ تھا، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شرکت فرمائی لیکن جیسا کہ ابن ہشام نے لکھا ہے، آپؐ نے کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ امام سہیلی نے صاف تصریح کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود جنگ نہیں کی۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:-

"اور آپؐ نے لڑائی میں جنگ نہیں کی حالانکہ آپ لڑائی کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ لڑائی ایام الحرام میں پیش آئی تھی۔ نیز یہ وجہ تھی کہ فریقین کافر تھے اور مسلمانوں کو لڑائی کا حکم صرف اس لئے خدا نے دیا کہ خدا کا بول بالا ہو۔"

اس لڑائی کو فجار اس لئے کہتے ہیں کہ یہ ایام الحرام میں یعنی ان مہینوں میں پیش آئی تھی

Marfat.com

جن میں لڑنا ناجائز تھا۔

حلف الفضول

لڑائیوں کے متواتر سلسلہ نے سینکڑوں گھرانے برباد کر دیئے تھے اور قتل و سفاکی مروو اخلاق بن گئے تھے۔ یہ دیکھ کر بعض طبیعتوں میں اصلاح کی تحریک پیدا ہوئی۔ جنگ فجار سے لوگ واپس پھرے تو زبیر بن عبد المطلب نے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور خاندان کے سرگروہ تھے، یہ تجویز پیش کی۔ چنانچہ خاندان ہاشم، زہرہ اور تیم، عبد اللہ بن جدعان کے گھر میں جمع ہوئے اور معاہدہ ہوا کہ ہم میں سے ہر شخص مظلوم کی حمایت کرے گا اور کوئی ظالم مکہ میں نہ رہنے پائے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس معاہدہ میں شریک تھے اور عہد نبوت میں فرمایا کرتے تھے
"معاہدہ کے مقابلہ میں اگر مجھ کو سرخ رنگ کے اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں نہ بدلتا۔ اور آج بھی ایسے معاہدہ کے لئے کوئی بلائے تو میں حاضر ہوں۔"

(اس معاہدہ کو حلف الفضول اس لئے کہتے ہیں کہ اول اول اس معاہدہ کا خیال جن لوگوں کو آیا اُن کے نام میں لفظ فضیلت کا مادہ داخل تھا یعنی فضیل بن حرث، فضیل بن داعۃ اور مفضل یہ لوگ جرہم اور قطورا کے قبیلے کے تھے۔ اگرچہ یہ معاہدہ بیکار گیا اور کسی کو یاد بھی نہ رہا، چنانچہ قریش نے نئے سرے سے بنیاد ڈالی، تاہم بانی اول کو نیک نیتی کا ثمرہ ملا کہ ان کے نام کی یادگار اب بھی باقی ہے۔)

Marfat.com

تعمیرِ کعبہ

کعبہ کی عمارت صرف قدِ آدم اونچی تھی اور دیواروں پر چھت نہ تھی۔ جس طرح ہمارے ملک میں عیدگاہیں ہوتی ہیں۔ چونکہ عمارت نشیب میں تھی، بارش کے زمانے میں شہر کا پانی حرم میں آتا تھا۔ اس کی روک کے لئے بالائی حصّہ پر بند بنوا دیا گیا تھا۔ لیکن وہ ٹوٹ ٹوٹ جاتا تھا اور عمارت کو بار بار نقصان پہنچتا تھا۔ بالآخر یہ رائے قرار پائی کہ موجودہ عمارت کو ڈھا کر نئے سرے سے زیادہ مستحکم بنائی جائے۔ حسنِ اتفاق یہ کہ جدّہ کی بندرگاہ پر ایک تجارتی جہاز کنارے سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا۔ قریش کو خبر لگی تو ولید بن مغیرہ نے جدّہ پہنچ کر جہاز کے تختے مول لے لئے۔ جہاز میں ایک رومی معمار تھا جس کا نام باقوم تھا۔ ولید اس کو ساتھ لایا اور تمام قریش نے مل کر تعمیر شروع کی۔ مختلف قبائل نے عمارت کے مختلف حصّے آپس میں تقسیم کر لئے تھے کہ کوئی اس شرف سے محروم نہ رہ جائے لیکن جب حجرِ اسود کے نصب کرنے کا موقع آیا تو سخت جھگڑا پیدا ہوا۔ ہر شخص چاہتا تھا کہ یہ خدمت اُس کے ہاتھ سے انجام پائے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ تلواریں کھنچ گئیں۔

عرب میں دستور تھا کہ جب کوئی شخص جان دینے کی قسم کھاتا تھا تو پیالے میں خون بھر کر اس میں انگلیاں ڈبو لیتا تھا۔ اس موقع پر بھی بعض دعوے داروں نے یہ رسم ادا کی۔ چار دن تک یہ جھگڑا برپا رہا۔ پانچویں دن ابوامیہ بن مغیرہ نے جو قریش میں سب سے زیادہ معمر تھا رائے دی کہ کل صبح کو سب سے پہلے جو شخص آئے وہی ثالث قرار دیا جائے۔ سب نے یہ رائے تسلیم کی۔ دوسرے دن تمام قبائل کے معزز آدمی موقع پر پہنچے۔ کرشمۂ ربانی دیکھو کہ صبح کو سب سے پہلے لوگوں کی نظریں جس پر پڑیں وہ جمالِ جہاں تاب چہرہ محمدیؐ تھا۔ لیکن رحمتِ عالم

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہ کیا کہ اس شرف سے تنہا بہرہ ور ہوں۔ آپؐ نے فرمایا جو قبائل دعویدار ہیں سب کا ایک ایک سردار انتخاب کر لیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چادر بچھا کر حجرِ اسود کو اس میں رکھ دیا اور سرداروں سے کہا کہ چادر کے چاروں کونے تھام لیں اور اوپر کو اٹھائیں جب چادر موقع کے برابر آ گئی تو آپؐ نے حجرِ اسود کو اٹھا کر نصب فرما دیا۔

اس طرح ایک سخت لڑائی آپؐ کے حسنِ تدبیر سے رُک گئی۔ کعبہ کی عمارت اب مسقف کر دی گئی۔ لیکن چونکہ سامانِ تعمیر کافی نہ تھا ایک طرف زمین کا کچھ حصہ چھوڑ کر بنیادیں قائم کی گئیں۔ اس حصہ کے گرد چار دیواری کھینچ دی گئی کہ پھر موقع ہوگا تو کعبہ کے اندر لے لیں گے۔ یہی حصہ ہے جس کو آج حطیم کہتے ہیں اور جس کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد نبوت ارادہ فرمایا تھا کہ دیوار ڈھا کر نئے سرے سے عمارت بنائی جائے لیکن پھر خیال ہوا کہ نئے نئے مسلمان ہیں دیوار کعبہ کے ڈھانے سے بدگمان ہو جائیں گے۔

Marfat.com

شغلِ تجارت

ابوطالب کے ساتھ آپؐ بچپن میں بھی بعض تجارتی سفر کر چکے تھے جس سے ہر قسم کا تجربہ حاصل ہو چکا تھا اور آپؐ کے حسنِ معاملہ کی شہرت ہر طرف پھیل چکی تھی۔ لوگ عموماً اپنا سرمایہ کسی تجربہ کار اور امین شخص کے ہاتھ میں دے کر اس کے منافع میں شرکت کر لیتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی خوشی کے ساتھ اس شرکت کو گوارا فرماتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شرکائے تجارت کی شہادتوں سے جو احادیث اور تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کس دیانت اور راست بازی کے ساتھ اس کام کو انجام دیتے تھے۔)

تاجر کے محاسنِ اخلاق میں سب سے زیادہ نادر مثال ایفائے عہد اور اتمامِ وعدہ کی ہو سکتی ہے، لیکن منصبِ نبوت سے پہلے مکہ کا تاجر امینؐ اس اخلاقی نظیر کا بہترین نمونہ تھا۔ حضرت عبداللہؓ بن ابی الحمساء، ایک صحابی، بیان کرتے ہیں کہ بعثت سے پہلے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کیا تھا۔ کچھ معاملہ ہو چکا تھا اور کچھ باقی تھا۔ میں نے وعدہ کیا کہ پھر آؤں گا۔ اتفاق سے تین دن تک مجھ کو اپنا وعدہ یاد نہ آیا۔ تیسرے دن جب وعدہ گاہ پر پہنچا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی جگہ منتظر پایا۔ لیکن خلافِ وعدہ سے آپؐ کی پیشانی پر بل تک نہ آیا۔ صرف اس قدر فرمایا کہ

"تم نے مجھے زحمت دی۔ میں اسی مقام پر تین دن سے موجود ہوں۔"

کاروبار تجارت میں آپؐ ہمیشہ اپنا معاملہ صاف رکھتے تھے۔ نبوت سے پہلے بھی جن لوگوں سے تجارت میں آپؐ کا سابقہ تھا وہ بھی اس کی شہادت دیتے تھے۔ سایب نامی

Marfat.com

صحابی جب مسلمان ہو کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو لوگوں نے اُن کی تعریف کی آپ نے فرمایا:

"میں ان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں"

سایبؓ نے کہا:

"آپؐ پر میرے ماں باپ قربان! آپؐ میرے شریکِ تجارت تھے، لیکن ہمیشہ معاملہ صاف رکھا"

قیسؓ بن سایب مخزومی ایک اور صحابی بھی آپ کے شریکِ تجارت تھے۔ وہ بھی ان ہی الفاظ کے ساتھ آپؐ کے حسنِ معاملہ کی شہادت دیتے ہیں۔

(تجارت کی غرض سے شام وبصرہ ویمن کے متعدد سفر آپؐ نے کئے تھے)

Marfat.com

تزویج خدیجہؓ

حضرت خدیجہؓ ایک معزز خاتون تھیں۔ ان کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے ملتا ہے اور اس رشتہ کے لحاظ سے وہ آپ کی چچیری بہن تھیں۔ ان کی دو شادیاں پہلے ہو چکی تھیں۔ اب وہ بیوہ تھیں۔ چونکہ نہایت شریف النفس اور پاکیزہ اخلاق تھیں، جاہلیت میں لوگ ان کو طاہرہ کے نام سے پکارتے تھے۔ نہایت دولت مند تھیں۔ طبقات ابن سعد میں لکھا ہے کہ جب اہل مکہ کا قافلہ تجارت کو روانہ ہوتا تھا تو اکیلا ان کا سامان تمام قریش کے برابر ہوتا تھا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اب پچیس برس کی ہو چکی تھی متعدد قافلوں میں آپ شریک ہو چکے تھے۔ تجارت کے کاروبار کے ذریعے سے لوگوں کے ساتھ معاملات پیش آتے تھے۔ اس بنا پر آپ کے حسن معاملہ، راست بازی، صدق و دیانت اور پاکیزہ اخلاقی کی عام شہرت ہو چکی تھی۔ یہاں تک کہ زبانِ خلق نے آپ کو امین کا لقب دے دیا تھا۔ حضرت خدیجہؓ نے ان اسباب کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ میرا مالِ تجارت لے کر شام کو جائیں۔ جو معاوضہ میں اوروں کو دیتی ہوں آپ کو اس کا مضاعف دوں گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا اور مالِ تجارت لے کر بصرہ تشریف لے گئے۔

واپس آنے کے تقریباً تین مہینے کے بعد حضرت خدیجہؓ نے آپ کے پاس شادی کا پیغام بھیجا۔ ان کے والد کا انتقال ہو چکا تھا لیکن ان کے چچا عمرو بن اسد زندہ تھے عرب میں عورتوں کو یہ آزادی حاصل تھی کہ شادی بیاہ کے متعلق خود گفتگو کر سکتی تھیں اور اس میں بالغہ

Marfat.com

یا نابالغ کی قید نہ تھی۔ حضرت خدیجہؓ نے چچا کے ہوتے خود براہ راست تمام مراتب طے کئے۔ تاریخ معین پر ابو طالب اور تمام رؤسائے خاندان جن میں حضرت حمزہؓ بھی تھے حضرت خدیجہؓ کے مکان پر آئے۔ ابو طالب نے خطبۂ نکاح پڑھا اور پانچ سو درہم طلائی مہر قرار پایا ——!

حضرت خدیجہؓ جس مکان میں رہتی تھیں وہ آج بھی (حسب بیان مؤرخ طبری) ان ہی کے نام سے مشہور ہے۔ امیر معاویہؓ نے اس مکان کو خرید کر مسجد بنا دیا۔

شادی کے وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس برس کی تھی اور پہلے دو شوہروں سے دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھیں۔ ان کے نام اور مفصل حالات آگے آئیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جس قدر اولاد ہوئی بجز حضرت ابراہیمؓ کے حضرت خدیجہؓ ہی کے بطن سے ہوئی۔ ان کے حالات آگے تفصیل سے آئیں گے۔

جستہ جستہ واقعات

یہ واقعات تھے جن میں تاریخی ترتیب معلوم ہوتی ہے اس لئے مسلسل لکھے گئے۔ ان امور کے سوا جستہ جستہ واقعات کا بھی پتہ لگتا ہے۔ چونکہ ان کے سنین اور تاریخیں غیر معلوم ہیں اس لئے ان کو عام سلسلہ سے الگ یکجا لکھنا زیادہ موزوں ہوگا۔

لہ ۱۳۲۶ھ میں عباس حلمی پاشا ثانی خدیو مصر نے بہ تقریب حج مقامات مقدسہ کی زیارت کی تھی۔ ان کے رفقاء میں سے محمد لبیب البتنونی نے ایک مفصل سفرنامہ لکھا جس میں اس مکان کی تفصیلات لکھی ہیں۔ اس وقت تک یہ مکان موجود تھا اور زیارت گاہ خلائق تھا۔ (مرتب)

Marfat.com

حدودِ سفر

اہل مکہ عموماً تجارت کی غرض سے سفر کرنے کے عادی تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس تقریب سے متعدد سفر کیے۔ شام اور بصرہ کے سفر کا حال پہلے گزر چکا ہے۔ اس کے علاوہ اور مقامات تجارت میں بھی آپؐ کا تشریف لے جانا ثابت ہے۔ عرب میں مختلف مقامات میں جو بازار قائم تھے، ان میں سے حباشہ کا ذکر ابن سید الناس نے کیا ہے حضرت خدیجہؓ نے جہاں جہاں آپؐ کو تجارت کی غرض سے بھیجا تھا ان میں جرش بھی ہے جو یمن میں ہے حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے اور علامہ ذہبی نے بھی تصدیق کی ہے کہ جرش میں آپ دو دفعہ تشریف لے گئے اور ہر دفعہ حضرت خدیجہؓ نے معاوضہ میں ایک اونٹ دیا۔

نبوت کے بعد جس سال آپؐ کی خدمت میں عرب کے تمام دُور و دراز مقامات سے وفود آئے، ان میں جب بحرین سے عبدالقیس کا وفد آیا تو آپ نے بحرین کے ایک ایک مقام کا نام لے کر وہاں کا حال پوچھا۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ آپ ہمارے ملک کا حال ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا:

"میں نے تمہارے ملک کی خوب سیر کی ہے۔"

Marfat.com

مراسمِ شرک سے اجتناب

یہ قطعاً ثابت ہے کہ آپ بچپن اور شباب میں بھی جب منصب پیغمبری سے ممتاز نہیں ہوئے تھے مراسم شرک سے ہمیشہ مجتنب رہے۔

ایک دفعہ قریش نے آپ کے سامنے کھانا لا کر رکھا۔ یہ کھانا بتوں کے چڑھاوے کا تھا۔ جانور جو ذبح کیا گیا تھا کسی بت کے نام پر ذبح کیا گیا تھا۔ آپؐ نے کھانے سے انکار کیا۔

یہ امر واقعی طور پر ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے پہلے بت پرستی کی برائی شروع کر دی تھی اور جن لوگوں پر آپؐ کو اعتماد تھا ان کو اس بات سے منع فرماتے تھے۔

احباب خاص

نبوت سے پہلے جو لوگ آپؐ کے احباب خاص تھے سب نہایت پاکیزہ اخلاق، بلند رتبہ اور عالی منزلت تھے۔ ان میں سب سے مقدم حضرت ابوبکرؓ تھے جو برسوں آپؐ کے شریک صحبت رہے۔ حضرت خدیجہؓ کے چچیرے بھائی حکیم بن حزام جو قریش کے نہایت معزز رئیس تھے وہ بھی احباب خاص میں تھے۔ حرم کا منصب رفادہ ان ہی کے ہاتھ میں تھا۔ دارالندوہ کے بھی یہی مالک تھے۔ چنانچہ اسلام کے بعد امیر معاویہؓ کے ہاتھ ایک لاکھ درہم پر بیچ ڈالا لیکن یہ کل رقم خیرات کر دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں پانچ برس بڑے تھے۔

اگرچہ یہ مدت تک یعنی ہجرت کے آٹھویں سال تک ایمان نہیں لائے لیکن اس حالت میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت محبت رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ کعبہ میں ذوبیزن کا اسباب

Marfat.com

نیلام ہوا۔ اس میں ایک عمدہ حلہ تھا۔ انہوں نے پچاس اشرفیوں میں اس کو خریدا اور مدینہ لے کر آئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نذر کریں۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں مشرکوں کا ہدیہ نہیں قبول کرتا، البتہ قیمت لو تو لے سکتا ہوں۔ مجبور ہو کر انہوں نے قیمت لینی گوارا کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لے لیا۔

حضرت ضمادؓ بن ثعلبہ جو ازد کے قبیلہ سے تھے، جاہلیت میں طبابت اور جراحی کا پیشہ کرتے تھے۔ یہ بھی احباب خاص میں سے تھے۔ نبوت کے زمانے میں یہ مکہ آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں دیکھا کہ راستہ میں جا رہے ہیں اور پیچھے لونڈوں کا غول ہے۔ مکہ کے کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا:

"محمدؐ ـــــ میں جنون کا علاج کر سکتا ہوں"

آپؐ نے حمد و ثنا کے بعد چند موثر جملے ادا کیے۔ ضمادؓ مسلمان ہو گئے۔

جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تجارت کے کاروبار میں شریک تھے ان میں سے ایک صاحب قیسؓ بن سایب مخزومی تھے۔ مجاہد بن جبر جو مشہور مفسر گزرے ہیں ان ہی کے غلام تھے۔ ان کا بیان ہے کہ شرکا کے ساتھ آپ کا معاملہ نہایت صاف رہتا تھا اور کبھی کوئی جھگڑا یا مناقشہ پیش نہیں آتا تھا۔

Marfat.com

آفتابِ رسالت کا طلوع

نفیس رقم

Marfat.com

حضرت حمزہؓ اور عمرؓ کا اسلام ——— سنہ ۶ نبوی

تعذیب مسلمین ———

ہجرت حبش ——— سنہ ۵ نبوی

شعب ابو طالب میں محصور ہونا ——— سنہ ۷ نبوی

حضرت خدیجہؓ اور ابو طالبؓ کی وفات ——— سنہ ۱۰ نبوی

قبائل کا دورہ ———

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس زمانے میں پیدا ہوئے مکہ بُت پرستی کا مرکزِ اعظم تھا خود کعبہ میں تین سو ساٹھ بُت تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کا تمغائے امتیاز صرف اس قدر تھا کہ اس صنم خانہ کے متولی اور کلید بردار تھے۔ بایں ہمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بتوں کے آگے سر نہیں جھکایا۔ دیگر رسوم جاہلیت میں بھی کبھی شرکت نہیں کی۔ قریش نے اس بنا پر کہ عام لوگوں سے ہر بات میں ممتاز رہنا چاہئے، یہ قاعدہ قرار دیا تھا کہ ایام حج میں قریش کے لئے عرفات جانا ضرور نہیں اور یہ کہ جو لوگ باہر سے آئیں وہ قریش کا لباس اختیار کریں ورنہ ان کو عُریاں ہو کر کعبہ کا طواف کرنا ہوگا۔ چنانچہ اسی بنا پر طواف عُریاں کا عام رواج ہو گیا تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں میں کبھی اپنے خاندان کا ساتھ نہ دیا۔

عرب میں افسانہ گوئی کا عام رواج تھا۔ راتوں کو لوگ تمام اشغال سے فارغ ہو کر کسی مقام میں جمع ہوتے تھے۔ ایک شخص جس کو اس فن میں کمال ہوتا تھا داستان شروع کرتا تھا۔ لوگ بڑے ذوق اور شوق سے رات رات بھر سنتے تھے۔ بچپن میں ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس جلسے میں شریک ہونا چاہا تھا لیکن اتفاق سے راہ میں شادی کا کوئی جلسہ تھا دیکھنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ وہیں نیند آگئی۔ اٹھے تو صبح ہو چکی تھی۔

ایک دفعہ اور ایسا ہی اتفاق ہوا۔ اس دن بھی یہی اتفاق پیش آیا۔ چالیس برس کی مدت میں صرف دو دفعہ اس قسم کا ارادہ کیا لیکن دونوں دفعہ توفیق الٰہی نے بچا لیا کہ ــــــ "تیری شان ان مشاغل سے بالاتر ہے"

مکہ معظمہ سے تین میل کے فاصلے پر ایک غار تھا جس کو حرا کہتے ہیں۔ آپ مہینوں وہاں

جا کر قیام فرماتے اور مراقبہ کرتے۔ کھانے پینے کا سامان ساتھ لے جاتے۔ وہ ہو چکتا تو پھر گھر پر تشریف لاتے اور پھر واپس جا کر مراقبہ میں مصروف ہوتے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ غار حرا میں آپ تحنث یعنی عبادت کیا کرتے تھے۔ یہ عبادت کیا تھی؟ عینی شرح بخاری میں ہے:

"یہ سوال کیا گیا کہ آپ کی عبادت کیا تھی؟ جواب یہ ہے کہ غور و فکر و عبرت پذیری۔"

یہ وہی عبادت تھی جو آپ کے دادا ابراہیم علیہ السلام نے نبوت سے پہلے کی تھی۔ ستاروں کو دیکھا تو چونکہ تجلی کی جھلک تھی، دھوکا ہوا۔ چاند نکلا تو اور بھی شبہ ہوا۔ آفتاب پر اس سے زیادہ، لیکن جب نظروں سے غائب ہو گئے، تو بے ساختہ پکار اٹھے:

"میں فانی چیزوں کو نہیں چاہتا ——— میں اپنا منہ اُس کی طرف کرتا ہوں جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا۔" (سورہ انعام ـــ ۹)

نبوت کا دیباچہ یہ تھا کہ خواب میں آپ پر اسرار منکشف ہونے شروع ہوئے۔ جو کچھ آپ خواب میں دیکھتے تھے بعینہٖ وہی پیش آتا تھا۔ ایک دن جب کہ آپ حسب معمول غار حرا میں مراقبہ میں مصروف تھے، فرشتہ غیب نظر آیا کہ آپ سے کہہ رہا ہے:

"پڑھ اُس خدا کے نام جس نے کائنات کو پیدا کیا۔ جس نے آدمی کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ تیرا خدا کریم ہے۔ وہ جس نے انسان کو قلم کے ذریعے علم سکھایا اور جس نے انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو اُسے معلوم نہ تھیں۔" (اقرأ)

آپ گھر تشریف لائے تو جلال الٰہی سے لبریز تھے۔

آپ نے حضرت خدیجہؓ سے تمام واقعہ بیان کیا۔ وہ آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، جو عبری زبان جانتے تھے اور توریت و انجیل کے ماہر تھے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے واقعہ کی کیفیت سنی تو کہا:

"یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰؑ پر اترا تھا۔"

Marfat.com

صحیح بخاری باب التعبیر میں ہے کہ چند روز تک جب وحی رُک گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جاتے تھے کہ اپنے آپ کو گرا دیں۔ دفعتہً جبرئیل نظر آتے تھے اور کہتے تھے:

"اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تم واقعی خدا کے پیغمبر ہو۔"

اس سے آپؐ کو اس وقت تسکین ہو جاتی تھی۔ لیکن جب پھر وحی کچھ دنوں کے لئے رُک جاتی تھی تو پھر آپ کسی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر اپنے آپ کو گرا دینا چاہتے تھے اور پھر حضرت جبرئیلؑ نمایاں ہو کر تسکین دیتے کہ آپؐ واقعی خدا کے پیغمبر ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرضِ نبوت ادا کرنا چاہا تو سخت مشکلیں پیش نظر تھیں اگر آپؐ کا فرض اسی قدر ہوتا کہ مسیح علیہ السلام کی طرح صرف تبلیغ دعوت پر اکتفا فرمائیں یا حضرت کلیمؑ کی طرح اپنی قوم کو لے کر مصر سے نکل جائیں تو مشکل نہ تھی۔ لیکن خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا کام خود سلامت رہ کر عرب اور نہ صرف عرب بلکہ تمام عالم کو فروغ اسلام سے منور کر دینا تھا۔ اس لئے نہایت تدبیر اور تدریج سے کام لینا پڑا۔ سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ یہ پُر خطر راز پہلے کس کے سامنے پیش کیا جاتا۔ اس غرض کے لئے صرف وہ لوگ انتخاب کئے جا سکتے تھے جو فیض یاب صحبت رہ چکے تھے۔ جن کو آپ کی حرکات و سکنات کا تجربہ ہو چکا تھا۔ جو پچھلے تجربوں کی بنا پر آپؐ کے صدق دعویٰ کا قطعی فیصلہ کر سکتے تھے یہ لوگ، حضرت خدیجہؓ، آپؐ کی حرم محترم تھیں۔ حضرت علیؓ تھے، جو آپؐ کی آغوش تربیت میں پلے تھے۔ زیدؓ تھے جو آپؐ کے آزاد کردہ غلام اور بندۂ خاص تھے۔ حضرت ابوبکرؓ تھے جو برسوں سے فیض یاب خدمت تھے۔ سب سے پہلے آپؐ نے حضرت خدیجہؓ کو یہ پیغام سنایا۔ وہ سُننے سے پہلے مومن تھیں۔ پھر اور بزرگواروں کی نوبت آئی اور سب ہمہ تن اعتقاد تھے۔

حضرت ابوبکرؓ دولت مند، ماہر انساب، صائب الرائے اور فیاض تھے۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ جب وہ ایمان لائے تو اُن کے پاس چالیس ہزار درہم تھے۔ غرض ان اوصاف کی وجہ سے مکہ میں ان کا عام اثر تھا اور معززین شہر ان سے ہر بات میں مشورہ لیتے تھے

Marfat.com

ارباب روایت کا بیان ہے کہ کبار صحابہ میں سے حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص فاتح ایران، حضرت طلحہؓ سب ان ہی کی ترغیب اور ہدایت سے اسلام لائے۔ ان کی وجہ سے یہ چرچا چپکے چپکے اور لوگوں میں بھی پھیلا اور مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ ان سابقین اوّلین میں عمارؓ، خبابؓ بن الارث، حضرت عثمانؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، طلحہؓ، ارقمؓ، سعیدؓ بن زید، عبداللہ ابن مسعود عثمانؓ بن مظعون، عبیدؓہ، صہیبؓ رومی زیادہ ممتاز ہیں۔

لیکن جو کچھ ہوا پوشیدہ طور پر ہوا۔ نہایت احتیاط کی جاتی تھی کہ محرمان خاص کے سوا کسی کو خبر نہ ہونے پائے۔ نماز کا وقت جب آتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی پہاڑ کی گھاٹی میں چلے جاتے اور وہاں نماز ادا کرتے۔ ابن الاثیر کا بیان ہے کہ چاشت کی نماز آپؐ حرم ہی میں ادا کرتے تھے۔ کیونکہ یہ نماز قریش کے مذہب میں بھی جائز تھی۔ ایک دفعہ آپؐ حضرت علیؓ کے ساتھ کسی درہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ اتفاق سے آپ کے چچا ابوطالب آنکلے۔ اُن کو اس جدید طریقہ عبادت پر تعجب ہوا۔ کھڑے ہو گئے اور بغور دیکھتے رہے۔ نماز کے بعد پوچھا کہ یہ کون دین ہے؟

آپؐ نے فرمایا:

"ہمارے دادا ابراہیم کا یہی دین تھا"

ابوطالب نے کہا:

"میں اس کو اختیار تو نہیں کر سکتا لیکن تم کو اجازت ہے اور کوئی شخص تمہارا مزاحم نہ ہو سکے گا۔"

تین برس تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت رازداری کے ساتھ فرض تبلیغ ادا کیا۔ لیکن اب آفتاب رسالت بلند ہو چکا تھا۔ صاف حکم آیا:۔

"اور تجھ کو جو حکم دیا گیا ہے واشگاف کہہ دے" (حجر۔ ۶)

اور نیز حکم آیا:۔

"اور اپنے نزدیک کے خاندان والوں کو خدا سے ڈرا" (شعراء۔ ۱۱)

Marfat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر چڑھ کر پکارا:

"یا معشر قریش ——!"

لوگ جمع ہوئے تو آپؐ نے فرمایا کہ

"اگر میں تم سے کہوں کہ پہاڑ کے عقب سے ایک لشکر آرہا ہے تو تم کو یقین آئے گا؟"

سب نے کہا:

"ہاں — ! کیونکہ تم کو ہمیشہ سے ہم نے سچ بولتے دیکھا ہے۔"

آپؐ نے فرمایا:

"تو میں یہ کہتا ہوں کہ تم ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر عذابِ شدید نازل ہوگا۔"

یہ سُن کر سب لوگ جن میں ابولہب آپ کا چچا بھی تھا، سخت برہم ہو کر چلے گئے۔

چند روز کے بعد آپؐ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ دعوت کا سامان کرو۔ یہ درحقیقت تبلیغِ اسلام کا پہلا موقع تھا۔ تمام خاندانِ عبدالمطلب مدعو کیا گیا۔ حمزہؓ، ابوطالب، عباسؓ سب شریک تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا کہ

"میں وہ چیز لے کر آیا ہوں جو دین اور دنیا دونوں کو کفیل ہے۔ اس بارِ گراں کو اٹھانے میں کون میرا ساتھ دے گا؟"

تمام مجلس میں سناٹا تھا۔ دفعتہً حضرت علیؓ نے اٹھ کر کہا:

"گو مجھ کو آشوبِ چشم ہے۔ گو میری ٹانگیں پتلی ہیں اور گو میں سب سے نوعمر ہوں، تاہم میں آپ کا ساتھ دوں گا۔"

قریش کے لئے یہ ایک حیرت انگیز منظر تھا کہ دو شخص (جن میں ایک سیزدہ سالہ نوجوان ہے) دنیا کی قسمت کا فیصلہ کر رہے ہیں۔ حاضرین کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔ لیکن آگے چل کر زمانے نے بتا دیا کہ یہ سراپا سچ تھا۔

اب مسلمانوں کی ایک معتدبہ جماعت تیار ہو گئی تھی جن کی تعداد چالیس سے زیادہ تھی۔ آپؐ نے حرم کعبہ میں جا کر توحید کا اعلان کیا۔ کفار کے نزدیک یہ حرم کی سب سے بڑی توہین تھی۔ اس لئے دفعتہً ایک ہنگامہ برپا ہو گیا اور ہر طرف سے لوگ آپؐ پر ٹوٹ پڑے۔ آنحضرت

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب حضرت حارثؓ بن ابی ہالہ گھر میں تھے۔ ان کو خبر ہوئی۔ دوڑتے ہوئے آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بچانا چاہا لیکن ہر طرف سے ان پر تلواریں پڑیں اور وہ شہید ہو گئے۔ اسلام کی راہ میں یہ پہلا خون تھا جس سے زمین رنگین ہوئی۔

غرض جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ دعوت کیا اور بُت پرستی کی علانیہ مذمت شروع کی تو قریش کے چند معززوں نے ابوطالب سے آکر شکایت کی۔ ابوطالب نے نرمی سے سمجھا کر رخصت کر دیا لیکن چونکہ بنائے نزاع قائم تھی یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ادائے فرض سے باز نہ آ سکتے تھے۔ اس لئے یہ سفارت دوبارہ ابوطالب کے پاس آئی۔ اس میں تمام روسائے قریش یعنی عتبہ بن ربیعہ، شیبہ، ابوسفیان، عاص بن ہشام، ابوجہل، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل وغیرہ شریک تھے۔ ان لوگوں نے ابوطالب سے کہا کہ

"تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے۔ ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ کہتا ہے ہم کو احمق ٹھہراتا ہے۔ اس لئے یا تو تم بیچ میں سے ہٹ جاؤ یا تم بھی میدان میں آؤ کہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے۔"

ابوطالب نے دیکھا کہ اب حالت نازک ہو گئی ہے۔ قریش اب تحمل نہیں کر سکتے اور میں تنہا قریش کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختصر لفظوں میں کہا:

"جانِ عم ــــ! میرے اوپر اتنا بار نہ ڈال کہ میں اٹھا نہ سکوں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری پشت پناہ جو کچھ تھے، ابوطالب تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ اب ان کے پائے ثبات میں بھی لغزش ہے۔ آپؐ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا:

"خدا کی قسم ــــ اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند لا کر دیں تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہیں آؤں گا۔ خدا تعالیٰ یا اس کام کو پورا کرے گا یا میں خود اس پر نثار ہو جاؤں گا۔"

آپؐ کی پُر اثر آواز نے ابوطالب کو سخت متاثر کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

"جا ــــ کوئی شخص تیرا بال بیکا نہیں کر سکتا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدستور دعوت اسلام میں مصروف ہوئے۔ قریش اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ نہ کر سکے لیکن طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے۔ راہ میں کانٹے بچھاتے تھے، نماز پڑھنے میں جسم مبارک پر نجاست ڈال دیتے تھے، بدزبانیاں کرتے تھے ایک دفعہ آپؐ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے۔ عقبہ بن ابی معیط نے آپ کے گلے میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچی کہ آپؐ گھٹنوں کے بل گر پڑے۔ قریش متحیر تھے کہ آپؐ یہ سب سختیاں کیوں جھیلتے ہیں۔ انسانی دماغ ایسی سخت نفس کشی اور جانبازی کا مقصد جاہ و دولت اور نام و نمود کی خواہش کے سوا اور کیا خیال کر سکتا ہے۔ قریش نے بھی یہی خیال کیا۔ اس بنا پر عتبہ بن ربیعہ قریش کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا:

"محمدؐ کیا چاہتے ہو؟ کیا مکہ کی ریاست، کیا کسی بڑے گھرانے میں شادی؟ کیا دولت کا ذخیرہ؟ ہم یہ سب کچھ مہیا کر سکتے ہیں اور اس پر بھی راضی ہیں کہ کل مکہ تمہارا زیر فرمان ہو جائے لیکن ان باتوں سے باز آؤ۔"

عتبہ کو اس درخواست کی کامیابی کا پورا یقین تھا لیکن ان سب ترغیبات کے جواب میں آپ نے قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں۔

"اے محمدؐ ـــ کہہ دے کہ میں تمہی جیسا آدمی ہوں۔ مجھ پر وحی آتی ہے کہ تمہارا خدا بس ایک خدا ہے۔ پس سیدھے اُسی کی طرف جاؤ اور اُسی سے معافی مانگو۔"

(حم السجدہ ـــ ۱)

"کہہ دے کہ کیا تم لوگ خدا کا انکار کرتے ہو جس نے دو دن میں یہ زمین پیدا کی اور تم خدا کے شریک قرار دیتے ہو۔ یہی سارے جہان کا پروردگار ہے۔" (حم السجدہ ۲)

عتبہ واپس گیا تو وہ عتبہ نہ تھا۔ اُس نے قریش سے جا کر کہہ دیا کہ

"محمدؐ جو کلام پیش کرتے ہیں وہ شاعری نہیں کوئی اور چیز ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ تم اُن کو اُن کے حال پر چھوڑ دو۔ اگر وہ کامیاب ہو کر عرب پر غالب آ جائیں گے تو یہ تمہاری عزت ہے، ورنہ عرب ان کو خود فنا کر دے گا۔"

لیکن قریش نے یہ رائے نامنظور کی۔

حضرت حمزہؓ اور عمرؓ کا اسلام

(سنہ ۶ نبوی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمام (چچاؤں) میں سے حضرت حمزہؓ کو آپؐ سے خاص محبت تھی۔ وہ آپؐ سے صرف دو تین برس بڑے تھے اور ساتھ کے کھیلے تھے۔ دونوں نے ثوبیہ کا دودھ پیا تھا اور اس رشتے سے بھائی بھائی تھے۔ وہ ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے لیکن آپؐ کی ہرادا کو محبت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اُن کا مذاق طبیعت سپہ گری اور شکار افگنی تھا۔ معمول تھا کہ منہ اندھیرے تیر کمان لے کر نکل جاتے۔ دن دن بھر شکار میں مصروف رہتے۔ شام کو واپس آتے تو پہلے حرم میں جاتے، طواف کرتے۔ قریش کے رؤسا صحن حرم میں الگ الگ دربار جا کر بیٹھا کرتے تھے۔ حضرت حمزہؓ ان لوگوں سے صاحب سلامت کرتے۔ کبھی کبھی کسی کے پاس بیٹھ جاتے۔ اس طریقے سے سب سے یارانہ تھا اور سب لوگ اُن کی قدر و منزلت کرتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخالفین جس بے رحمی سے پیش آتے تھے، بیگانوں سے بھی دیکھا نہ جاتا تھا۔ ایک دن ابوجہل نے دُو در دُو آپؐ کے ساتھ نہایت گستاخیاں کیں۔ ایک کنیز دیکھ رہی تھی۔ حضرت حمزہؓ شکار سے آئے تو اُس نے تمام ماجرہ کہا۔ حضرت حمزہؓ غصّے سے بے تاب ہو گئے۔ تیر و کمان ہاتھ میں لئے حرم میں آئے اور ابوجہل سے کہا:

"میں مسلمان ہو گیا ہوں۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جوش حمایت میں انہوں نے اسلام کا اظہار تو کر دیا لیکن گھر پر آئے تو متردد تھے کہ آبائی دین کو دفعتہً کیوں کر چھوڑ دوں۔ تمام دن سوچتے رہے۔ بالآخر غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ دین حق یہی ہے۔ دو ہی چار روز کے بعد حضرت عمرؓ بھی اسلام لائے۔

Marfat.com

حضرت عمرؓ کا ستائیسواں سال تھا کہ آفتاب رسالت طلوع ہوا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ حضرت عمرؓ کے گھرانے میں زید کی وجہ سے توحید کی آواز نامانوس نہیں رہی تھی چنانچہ سب سے پہلے زید کے بیٹے سعیدؓ اسلام لائے۔ حضرت سعیدؓ کا نکاح حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہؓ سے ہوا تھا۔ اس تعلق سے فاطمہؓ بھی مسلمان ہوگئیں۔ اسی خاندان میں ایک اور معزز شخص نعیم بن عبداللہ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا لیکن حضرت عمرؓ ابھی تک اسلام سے بیگانہ تھے۔ ان کے کانوں میں جب یہ صدا پہنچی تو سخت برہم ہوئے۔ یہاں تک کہ قبیلہ میں جو لوگ اسلام لا چکے تھے ان کے دشمن بن گئے۔ لبنیہؓ ان کے خاندان کی کنیز تھی جس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اُس کو بے تحاشا مارتے اور مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ

"دم لے لوں تو پھر ماروں گا"

لبنیہؓ کے سوا اور جس جس پر قابو چلتا زدوکوب سے دریغ نہیں کرتے تھے لیکن اسلام کا نشہ ایسا تھا کہ جس کو چڑھ جاتا اترتا نہ تھا۔ ان تمام سختیوں پر ایک شخص کو بھی وہ اسلام سے بددل نہ کر سکے۔ آخر مجبور ہو کر (نعوذ باللہ) خود (ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم) کے قتل کا ارادہ کیا۔ تلوار کمر سے لگا سیدھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلے۔ کارکنانِ قضا نے کہا۔ ع

آمد آں یارے کہ ما می خواستیم

راہ میں اتفاقاً نعیم بن عبداللہ مل گئے۔ ان کے تیور دیکھ کر پوچھا:

"خیر ہے ــــ؟"

بولے:

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں"

انہوں نے کہا:

"پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ تمہاری بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں"

فوراً پلٹے اور بہن کے پاس پہنچے۔ وہ قرآن پڑھ رہی تھیں۔ ان کی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں اور قرآن کے اجزا چھپا لئے لیکن آواز ان کے کانوں میں پڑ چکی تھی۔ بہن سے پوچھا:

"یہ کیا آواز تھی ــــ؟"

Marfat.com

بولیں:

"کچھ نہیں ــــــ !"

انہوں نے کہا:

"میں سُن چکا ہوں۔ تم دونوں مرتد ہو گئے ہو۔"

یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریباں ہوئے اور جب ان کی بہن بچانے کو آئیں تو اُن کی بھی خبر لی۔ یہاں تک کہ اُن کا جسم لہولہان ہو گیا۔ لیکن اسلام کی محبت اس سے بالاتر تھی۔ بولیں کہ

"عمرؓ جو بن آئے کر و لیکن اسلام اب دل سے نہیں نکل سکتا۔"

ان الفاظ نے حضرت عمرؓ کے دل پر خاص اثر کیا۔ بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا ان کے جسم سے خون جاری تھا۔ دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی۔ فرمایا:

"تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھ کو بھی سناؤ۔"

فاطمہؓ نے قرآن کے اجزا سامنے لاکر رکھ دیئے۔ اٹھا کر دیکھا تو یہ سورۃ تھی:

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (حدید-۱) — زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے خدا کی تسبیح پڑھتا ہے اور خدا ہی غالب اور حکمت والا ہے۔

ایک ایک لفظ پر اُن کا دل مرعوب ہوتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے:۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (حدید-۱) — خدا پر اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ۔

تو بے اختیار پکار اُٹھے کہ

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ — میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی خدا نہیں اور یہ کہ محمدؐ خدا کے پیغمبر ہیں۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ارقمؓ کے مکان میں جو کوہ صفا کی تلی میں واقع تھا، پناہ گزین تھے۔ حضرت عمرؓ نے آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستک دی۔ چونکہ شمشیر بکف تھے صحابہ کو تردد ہوا لیکن امیر حمزہؓ نے کہا:

"آنے دو! مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ہے ورنہ اسی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا۔"

حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود آگے بڑھے اور اُن کا دامن پکڑ کر فرمایا:

"کیوں عمرؓ کس ارادے سے آیا ہے؟"

نبوت کی پُرجلال آواز نے اُن کو کپکپا دیا۔ نہایت خضوع کے ساتھ عرض کیا کہ

"ایمان لانے کے لئے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بے ساختہ اللہ اکبر پکار اٹھے اور ساتھ ہی تمام صحابہ نے مل کر اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا کہ مکّہ کی تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں۔

حضرت عمرؓ کے ایمان لانے نے اسلام کی تاریخ میں نیا دور پیدا کر دیا۔ اس وقت تک اگرچہ چالیس پچاس آدمی اسلام لا چکے تھے۔ عرب کے مشہور بہادر حضرت حمزہؓ سید الشہداء نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ تاہم مسلمان فرائض مذہبی اعلانیہ نہیں ادا کر سکتے تھے اور کعبہ میں نماز پڑھنا تو بالکل ناممکن تھا۔ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے ساتھ دفعتًہ یہ حالت بدل گئی۔ انہوں نے اعلانیہ اسلام ظاہر کیا۔ کافروں نے اوّل اوّل بڑی شدت کی۔ لیکن وہ ثابت قدمی سے مقابلہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ کعبہ میں جا کر نماز ادا کی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ اسلام لائے تو ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اتفاق سے عاص بن وائل آنکلا۔ اُس نے پوچھا:

"کیا ہنگامہ ہے؟"

لوگوں نے کہا

"عمرؓ مرتد ہو گئے۔"

عاص ابن وائل نے کہا:

"اچھا تو کیا ہوا۔ میں نے عمرؓ کو پناہ دی۔"

Marfat.com

تعذیبِ مسلمین

(۱)

اسلام جب آہستہ آہستہ پھیلنا شروع ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اکابر صحابہ کو ان کے قبیلوں نے اپنے حصار حفاظت میں لے لیا تو قریش کا طیش و غضب ہر طرف سے سمٹ کر ان غریبوں پر ٹوٹا جن کا کوئی یار و مددگار نہ تھا۔ ان میں کچھ غلام اور کنیزیں تھیں۔ کچھ غریب الوطن تھے جو دو ایک پشت سے مکہ آ رہے تھے اور کچھ کمزور قبیلوں کے آدمی تھے جو کسی قسم کی عظمت و اقتدار نہ رکھتے تھے۔ قریش نے ان کو اس طرح ستانا شروع کیا کہ جور و ستم کی تاریخ میں اس کی مثال پیدا کرنا قریش کی یکتائی کی تحقیر ہے۔ جب ٹھیک دوپہر ہو جاتی تو وہ غریب مسلمانوں کو پکڑتے۔ عرب کی تیز دھوپ ریتلی زمین کو دوپہر کے وقت جلتا توا بنا دیتی ہے۔ وہ ان غریبوں کو اسی توے پر لٹاتے چھاتی پر بھاری پتھر رکھ دیتے کہ کروٹ بدلنے نہ پائیں۔ بدن پر گرم بالو بچھاتے، لوہے کو آگ پر گرم کر کے اس سے داغتے، پانی میں ڈبکیاں دیتے۔

یہ مصیبتیں اگرچہ تمام بے کس مسلمانوں پر عام تھیں لیکن ان میں سے جن لوگوں پر قریش زیادہ مہربان تھے اُن کے نام یہ ہیں:۔

حضرت خبابؓ بن الارت تمیم کے قبیلے سے تھے۔ جاہلیت میں غلام بنا کر فروخت کر دیئے گئے تھے۔ ام انمار نے خرید لیا تھا۔ یہ اس زمانے میں اسلام لائے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ارقمؓ کے گھر میں مقیم رہے اور صرف چھ سات مسلمان اسلام لا چکے تھے۔ قریش نے ان کو طرح طرح کی تکلیفیں دیں۔ ایک دن کوئلے جلا کر زمین پر بچھائے۔ اس پر چت لٹایا۔ ایک شخص چھاتی پر پاؤں رکھے رہا کہ کروٹ بدلنے نہ پائیں۔ یہاں تک کہ کوئلے پیٹھ کے نیچے پڑے پڑے ٹھنڈے ہو گئے۔ خبابؓ نے مدتوں کے بعد جب یہ واقعہ حضرت عمرؓ کے سامنے بیان کیا تو پیٹھ کھول کر

Marfat.com

دکھائی کہ برص کے داغ کی طرح بالکل سپید تھی۔ (حضرت خبابؓ جاہلیت میں لوہار کا کام کرتے تھے۔ اسلام لائے تو بعض لوگوں کے ذمہ ان کی بقایا تھی۔ مانگتے تو جواب ملتا جب تک محمدؐ کا انکار نہ کرو گے ایک کوڑی نہ ملے گی۔ یہ کہتے کہ نہیں! جب تک تم مر کر پھر جیؤ نہیں۔۔۔!")

حضرت بلالؓ ــــ یہ وہی حضرت بلالؓ ہیں جو مؤذن کے لقب سے مشہور ہیں۔ حبشی النسل اور امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ جب ٹھیک دوپہر ہو جاتی، تو امیہ ان کو جلتی بالو پر لٹاتا اور پتھر کی چٹان سینہ پر رکھ دیتا کہ جنبش نہ کرنے پائیں۔ ان سے کہتا کہ اسلام سے باز آ ورنہ یونہی گھٹ گھٹ کر مر جائے گا لیکن اس وقت بھی ان کی زبان سے "احد" کا لفظ نکلتا۔ جب یہ کسی طرح متزلزل نہ ہوئے تو گلے میں رسی باندھی اور لونڈوں کے حوالے کیا۔ وہ ان کو شہر کے اس سرے سے اُس سرے تک گھسیٹتے پھرتے تھے لیکن اب بھی وہی رٹ تھی ــــ "احد، احد"۔

حضرت عمارؓ یمن کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد یاسرؓ "مکہ" میں آئے۔ ابو حذیفہ مخزومی نے اپنی کنیز سے جس کا نام سمیہؓ تھا شادی کر دی۔ عمارؓ اسی کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ یہ جب اسلام لائے تو ان سے پہلے صرف تین شخص اسلام لا چکے تھے۔ قریش ان کو جلتی ہوئی زمین پر لٹاتے اور اس قدر مارتے کہ بے ہوش ہو جاتے۔ ان کے والد اور والدہ کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جاتا تھا۔

حضرت سمیہؓ حضرت عمارؓ کی والدہ تھیں۔ ان کو ابو جہل نے اسلام لانے کے جرم میں برچھی ماری اور وہ ہلاک ہو گئیں۔

حضرت یاسرؓ حضرت عمارؓ کے والد تھے۔ یہ بھی کافروں کے ہاتھ سے اذیت اٹھاتے اٹھاتے ہلاک ہو گئے۔

حضرت صہیبؓ یہ رومی مشہور ہیں۔ لیکن درحقیقت رومی نہ تھے۔ ان کے والد سنان کسریٰ کی طرف سے ابلہ کے حاکم تھے اور ان کا خاندان موصل میں آباد تھا۔ ایک دفعہ رومیوں نے اس نواح پر حملہ کیا اور جن لوگوں کو قید کر کے لے گئے، ان میں حضرت صہیبؓ بھی تھے۔ یہ روم میں پلے۔ اس لئے عربی زبان اچھی طرح بول نہ سکتے تھے۔ ایک عرب نے ان کو خریدا اور مکہ میں لایا۔ یہاں عبداللہ بن جدعان نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا۔

Marfat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعوتِ اسلام شروع کی تو یہ اور عمار رضؓ بن یاسر رضؓ ایک ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپؐ نے اسلام کی ترغیب دی اور یہ مسلمان ہو گئے[1] قریش ان کو اس قدر اذیت دیتے تھے کہ ان کے حواس مختل ہو جاتے تھے۔ جب انہوں نے مدینہ کو ہجرت کرنی چاہی تو قریش نے کہا ، اپنا سارا مال و متاع چھوڑ جاؤ تو جا سکتے ہو۔ انہوں نے نہایت خوشی سے منظور کیا۔

حضرت ابو فکیہ رضؓ صفوان بن امیہ کے غلام تھے اور حضرت بلال رضؓ کے ساتھ اسلام لائے۔ امیہ کو جب یہ معلوم ہوا تو اُن کے پاؤں میں رسّی باندھی اور آدمیوں سے کہا کہ گھسیٹتے ہوئے لے جائیں اور تپتی ہوئی زمین پر لٹائیں۔ ایک "گبریلا" راہ میں جا رہا تھا۔ امیہ نے اُن سے کہا:

"تیرا خدا یہی تو نہیں ــــــ!"

اُنہوں نے کہا:

"میرا اور تیرا دونوں کا خدا اللہ تعالیٰ ہے۔"

اس پر امیہ نے اس زور سے ان کا گلا گھونٹا کہ لوگ سمجھے دم نکل گیا۔ ایک دفعہ اُن کے سینے پر اتنا بھاری بوجھل پتھر رکھ دیا کہ اُن کی زبان نکل پڑی۔

حضرت لبینہ رضؓ ــــــ یہ بیچاری ایک کنیز تھیں۔ حضرت عمر رضؓ[2] اس بے کس کو مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے تھے کہ

"میں نے تجھ کو رحم کی بنا پر نہیں بلکہ اس وجہ سے چھوڑ دیا ہے کہ تھک گیا ہوں۔"

وہ نہایت استقلال سے جواب دیتیں کہ

"اگر تم اسلام نہ لاؤ گے تو خدا اس کا انتقام لے گا۔"

حضرت زنیرہ رضؓ حضرت عمر رضؓ کے گھرانے کی کنیز تھیں اور اس وجہ سے حضرت عمر رضؓ اسلام سے پہلے ان کو جی کھول کر ستاتے۔ ابو جہل نے اُن کو اس قدر مارا کہ اُن کی آنکھیں جاتی رہیں۔

---

[1] ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ عمار رضؓ اس وقت ایمان لائے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارقم رضؓ کے مکان میں چلے آئے تھے اور جب کہ تیس اشخاص سے زیادہ اسلام لا چکے تھے۔ مرتب

[2] حضرت عمر رضؓ اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے۔ مرتب

Marfat.com

حضرت نہدیہؓ اور ام عبیسؓ — یہ دونوں بھی کنیزیں تھیں اور اسلام لانے کے جرم میں سخت سے سخت مصیبتیں جھیلتی تھیں۔

حضرت ابوبکرؓ کے دفتر فضائل میں یہ پہلا باب ہے کہ انہوں نے ان مظلوموں میں سے اکثروں کی جان بچائی۔ حضرت بلالؓ، عامرؓ بن فہیرہ، لبینہؓ، زنیرہؓ، نہدیہؓ، ام عبیسؓ سب کو بھاری بھاری داموں پر خرید ا اور آزاد کر دیا۔

یہ لوگ وہ تھے جن کو قریش نے نہایت سخت جسمانی اذیتیں پہنچائیں۔ ان سے کم درجہ پر وہ لوگ تھے جن کو طرح طرح سے ستاتے تھے۔

حضرت عثمانؓ جو کبیر السن اور صاحب جاہ و اعزاز تھے جب اسلام لائے تو دوسروں نے نہیں بلکہ خود اُن کے چچا نے رسی باندھ کر مارا۔ حضرت ابوذرؓ جو ساتویں مسلمان ہیں جب مسلمان ہوئے اور کعبہ میں اسلام کا اعلان کیا تو قریش نے مارتے مارتے ان کو لٹا دیا۔ حضرت زبیرؓ بن العوام جن کا مسلمان ہونے والوں میں سے پانچواں نمبر تھا جب اسلام لائے تو اُن کے چچا اُن کو چٹائی میں لپیٹ کر اُن کے ناک میں دھواں دیتے۔ حضرت عمرؓ کے چچازاد بھائی سعیدؓ بن زید جب اسلام لائے تو حضرت عمرؓ نے ان کو رسیوں سے باندھ دیا۔ لیکن یہ تمام مظالم، یہ جلادانہ بے رحمیاں، یہ عبرت خیز سفاکیاں، ایک مسلمان کو بھی راہِ حق سے متزلزل نہ کر سکیں۔

Marfat.com

ہجرتِ حبش

(۵ھ نبوی)

قریش کے ظلم و تعدی کا بادل جب پیہم برس کر نہ کُھلا تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جاں نثارانِ اسلام کو ہدایت کی کہ حبش کو ہجرت کر جائیں۔ حبش قریش کا قدیم تجارت گاہ تھا۔ وہاں کے حالات پہلے سے معلوم تھے۔ اہل عرب حبش کے فرمانروا کو نجاشی کہتے تھے۔ اور اس کے عدل و انصاف کی عام شہرت تھی۔

جاں نثارانِ اسلام ہر قسم کی تکلیف جھیل سکتے تھے اور ان کا پیمانہ صبر لبریز نہیں ہو سکتا تھا لیکن مکہ میں رہ کر فرائض اسلام کا آزادی سے بجا لانا ممکن نہ تھا۔ اس وقت تک حرم کعبہ میں کوئی شخص بلند آواز سے قرآن نہیں پڑھ سکتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود جب اسلام لائے، تو اُنہوں نے کہا:

"میں اس فرض کو ضرور ادا کروں گا۔"

لوگوں نے منع کیا لیکن وہ باز نہ آئے۔ حرم میں گئے اور مقام ابراہیمؑ کے پاس کھڑے ہو کر سورۂ الرحمٰن شروع کی۔ کفار ہر طرف سے ٹوٹ پڑے اور ان کے منہ پر طمانچے مارنے شروع کئے اگرچہ اُنہوں نے جہاں تک پڑھنا تھا پڑھ کر دم لیا لیکن واپس گئے تو چہرے پر زخم کے نشانات لے کر گئے (حضرت ابوبکرؓ جاہ و اقتدار میں دیگر رؤسائے قریش سے کم نہ تھے لیکن آواز سے قرآن نہیں پڑھ سکتے تھے اور اسی بنا پر ایک بار ہجرت کے لئے آمادہ ہو گئے)

اس کے علاوہ ہجرت سے ایک بڑا فائدہ یہ بھی تھا کہ جو شخص اسلام لے کر جہاں جاتا وہاں اسلام کی شعاعیں خود بخود پھیلتی تھیں۔

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایما سے اوّل اوّل گیارہ مرد اور چار عورتوں نے ہجرت کی جن کے نام حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ حضرت عثمانؓ بن عفان —— مع اپنی زوجہ محترمہ (حضرت) رقیہؓ کے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں۔

۲۔ حضرت ابو حذیفہؓ بن عتبہ —— مع اپنی زوجہ کے جن کا نام حضرت سہلہؓ (بنت سہیل) تھا۔ ان کا باپ عتبہ قریش کا مشہور سردار تھا۔ چونکہ سخت کافر تھا اس لیے ان کو گھر چھوڑنا پڑا۔

۳۔ حضرت زبیرؓ بن العوام —— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھیرے بھائی اور مشہور صحابی تھے۔

۴۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر —— ہاشم کے پوتے تھے۔

۵۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف —— مشہور صحابی اور عشرہ مبشرہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ قبیلہ زہرہ سے تھے اور اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ننہالی رشتہ دار تھے۔

۶۔ (حضرت) ابو سلمہؓ (بن عبدالاسد) مخزومی —— مع اپنی زوجہ ام سلمہؓ بنت ابی امیہ کے۔ یہ ام سلمہؓ وہی ہیں جو ابو سلمہ کے مرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں۔

۷۔ (حضرت) عثمان بن مظعون جمحی —— مشہور صحابی ہیں۔

۸۔ (حضرت) عامرؓ بن ربیعہ —— مع اپنی زوجہ کے جن کا نام (حضرت) لیلیٰؓ (بنت ابی حثمہ تھا) سابقین اوّلین میں ہیں۔ بدر میں بھی شریک تھے۔ حضرت عثمانؓ نے سفر حج میں ان کو مدینہ کا حاکم مقرر کیا تھا۔ (اصابہ)

۹۔ (حضرت) ابو سبرۃ بن ابی رُہم (ؓیا) —— ان کی ماں برۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔ یہ سابقین فی الاسلام میں ہیں۔ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں لکھا ہے کہ یہ ہجرت ثانیہ میں گئے تھے۔

لہ علمائے تاریخ میں حبشہ کے مہاجرین اوّل کی تعداد اور اُن کے تعین میں کسی قدر اختلاف ہے جس کی تفصیلات علامہ سید سلیمان ندوی نے سیرۃ النبیؐ جلد اوّل کے حاشیے میں درج کی ہیں۔ (مترجم)

۱۰۔ (حضرت ابو) حاطبؓ بن عمرو ـــ بدر میں شریک تھے۔ امام زہری کا بیان ہے کہ سب سے پہلے ان ہی نے ہجرت کی۔

۱۱۔ حضرت سہیلؓ بن بیضا۔

۱۲۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود ـــ مشہور صحابی اور مجتہدین صحابہ میں داخل ہیں۔

ان لوگوں نے ۵ھ نبوی ماہ رجب میں سفر کیا۔ حسن اتفاق یہ کہ جب یہ بندرگاہ پر پہنچے تو دو تجارتی جہاز حبشہ کو جا رہے تھے۔ جہاز والوں نے سستے کرایہ پر ان کو بٹھا لیا۔ ہر شخص کو صرف پانچ درہم دینے پڑے۔ قریش کو خبر ہوئی تو بندرگاہ تک تعاقب میں آئے لیکن موقع نکل چکا تھا۔

نجاشی کے بدولت مسلمان حبش میں امن و امان سے زندگی بسر کرنے لگے۔ لیکن قریش یہ خبریں سُن سُن کر پیچ و تاب کھاتے تھے۔ آخر یہ رائے ٹھہری کہ نجاشی کے پاس سفارت بھیجی جائے کہ ہمارے مجرموں کو اپنے ملک سے نکال دو۔ عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص (فاتح مصر) اس کام کے لئے منتخب ہوئے۔ نجاشی اور اس کے درباریوں میں سے ایک ایک کے لئے گراں بہا تحفے مہیا کئے گئے اور نہایت سروسامان سے یہ سفارت حبش کو روانہ ہوئی۔ یہ سفراء نجاشی سے پہلے درباری پادریوں سے ملے اور ان کی خدمت میں نذریں پیش کیں اور کہا کہ ہمارے شہر کے چند نادانوں نے ایک نیا مذہب ایجاد کیا ہے۔ ہم نے اُن کو نکال دیا تو آپ کے ملک میں بھاگ آئے۔ کل ہم بادشاہ کے دربار میں ان کے متعلق جو درخواست پیش کریں آپ بھی ہماری تائید فرمائیں۔

دوسرے دن سفراء دربار میں گئے اور نجاشی سے درخواست کی کہ ہمارے مجرم ہم کو حوالہ کر دیئے جائیں۔ درباریوں نے بھی تائید کی۔ نجاشی نے مسلمانوں کو بلا بھیجا اور کہا:

"تم نے یہ کون سا دین ایجاد کیا ہے جو نصرانیت اور بت پرستی دونوں کے مخالف ہے"

مسلمانوں نے اپنی طرف سے گفتگو کرنے کے لئے حضرت جعفرؓ (حضرت علیؓ کے بھائی) کو انتخاب کیا۔ انہوں نے اس طرح تقریر شروع کی:

"ایہا الملک ـــ! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے۔ بُت پوجتے تھے۔ مُردار کھاتے تھے۔ بدکاریاں کرتے تھے۔ ہمسایوں کو ستاتے تھے۔ بھائی بھائی پر ظلم

Marfat.com

کرتا تھا۔ قوی لوگ کمزوروں کو کھا جاتے تھے۔ اس اثنا میں ہم میں ایک شخص پیدا ہوا جس کی شرافت اور صدق و دیانت سے ہم لوگ پہلے سے واقف تھے۔ اُس نے ہم کو اسلام کی دعوت دی اور سکھلایا کہ ہم پتھروں کو پوجنا چھوڑ دیں، سچ بولیں، خونریزی سے باز آئیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں، ہمسایوں کو آرام دیں۔ عفیف عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں، نماز پڑھیں، روزے رکھیں، زکوٰۃ دیں۔ ہم اس پر ایمان لائے۔ شرک اور بُت پرستی چھوڑ دی اور تمام اعمالِ بد سے باز آئے۔ اس جرم پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہو گئی اور ہم کو مجبور کرتی ہے کہ اسی گمراہی میں واپس آجائیں۔"

نجاشی نے کہا:

"جو کلامِ الٰہی تمہارے پیغمبر پر اترا ہے، کہیں سے پڑھو۔"

حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم کی چند آیتیں پڑھیں۔ نجاشی پر رقت طاری ہوئی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ پھر کہا:

"خدا کی قسم یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں۔"

یہ کہہ کر سفرائے قریش سے کہا:

"تم واپس جاؤ۔ میں ان مظلوموں کو ہرگز نہیں دوں گا۔"

دوسرے دن عمرو بن العاص نے پھر دربار میں رسائی حاصل کی اور نجاشی سے کہا:

"حضور! آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہیں۔"

نجاشی نے مسلمانوں کو بلا بھیجا کہ اس سوال کا جواب دیں۔ ان لوگوں کو تردّد ہوا کہ اگر حضرت عیسیٰؑ کے ابن اللہ ہونے کا انکار کرتے ہیں تو نجاشی عیسائی ہے، ناراض ہو جائے گا۔

حضرت جعفرؓ نے کہا:

"کچھ ہو، ہم کو سچ بولنا چاہیے۔"

غرض یہ لوگ دربار میں حاضر ہوئے۔ نجاشی نے کہا:

"تم لوگ عیسیٰؑ بن مریم کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہو؟"

حضرت جعفرؓ نے کہا:

"ہمارے پیغمبر نے بتایا ہے کہ عیسیٰ خدا کا بندہ اور پیغمبر اور کلمۃ اللہ ہے۔"

نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھا لیا اور کہا:

"واللہ ــــ! جو تم نے کہا عیسیٰ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہیں۔"

بطریق جو دربار میں موجود تھے نہایت برہم ہوئے۔ نتھنوں سے خرخراہٹ کی آواز آنے لگی۔ نجاشی نے اُن کے غصے کی کچھ پروا نہ کی اور قریش کے سفیر بالکل ناکامیاب آئے۔

اسی اثنا میں کسی دشمن نے نجاشی کے ملک پر حملہ کیا۔ نجاشی اس کے مقابلے کے لئے خود گیا۔ صحابہؓ نے مشورہ کیا کہ ہم میں سے ایک شخص جائے اور خبر بھیجتا رہے کہ اگر ضرورت ہو تو ہم بھی نجاشی کی مدد کے لئے آئیں۔ حضرت زبیرؓ اگرچہ سب سے زیادہ کم سن تھے لیکن انہوں نے اس خدمت کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا۔ مشک کے سہارے دریائے نیل تیر کر رزمگاہ میں پہنچے۔ ادھر صحابہؓ نجاشی کی فتح کے لئے خدا سے دعا مانگتے تھے۔ چند روز کے بعد حضرت زبیرؓ واپس آئے اور خوشخبری سنائی کہ نجاشی کو خدا نے فتح دی ہے۔

حبش میں کم ▪ بیش ۸۳ مسلمان ہجرت کر کے گئے۔ چند روز آرام سے گزرنے پائے تھے کہ یہ خبر مشہور ہوئی کہ کفار نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ یہ سن کر اکثر صحابہؓ نے مکہ معظمہ کا رخ کیا لیکن شہر کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط ہے۔ اس لئے بعض لوگ واپس چلے گئے اور اکثر چھپ چھپ کر مکہ میں آ گئے۔

جو لوگ حبش سے واپس آ گئے تھے اہل مکہ نے اب اُن کو اور ستانا شروع کیا اور اس قدر اذیت دی کہ دوبارہ ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔ لیکن اب کی ہجرت کچھ آسان نہ تھی۔ کفار نے سخت مزاحمت کی تاہم جس طرح ہو سکا بہت سے صحابہؓ جن کی تعداد قریباً سو تک پہنچتی ہے مکہ سے نکل گئے اور حبش میں اقامت اختیار کی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کو ہجرت کی تو کچھ لوگ فوراً چلے آئے اور جو لوگ رہ گئے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۷ھ میں اُن کو بلا لیا۔

کفار کی ایذا و تعدی اب کمزوروں اور بے کسوں پر محدود نہ تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کا قبیلہ معزز اور

Marfat.com

طاقتور قبیلہ تھا۔ ان کے یار اور انصار بھی کم نہ تھے۔ تاہم وہ بھی کفار کے ظلم سے تنگ آ گئے اور بالآخر حبش کی ہجرت کا ارادہ کیا۔ برک الغماد جو مکہ سے یمن کی سمت پانچ دن کی راہ ہے، وہاں تک پہنچے تھے کہ ابن الدغنہ سے ملاقات ہو گئی جو قبیلہ قارہ کا رئیس تھا۔ اس نے پوچھا کہ کہاں؟

حضرت ابوبکرؓ نے کہا:

"میری قوم مجھ کو رہنے نہیں دیتی۔ چاہتا ہوں کہ کہیں الگ جا کر خدا کی عبادت کروں"

ابن الدغنہ نے کہا:

"یہ نہیں ہو سکتا کہ تم جیسا شخص مکہ سے نکل جائے، میں تم کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں"

تو حضرت ابوبکرؓ اس کے ساتھ واپس آ گئے۔ ابن الدغنہ مکہ پہنچ کر تمام سرداران قریش سے ملا اور کہا کہ

"ایسے شخص کو نکالتے ہو جو مہمان نواز ہے، مفلسوں کا مددگار ہے، رشتہ داروں کو پالتا ہے مصیبتوں میں کام آتا ہے"

قریش نے کہا:

"لیکن شرط یہ ہے کہ ابوبکرؓ نمازوں میں جو چاہیں پڑھیں۔ آواز سے قرآن پڑھتے ہیں تو ہماری عورتوں اور بچوں پر اثر پڑتا ہے"

حضرت ابوبکرؓ نے چند دنوں تک یہ پابندی اختیار کی لیکن آخر گھر کے پاس ایک مسجد بنا لی۔ اور اس خضوع اور خشوع کے ساتھ بآواز قرآن پڑھتے تھے۔ وہ نہایت رقیق القلب تھے۔ قرآن پڑھتے تو بے اختیار روتے۔ عورتیں اور بچے ان کو دیکھتے اور متاثر ہوتے۔

قریش نے ابن الدغنہ سے شکایت کی۔ اس نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ

"اب میں تمہاری حفاظت کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا"

حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ

"مجھ کو خدا کی حفاظت بس ہے۔ میں تمہارے جوار سے استعفیٰ دیتا ہوں"

Marfat.com

شعب ابوطالب میں محصور ہونا

(محرم ۷ نبوی)

قریش دیکھتے تھے کہ اس روک ٹوک پر بھی، اسلام کا دائرہ پھیلتا جاتا ہے۔ عمرؓ اور حمزہؓ جیسے لوگ ایمان لا چکے۔ نجاشی نے مسلمانوں کو پناہ دی۔ سفراء بے نیل و مرام واپس آئے۔ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اس لئے اب یہ تدبیر سوچی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خاندان کو محصور کر کے تباہ کر دیا جائے۔ چنانچہ تمام قبائل نے ایک معاہدہ مرتب کیا کہ

"کوئی شخص نہ خاندان بنی ہاشم سے قرابت کرے گا نہ ان کے ہاتھ خرید و فروخت کرے گا، نہ ان سے ملے گا، نہ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان جانے دے گا، جب تک وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کے لئے حوالے نہ کر دیں۔"

یہ معاہدہ منصور بن عکرمہ نے لکھا اور در کعبہ پر آویزاں کیا گیا۔

ابوطالب مجبور ہو کر تمام خاندان ہاشم کے ساتھ شعب[1] ابوطالب میں پناہ گزین ہوئے۔ تین سال تک بنو ہاشم نے اس حصار میں بسر کی۔ یہ زمانہ ایسا سخت گزرا کہ طلح کے پتے کھا کھا کر بسر کرتے تھے۔ حدیثوں میں جو صحابہ کی زبان سے مذکور ہے کہ ہم طلح کی پتیاں کھا کھا کر بسر کرتے تھے یہ اسی زمانے کا واقعہ ہے۔ چنانچہ سہیلی نے روضۃ الانف میں تصریح کی ہے۔ حضرت سعدؓ وقاص کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رات کو سوکھا ہوا چمڑہ ہاتھ آ گیا۔ میں نے اس کو پانی سے دھویا پھر آگ پر بھونا اور پانی میں ملا کر کھایا۔

---

[1] یہ پہاڑ کا ایک درہ تھا جو خاندانِ بنو ہاشم کا موروثی تھا۔ (حاشیہ مؤلف)

Marfat.com

ابن سعد نے روایت کی ہے کہ بچے جب بھوک سے روتے تھے تو باہر آواز آتی تھی قریش سن سن کر خوش ہوتے تھے لیکن بعض رحم دلوں کو ترس بھی آتا تھا۔ ایک دن حکیم بن حزام نے جو حضرت خدیجہؓ کا بھتیجا تھا، تھوڑے سے گیہوں اپنے غلام کے ہاتھ حضرت خدیجہؓ کے پاس بھیجے۔ راہ میں ابوجہل نے دیکھ لیا اور چھین لینا چاہا۔ اتفاق سے ابوالبختری کہیں سے آگیا۔ وہ اگرچہ کافر تھا لیکن اس کو رحم آیا اور کہا کہ

"ایک شخص اپنی پھوپھی کو کچھ کھانے کے لئے بھیجتا ہے تو کیوں روکتا ہے؟"

مسلسل تین برس تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام آلِ ہاشم نے یہ مصیبتیں جھیلیں۔ بالآخر دشمنوں ہی کو رحم آیا اور خود ان ہی کی طرف سے اس معاہدہ کو توڑنے کی تحریک ہوئی ہشام عامری خاندان بنی ہاشم کا قریبی رشتہ دار اپنے قبیلہ میں ممتاز تھا۔ وہ چوری چھپے بنو ہاشم کو غلہ وغیرہ بھیجتا رہتا تھا۔ ایک دفعہ وہ زہیر کے پاس جو عبدالمطلب کے نواسے تھے گیا اور کہا:

"کیوں زہیر — تم کو یہ پسند ہے کہ تم کھاؤ پیو۔ ہر قسم کا لطف اٹھاؤ اور تمہارے ماموں کو ایک دانہ تک نصیب نہ ہو؟"

زہیر نے کہا:

"کیا کروں تنہا ہوں۔ ایک شخص بھی میرا ساتھ دے تو میں اس ظالمانہ معاہدہ کو پھاڑ کر پھینک دوں۔"

ہشام نے کہا:

"میں حاضر ہوں۔"

دونوں مل کر مطعم بن عدی کے پاس گئے۔ ابوالبختری، ہشام، زمعہ بن الاسود نے بھی ساتھ دیا۔ دوسرے دن سب مل کر حرم میں گئے۔ زہیر نے سب لوگوں کو مخاطب کر کے کہا:

"اے اہل مکہ — یہ کیا انصاف ہے؟ ہم لوگ آرام سے بسر کریں اور بنو ہاشم کو آب و دانہ نصیب نہ ہو۔ خدا کی قسم! جب تک یہ ظالمانہ معاہدہ چاک نہ کر دیا جائے گا میں باز نہ آؤں گا۔"

ابوجہل برابر سے بولا:

"ہرگز اس معاہدہ کو کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔"

Marfat.com

زمعہ نے کہا:

"تو جھوٹ کہتا ہے۔ جب یہ لکھا گیا تھا اُس وقت بھی ہم راضی نہ تھے۔"

غرض مطعم نے ہاتھ بڑھا کر دستاویز چاک کر دی۔ مطعم بن عدی، عدی بن قیس، زمعہ بن الاسود ابوالبختری، زہیر سب ہتھیار باندھ کر بنو ہاشم کے پاس گئے اور اُن کو درّہ سے نکال لائے۔ بقول ابن سعد یہ ۱۰ نبوی کا واقعہ ہے۔ اسی زمانے میں معراج واقع ہوئی، اسی زمانہ میں نماز پنجگانہ فرض ہوئی۔

Marfat.com

حضرت خدیجہؓ اور ابوطالب کی وفات

(سنہ ۱۰ نبوی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابھی شعب ابوطالب سے نکلے ہی تھے اور چند روز قریش کے جور و ظلم سے امان ملی تھی کہ ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہو گیا۔

ابوطالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جو جاں نثاریاں کیں اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ وہ اپنے جگر گوشوں تک کو آپؐ پر نثار کرتے تھے۔ آپؐ کی محبت میں تمام عرب کو اپنا دشمن بنا لیا۔ آپؐ کی خاطر محصور ہوئے، فاقے اٹھائے، شہر سے نکالے گئے۔ تین تین برس تک آب و دانہ بند رہا۔ کیا یہ محبت، یہ جوش، یہ جاں نثاریاں سب ضائع جائیں گی؟

ابوطالب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ۳۵ برس عمر میں بڑے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے نہایت محبت تھی۔ ایک دفعہ وہ بیمار پڑے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی عیادت کے لئے گئے، تو انہوں نے کہا:

"بھتیجے — !جس خدا نے تجھ کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اُس سے دُعا نہیں مانگتا کہ مجھ کو اچھا کر دے۔"

آپؐ نے دُعا کی اور وہ اچھے ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

"خدا تیرا کہنا مانتا ہے۔"

آپؐ نے فرمایا:

"آپ بھی اگر خدا کا کہنا مانیں تو وہ بھی آپ کا کہنا مانے۔"

ابوطالب کی وفات کے چند ہی روز بعد حضرت خدیجہؓ نے بھی وفات پائی۔ بعض روایتوں

میں ہے کہ انہوں نے ابوطالب سے پہلے انتقال کیا۔ اب آپؐ کے مددگار اور غمگسار دونوں اٹھ گئے۔ صحابہ خود اپنی حالت میں مبتلا تھے۔ یہی زمانہ ہے جو اسلام کا سخت ترین زمانہ ہے۔ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سال کو عام الحزن (سالِ غم) فرمایا کرتے تھے۔

حضرت خدیجہؓ نے رمضان سنہ ۱۰ نبوی میں وفات پائی۔ ان کی عمر ۶۵ برس تھی۔ مقام حجون میں دفن کی گئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اُن کی قبر میں اترے۔ اس وقت تک نماز جنازہ شروع نہیں ہوئی تھی۔

ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کے اٹھ جانے کے بعد قریش کو کس کا پاس تھا۔ اب وہ نہایت بے رحمی اور بے باکی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ستانے لگے۔ ایک دفعہ آپؐ راہ میں جا رہے تھے۔ ایک شقی نے آکر فرقِ مبارک پر خاک ڈال دی۔ اسی حالت میں آپؐ گھر تشریف لائے۔ آپؐ کی صاحبزادی نے دیکھا تو پانی لے کر آئیں۔ آپؐ کا سر دھوتی تھیں اور جوشِ محبت سے روتی جاتی تھیں۔ آپؐ نے فرمایا:

"جانِ پدر ــــ! رو نہیں۔ خدا تیرے باپ کو بچا لے گا"

اہلِ مکہ سے تو قطعی ناامیدی تھی۔ اس لئے آپؐ نے ارادہ فرمایا کہ طائف تشریف لے جائیں اور وہاں دعوتِ اسلام فرمائیں۔ طائف میں بڑے بڑے امراء اور اربابِ اثر رہتے تھے۔ ان میں عمیر کا خاندان رئیس القبائل تھا۔ یہ تین بھائی تھے ــــ عبدیالیل ــــ مسعود ــــ حبیب۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس گئے اور اسلام کی دعوت دی۔ ان تینوں نے جو جواب دیئے، وہ نہایت عبرت انگیز تھے۔ ایک نے کہا:

"اگر تجھ کو خدا نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تو کعبہ کا پردہ چاک کر رہا ہے۔"

دوسرے نے کہا:

"کیا خدا کو تیرے سوا اور کوئی نہیں ملتا تھا؟"

تیسرے نے کہا:

"میں بہرحال تجھ سے بات نہیں کر سکتا۔ تو اگر سچا ہے تو تجھ سے گفتگو کرنا خلافِ ادب ہے اور اگر جھوٹا ہے تو گفتگو کے قابل نہیں۔"

Marfat.com

ان بدبختوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ طائف کے بازاریوں کو اُبھار دیا کہ آپ کی ہنسی اڑائیں شہر کے اوباش ہر طرف سے ٹوٹ پڑے۔ یہ مجمع دو رویہ صف باندھ کر کھڑا ہوا۔ جب آپؐ اُدھر سے گزرے تو آپؐ کے پاؤں پر پتھر مارنے شروع کئے۔ یہاں تک کہ آپؐ کی جوتیاں خون سے بھر گئیں۔ جب آپؐ زخموں سے چور ہو کر بیٹھ جاتے تو بازو تھام کر کھڑا کر دیتے۔ جب آپؐ چلنے لگتے تو پتھر برساتے۔ ساتھ ساتھ گالیاں دیتے اور تالیاں بجاتے جاتے۔ آخر آپؐ نے ایک باغ میں انگور کی ٹہنیوں میں پناہ لی۔ یہ باغ عتبہ بن ربیعہ کا تھا جو باوجود کفر کے شریف الطبع اور نیک نفس تھا۔ اُس نے آپؐ کو اس حالت میں دیکھا تو اپنے غلام کے ہاتھ جس کا نام جداس تھا، انگور کا ایک خوشہ کشتی میں رکھ کر بھیجا۔

اس سفر میں حضرت زیدؓ بن حارثہ بھی ساتھ تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف سے پھر کر چند روز نخلہ میں قیام کیا۔ پھر حرا میں تشریف لائے اور مطعم بن عدی کے پاس پیغام بھیجا کہ مجھ کو اپنی حمایت میں لے سکتے ہو؟ عرب کا شعار تھا کہ جب کوئی اُن سے طالب حمایت ہوتا تو گو دشمن ہوتا انکار نہیں کر سکتے تھے۔ مطعم نے یہ درخواست منظور کی۔ بیٹوں کو بلا کر کہا کہ

"ہتھیار لگا کر حرم میں جاؤ"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تشریف لائے۔ مطعم اونٹ پر سوار ساتھ تھا۔ حرم کے پاس آیا تو پکارا کہ

"میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ دی ہے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حرم میں آئے۔ نماز ادا کی اور دولت خانہ کو واپس گئے۔ مطعم اور اُس کے بیٹے آپؐ کو تلواروں کے سایہ میں لائے۔

مطعم نے کفر کی حالت میں غزوہ بدر سے پہلے وفات پائی۔ حضرت حسانؓ جو دربار رسالت کے شاعر تھے انہوں نے مرثیہ لکھا۔ زرقانی نے یہ مرثیہ بدر میں نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں مطعم کا کام بے شبہ مدح کا مستحق تھا۔

Marfat.com

قبائل کا دورہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا، جب حج کا زمانہ آتا اور عرب کے قبائل ہر طرف سے آ آ کر مکہ کے آس پاس اترتے تو آپ ایک ایک قبیلہ کے پاس جاتے اور تبلیغ اسلام فرماتے۔ عرب میں مختلف مقامات پر میلے لگتے تھے جن میں دُور دُور کے قبائل آتے تھے۔ آپ ان میلوں میں جاتے اور تبلیغ فرماتے تھے۔

ان میلوں میں عکاظ، جو اہل عرب کا قومی اور علمی دنگل تھا، مجنۃ اور ذوالمجاز کا نام مؤرخین نے خاص طور پر لیا ہے۔ قبائل عرب میں سے بنو عامر، محارب، فزارہ، غسان، مرۃ، حنیفہ، سلیم، عبس، بنو نصر، کندۃ، کلب، حارث بن کعب، عذرہ، خضارمہ مشہور قبائل ہیں۔ ان سب قبائل کے پاس آپ تشریف لے گئے لیکن ابو لہب ہر جگہ ساتھ ساتھ جاتا اور جب آپ کسی مجمع میں تقریر کرتے تو برابر سے کہتا کہ

"دین سے پھر گیا ہے اور جھوٹ کہتا ہے۔"

بنی حنیفہ یمامہ میں آباد تھے۔ ان لوگوں نے نہایت تلخی سے جواب دیا۔ مسیلمہ کذاب جس نے آگے چل کر نبوت کا دعویٰ کیا اسی قبیلہ کا رئیس تھا۔

قبیلہ بنو ذہل بن شیبان کے پاس جب آپ گئے تو حضرت ابو بکرؓ بھی ساتھ تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے مفروق سے کہا:

"تم نے کسی پیغمبر کا تذکرہ سُنا ہے؟ وہ یہی ہیں ــــ!"

مفروق نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رُخ کر کے کہا:

"برادر قریش ــــ! تم کیا تلقین کرتے ہو؟"

Marfat.com

آپؐ نے فرمایا:

"خدا ایک ہے اور میں اُس کا پیغمبر ہوں۔"

اور یہ آیتیں پڑھیں۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۔ (انعام - ۱۹)

کہہ دو کہ آؤ میں تمہیں سناؤں کہ خدا نے کیا چیزیں حرام کی ہیں۔ یہ کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور والدین کا حق خدمت بجا لاؤ اور اپنے بچوں کو افلاس کے خیال سے قتل نہ کرو۔ ہم تم کو اور اُن کو دونوں کو روزی دیں گے۔ فحش باتوں کے پاس نہ جاؤ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور آدمی کی جان جس کو خدا نے حرام کیا ہے ناحق ہلاک نہ کرو۔

اس قبیلہ کے رؤسا مفروق مثنیٰ اور ہانی بن قبیصہ تھے اور وہ سب اس موقع پر موجود تھے۔ ان لوگوں نے کلام کی تحسین کی لیکن کہا کہ

"مدتوں کا خاندانی دین دفعتہً چھوڑ دینا زود اعتقادی ہے۔ اس کے علاوہ ہم کسریٰ کے زیر اثر ہیں اور معاہدہ ہو چکا ہے کہ ہم اور کسی کے اثر میں نہیں آئیں گے۔"

آپؐ نے اُن کی راست گوئی کی تحسین کی اور فرمایا کہ

"خدا اپنے دین کی آپ مدد کرے گا۔"

قبیلہ بنو عامر کے پاس گئے تو اس شخص نے جس کا نام (بحیرہ بن) فراس تھا آپؐ کی تقریر سُن کر کہا:

"یہ شخص مجھ کو ہاتھ آ جائے تو میں تمام عرب کو مسخر کر لوں۔"

پھر آپؐ سے پوچھا کہ

"اگر ہم تمہارا ساتھ دیں اور تم اپنے مخالفوں پر غالب آ جاؤ تو تمہارے بعد ریاست ہم کو

ملے گی ۔۔۔؟"

آپؐ نے فرمایا:

"یہ خدا کے ہاتھ ہے۔"

اُس نے کہا:

"ہم اپنا سینہ عرب کی آماجگاہ بنائیں اور حکومت غیروں کے ہاتھ آئے۔ ہم کو یہ غرض نہیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی

اسباب مذکورہ بالا کی بنا پر قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت مخالفت کی اور چاہا کہ آپؐ کو اس طرح ستائیں کہ آپؐ مجبور ہو کر تبلیغ اسلام سے دست بردار ہو جائیں۔ سوئے اتفاق یہ کہ جو کفار آپؐ کے ہمسایہ تھے یعنی ابوجہل، ابولہب، اسود بن عبد یغوث، ولید بن مغیرہ، امیہ بن خلف، نضر بن حارث، منبہ بن حجاج، عقبہ بن ابی معیط، حکم بن ابی العاص سب قریش کے سربرآوردہ رؤسا تھے اور یہی سب سے بڑھ کر آپؐ کے دشمن تھے۔ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں کانٹے بچھاتے، نماز پڑھتے وقت ہنسی اڑاتے، سجدہ میں آپؐ کی گردن پر اوجھری لا کر ڈال دیتے۔ گلے میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچتے کہ گردن مبارک پر بدھیاں پڑ جاتیں۔ آپؐ کی روحانی قوت اثر کو دیکھ کر لوگ جادوگر کہتے، دعویٰ نبوت کو سُن کر مجنوں کہتے۔ باہر نکلتے تو شریر لڑکے پیچھے پیچھے غول باندھ کر چلتے۔ نماز با جماعت میں قرآن زور سے پڑھتے، تو قرآن، قرآن کے لانے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے اتارنے والے (خدا تعالیٰ) کو گالیاں دیتے۔

ایک دفعہ آپؐ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے۔ رؤسائے قریش بھی موجود تھے۔ ابوجہل نے کہا:

"کاش: اس وقت کوئی جاتا اور اونٹ کی اوجھ نجاست سمیت اٹھا لاتا کہ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں جاتے تو اُن کی گردن پر ڈال دیتا۔"

عقبہ نے کہا:

"یہ خدمت میں انجام دیتا ہوں۔"

Marfat.com

چنانچہ اوجھ لاکر آپ کی گردن پر ڈال دی۔ قریش مارے خوشی کے ایک دوسرے
پر پڑتے تھے۔ کسی نے جاکر حضرت فاطمہؓ کو خبر کی، تو وہ اگرچہ اس وقت صرف
پانچ برس کی تھیں، جوش محبت سے دوڑی آئیں۔ اوجھ ہٹاکر عقبہ کو برا بھلا کہا اور بد دعائیں دیں
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی مجمع میں دعوت اسلام کا وعظ فرماتے تو ابولہب جو
آپ کے ساتھ ساتھ ہوتا، برابر سے کہتا جاتا کہ
"جھوٹ کہتا ہے۔"
ایک صحابی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ جب کہ میں اسلام نہیں لاچکا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
ذوالمجاز میں گئے اور مجمع میں گھس کر لوگوں سے کہا کہ لا الٰہ الا اللہ کہو۔ ابوجہل آپ
پر خاک پھینکتا جاتا اور کہتا کہ
"اس کے فریب میں نہ آنا۔ یہ چاہتا ہے کہ تم لات وعزیٰ کی پرستش چھوڑ دو۔"
طائف میں کفار نے آپ کو جو اذیتیں پہنچائیں ان کا بیان پیچھے گزر چکا۔
ایک دفعہ آپ حرم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ عقبہ نے آپ کی گردن میں چادر
ڈال کر نہایت زور سے کھینچی۔ اتفاقاً حضرت ابوبکرؓ آگئے اور آپ کا شانہ پکڑ کر عقبہ کے
ہاتھ سے چھڑایا اور کہا کہ
"اس شخص کو قتل کرتے ہو جو صرف یہ کہتا ہے کہ خدا ایک ہے۔"
جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں نہایت سرگرم تھے اور رات دن اسی
میں رہتے تھے ان کے نام، جیسا کہ ابن سعد نے طبقات میں لکھے ہیں، حسب ذیل ہیں:-

۱ —— ابوجہل	۲ —— ابولہب
۳ —— اسود بن عبد یغوث	۴ —— حارث بن قیس بن عدی
۵ —— ولید ابن المغیرہ	۶ —— امیہ
۷ —— ابی بن خلف	۸ —— ابوقیس بن فاکہہ بن المغیرہ
۹ —— عاص بن وائل	۱۰ —— نضر بن حارث
۱۱ —— منبہ بن الحجاج	۱۲ —— زہیر بن ابی امیہ

Marfat.com

۱۳ — سائب بن صیفی	۱۴ — اسود بن عبد الاسد
۱۵ — عاص بن سعید بن العاص	۱۶ — عاص بن ہاشم
۱۷ — عقبہ بن ابی معیط	۱۸ — بن الاصدی
۱۹ — ہذلی	۲۰ — حکم بن العاص
۲۱ — عدی بن حمراء	

حضرت خبابؓ بن الارت نے جب قریش کی ایذا رسانی سے تنگ آکر آنحضرت صلی اللہ ع
کی خدمت میں عرض کی کہ،

"آپ ان کے حق میں بددعا کیوں نہیں فرماتے ؟"

تو آپ کا چہرہ سرخ ہوگیا اور فرمایا کہ

"تم سے پہلے وہ لوگ گزرے ہیں جن کے سر پر آرے چلائے جاتے اور چیر ڈالے جاتے تھے۔ تاہم وہ اپنے فرض سے باز نہ آئے۔ خدا اس کام کو پورا کرے گا۔ یہاں تک کہ شتر سوار صنعاء سے حضر موت تک سفر کرے گا اور اس کو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا"

کیا یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری نہیں ہوئی —— ؟

Marfat.com

مدینہ منورہ اور انصار

Marfat.com

بیعت عقبہ اولیٰ ——— سنہ ۱۱ نبوی

بیعت عقبہ ثانی ——— سنہ ۱۲ نبوی

Marfat.com

آفتاب کی روشنی دُور پہنچ کر تیز ہوتی ہے۔ شمیم گل باغ سے نکل کر عطر فشاں بنی۔ آفتاب اسلام طلوع مکّہ میں ہوا لیکن کرنیں مدینہ کے افق پر چمکیں۔

مدینہ کا اصل نام یثرب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہاں آکر قیام کیا تو اس کا نام مدینۃ النبیؐ یعنی پیغمبر کا شہر پڑ گیا اور پھر مختصر ہو کر مدینہ مشہور ہو گیا۔

یہ شہر مدتوں سے آباد ہے۔ بہت قدیم زمانہ میں یہودی یہاں آکر آباد ہو گئے۔ ان کی نسلیں کثرت سے پھیلیں اور مدینہ کے اطراف ان کے قبضہ میں آ گئے۔ انہوں نے مدینہ اور اس کے حوالی میں چھوٹے چھوٹے قلعے بنا لیئے تھے اور ان میں سکونت رکھتے تھے۔

انصار اصل میں یمن کے رہنے والے اور قحطان کے خاندان سے تھے۔ یمن میں جب مشہور سیلاب آیا جس کو "سیل عرم" کہتے ہیں، یہ لوگ یمن سے نکل کر مدینہ میں آباد ہو گئے۔ یہ دو بھائی تھے —— اوس اور خزرج۔ تمام انصار ان ہی دو کے خاندان سے ہیں۔ یہ خاندان جب یثرب میں آیا تو یہود نہایت اقتدار اور اثر رکھتے تھے۔ آس پاس کے مقامات ان کے قبضہ میں تھے اور دولت و مال سے مالا مال تھے۔ چونکہ آل و اولاد کی کثرت سے بیس ایک قبیلے بن گئے تھے اس لیئے دُور دُور تک بستیاں بسالی تھیں۔ انصار کچھ زمانہ تک ان سے الگ رہے لیکن ان کا زور اور اثر دیکھ کر بالآخر اُن کے حلیف بن گئے۔ ایک مدت تک یہ حالت رہی لیکن اب انصار کا خاندان پھیلتا جاتا تھا اور اقتدار حاصل کرتا جاتا تھا۔ یہود نے پیش بینی کے لحاظ سے ان سے معاہدہ توڑ دیا۔

یہودیوں میں ایک رئیس فطیون پیدا ہوا جو نہایت عیاش اور بدکار تھا۔ اُس نے یہ حکم دیا

Marfat.com

کہ جو دوشیزہ لڑکی بیاہی جائے پہلے اُس کے شبستان عیش میں آئے۔ یہود نے اس کو گوارا کر لیا تھا لیکن جب انصار کی نوبت آئی تو انہوں نے سرتابی کی۔ اس زمانے میں انصار کا سردار ایک شخص مالک بن عجلان تھا۔ اس کی بہن کی شادی ہوئی تو وہ عین شادی کے دن گھر سے نکلی اور اپنے بھائی مالک بن عجلان کے سامنے سے بے پردہ گزری۔ مالک کو غیرت آئی۔ اٹھ کر گھر میں آیا اور بہن کو سخت ملامت کی۔ اُس نے کہا:

"ہاں — لیکن کل جو کچھ ہوگا اس سے بھی بڑھ کر ہے۔"

دوسرے دن حسب دستور جب مالک کی بہن دُلہن بن کر فطیون کی خلوت گاہ میں گئی تو مالک بھی زنانے کپڑے پہن کر سہیلیوں کے ساتھ گیا اور فطیون کو قتل کر کے شام کو بھاگ گیا۔ یہاں غسانیوں کی حکومت تھی اور ابوجبلہ حکمران تھا۔ اُس نے یہ حالات سُنے تو ایک فوج گراں لے کر آیا اور اوس اور خزرج کے رؤسا کو بلا کر ان کو خلعت اور صلے دیئے۔ پھر رؤسائے یہود کی دعوت کی اور ایک ایک کو دھوکے سے قتل کرا دیا۔ یہود کا زور اب ٹوٹ گیا اور انصار نے نئے سرے سے قوت حاصل کی۔

انصار نے مدینہ اور حوالی مدینہ میں کثرت سے چھوٹے چھوٹے قلعے بنا لئے۔ اوس اور خزرج ایک مدت تک باہم متحد رہے لیکن پھر عرب کی فطرت کے موافق خانہ جنگیاں شروع ہوگئیں اور سخت خونریز لڑائیاں ہوئیں۔ سب سے اخیر لڑائی میں جس کو بعاث کہتے ہیں اس زور کا معرکہ ہوا کہ دونوں خاندانوں کے تمام نامور لڑ لڑ کر مر گئے۔ انصار اب اس قدر ضعیف ہو گئے کہ انہوں نے قریش کے پاس سفارت بھیجی کہ ہم کو حلیف بنا لیجئے لیکن ابوجہل نے معاملہ درہم برہم کر دیا۔

انصار گو بت پرست تھے تاہم چونکہ یہود سے میل جول تھا، اس لئے نبوت اور کتب آسمانی سے گوش آشنا تھے۔ یہود سے انصار گو ایک گونہ رقابت رکھتے تھے لیکن ان کے علمی فضل و کمال کے معترف تھے۔ یہود نے مدینہ میں جو علمی مدارس قائم کئے تھے اور جن کو بیت المدارس کہتے تھے۔ (بخاری وغیرہ میں نام مذکور ہیں) ان میں تورات کی تعلیم ہوتی تھی۔ انصار جاہل تھے اس لئے ان پر یہود کے علمی تفوق کا خواہ مخواہ اثر پڑتا تھا۔ یہاں تک کہ انصار میں سے جس کے اولاد زندہ نہیں رہتی تھی وہ منت مانتا تھا کہ بچہ زندہ رہے گا تو یہودی بنا دیا جائے گا۔ یہودی عموماً یہ یقین رکھتے تھے کہ

ایک پیغمبر ابھی اور آنے والا ہے۔ اس بنا پر انصار بھی ایک پیغمبر موعود کے نام سے آشنا تھے۔

انصار میں ایک شخص سوید بن صامت جو شاعری اور جنگ آوری میں ممتاز تھا اُس کو امثال لقمان کا ایک نسخہ ہاتھ آگیا تھا جس کو وہ آسمانی کتاب سمجھتا تھا۔ وہ ایک دفعہ حج کو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کے حالات سُنے تو خود اُس کے پاس تشریف لے گئے۔ اُس نے امثال لقمان پڑھ کر سنایا۔ آپؐ نے فرمایا:

"میرے پاس اس سے بھی بہتر چیز ہے۔"

یہ کہہ کر قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں۔ سوید نے تحسین کی۔ اگرچہ وہ مدینہ واپس آکر جنگ بعاث میں مارا گیا لیکن اسلام کا معتقد ہو چکا تھا۔

سوید شجاعت اور شاعری دونوں میں کمال رکھتا تھا۔ ایسے شخص کو عرب "کامل" کہتے تھے اور اسی بنا پر سوید اسی لقب سے پکارا جاتا تھا۔ سوید کے میلانِ اسلام کا اثر انصار پر پڑ چکا تھا۔

اوس اور خزرج کے معرکوں میں اوس کو جب شکست ہوئی تو اوس کے عمائد قریش کے پاس گئے کہ خزرج کے مقابلہ میں ان کو حلیف بنائیں۔ اس سفارت میں ایاس بن معاذ بھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کا آنا معلوم ہوا تو آپؐ اُن کے پاس تشریف لے گئے اور قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ ایاس نے ساتھیوں سے کہا کہ

"خدا کی قسم — تم جس غرض کے لئے آئے ہو، یہ کام اس سے بہتر ہے۔"

لیکن سالارِ قافلہ یعنی ابوالحیس نے کنکریاں اٹھا کر اُن کے منہ پر ماریں اور کہا کہ

"ہم اس کام کے لئے نہیں آئے۔"

اس کے بعد بعاث کا معرکہ پیش آگیا اور ایاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے انتقال کر گئے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ مرتے وقت ایاس کی زبان پر تکبیر جاری تھی۔

جیسا کہ اُوپر گزر چکا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ حج کے زمانہ میں وہ سائے قبائل کے پاس جا کر تبلیغ اسلام فرمایا کرتے تھے۔ اس سال (رجب سنہ نبوی) میں بھی آپؐ متعدد قبائل کے پاس تشریف لے گئے۔ عقبہ کے پاس جہاں اب مسجد العقبہ ہے خزرج کے چند اشخاص آپؐ کو نظر آئے۔ آپؐ نے اُن سے نام و نسب پوچھا۔ انہوں نے کہا:

"خزرج ــــــ!"

آپ نے دعوتِ اسلام دی اور قرآن مجید کی آیتیں سنائیں۔ ان لوگوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا:

"دیکھو! یہود ہم سے اس اوّلیت میں بازی نہ لے جائیں۔"

یہ کہہ کر سب نے ایک ساتھ اسلام قبول کیا۔ یہ چھ شخص تھے جن کے نام حسب ذیل ہیں:-

۱۔ ابوالہیثمؓ تیہان۔

۲۔ ابوامامہؓ اسعد بن زرارہ ــــــ (صحابہ میں سب سے پہلے انہی نے سلہ میں وفات پائی)

۳۔ عوفؓ بن حارث ــــــ (بدر میں شہادت پائی)

۴۔ رافع بن مالک بن عجلان ــــــ اس وقت تک جس قدر قرآن اتر چکا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عنایت فرمایا۔ جنگ احد میں شریک ہوئے۔

۵۔ قطبہؓ بن عامر بن حدیدہ ــــــ (تینوں عقبات میں شریک رہے)

۶۔ جابرؓ بن عبداللہ (بن رباب) ــــــ (یہ مشہور صحابی حضرت جابر بن عبداللہ ابن عمرو کے علاوہ تھے۔ بدر وغیرہ میں شریک تھے)

بیعت عقبہ اولیٰ ـ سلہ نبوی

دوسرے سال بارہ شخص مدینہ منورہ سے آئے اور بیعت کی۔ اس کے ساتھ اس بات کی بھی خواہش کی کہ احکام اسلام کے سکھانے کے لئے کوئی معلّم ان کے ساتھ کر دیا جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعبؓ بن عمیر کو اس خدمت پر مامور فرمایا۔ مصعبؓ ہاشم بن عبد مناف کے پوتے اور سابقین اسلام میں سے تھے۔ غزوہ بدر میں لشکر اسلام کی علمبرداری کا منصب انہی کو ملا تھا۔ وہ مدینہ میں آکر اسعد بن زرارہ کے مکان پر ٹھہرے جو مدینہ کے نہایت معزز رئیس تھے روزانہ معمول تھا کہ انصار کے ایک ایک گھر کا دورہ کرتے۔ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے اور قرآن مجید پڑھ کر سناتے۔

روزانہ ایک دو نئے آدمی اسلام قبول کرتے۔ رفتہ رفتہ مدینہ سے قبا تک گھر گھر اسلام

Marfat.com

پھیل گیا۔ صرف حطمۃ، وائل، واقف تک کے چند گھرانے باقی رہ گئے۔ ابن سعد نے یہ واقعات تفصیل سے لکھے ہیں۔

قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن عبادہ تھے۔ قبیلہ پر ان کا یہ اثر تھا کہ ہر کام میں اُن کے اشاروں پر چلتے تھے۔ مصعبؓ نے جب ان کے پاس جا کر اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے پہلے نفرت ظاہر کی۔ لیکن جب مصعبؓ نے قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں تو ہیچ مِوم تھا۔ ان کا اسلام لانا تمام قبیلہ اوس کا اسلام قبول کر لینا تھا۔

بیعت عقبۂ ثانی ــ ۱۲ سنہ نبوی

اگلے سال بہتر شخص حج کے زمانے میں آئے اور اپنے ساتھیوں سے (جو بُت پرست تھے) چھپ کر بہ مقام منیٰ (عقبہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس موقع پر حضرت عباسؓ بھی جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔

انہوں نے انصار سے خطاب کر کے کہا

"اے گروہِ خزرج ــ! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے خاندان میں معزز اور محترم ہیں۔ دشمنوں کے مقابلہ میں ہم ہمیشہ ان کے سینہ سپر رہے۔ اب وہ تمہارے پاس جانا چاہتے ہیں۔ اگر مرتے دم تک ان کا ساتھ دے سکو تو بہتر ورنہ ابھی سے جواب دے دو۔"

حضرت براءؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خطاب کر کے کہا:

"ہم لوگ تلواروں کی گود میں پلے ہیں ـــــ!"

وہ اسی قدر کہنے پائے تھے کہ ابو الہیثمؓ نے بات کاٹ کر کہا

"یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم سے اور یہود سے تعلقات ہیں۔ بیعت کے بعد یہ تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ ایسا تو نہ ہو کہ جب آپؐ کو قوت اور اقتدار حاصل ہو جائے تو آپؐ ہم کو چھوڑ کر وطن چلے جائیں۔"

آپؐ نے فرمایا:

"نہیں تمہارا خون میرا خون ہے۔ تم میرے اور میں تمہارا ہوں۔"

Marfat.com

آپ نے اس گروہ میں سے بارہ شخص نقیب انتخاب کیے جن کے نام خود انصار نے پیش کیے تھے۔ ان میں نو خزرج کے اور تین اوس کے تھے۔ ان کے نام حسب روایت ابن سعد حسب ذیل ہیں:-

۱۔ اسیدؓ بن حضیر ـــ جنگ بعاث میں انہی کے باپ اوس کے سردار تھے۔

۲۔ ابو الہیثمؓ بن تیہان

۳۔ سعدؓ بن خثیمہ ـــ جنگ بدر میں شہید ہوئے۔

۴۔ اسعدؓ بن زرارہ ـــ ان کا ذکر اُوپر گزر چکا۔ یہ امام نماز تھے۔

۵۔ سعدؓ بن الربیع ـــ جنگِ اُحد میں شہید ہوئے۔

۶۔ عبداللہؓ بن رواحہ ـــ مشہور شاعر تھے۔ جنگ موتہ میں شہید ہوئے۔

۷۔ سعدؓ بن عبادہ ـــ معزز اور مشہور صحابی ہیں۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں ان ہی نے پہلے خلافت کا دعویٰ کیا تھا۔

۸۔ منذرؓ بن عمرو ـــ بیر معونہ میں شہید ہوئے۔

۹۔ براءؓ بن معرور ـــ بیعت عقبہ میں ان ہی نے انصار کی طرف سے تقریر کی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے انتقال کر گئے۔

۱۰۔ عبداللہؓ بن عمرو ـــ جنگ اُحد میں شہید ہوئے۔

۱۱۔ عُبادہؓ بن الصامت ـــ مشہور صحابی ہیں۔ ان سے اکثر حدیثیں مروی ہیں۔

۱۲۔ ارفعؓ بن مالک ـــ جنگ اُحد میں شہید ہوئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن باتوں پر انصار سے بیعت لی، یہ تھیں:-

"شرک، چوری، زنا، قتلِ اولاد اور افتراء کے مرتکب نہ ہوں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے جو اچھی بات کہیں گے، اس سے سرتابی نہ کریں گے۔"

جب انصار بیعت کر رہے تھے تو سعدؓ بن زرارہ نے کھڑے ہو کر کہا:

"بھائیو ـــ! یہ بھی خبر ہے کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ یہ عرب و عجم اور جن و انس سے اعلانِ جنگ ہے۔"

Marfat.com

سب نے کہا:

"ہم اسی پر بیعت کر رہے ہیں۔"

بارہ شخص جو نقیب انتخاب کئے گئے تھے رئیس القبائل تھے۔ ان کا اسلام قبول کرنا تمام انصار کا اسلام قبول کرنا تھا۔ صبح کو اس بیعت کی اڑتی سی خبر پھیلی۔ قریش انصار کے پاس آئے اور شکایت کی۔ انصار کے ساتھ جو بُت پرست تھے اُن کو اس بیعت کی خبر نہ تھی۔

انہوں نے تکذیب کی کہ

"ایسا ہوتا تو ہم سے کیوں کر چُھپ سکتا تھا؟"

مدینہ میں اسلام کو پناہ حاصل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو اجازت دی کہ مکہ سے ہجرت کر جائیں۔ قریش کو معلوم ہوا تو انہوں نے روک ٹوک شروع کی لیکن چوری چھپے لوگوں نے ہجرت شروع کر دی۔ رفتہ رفتہ اکثر صحابہ چلے گئے۔ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علیؓ رہ گئے۔ جو لوگ مفلسی سے مجبور تھے وہ مدت تک نہ جا سکے۔

Marfat.com

Marfat.com

ہجرت

سنہ ۱ھ

Marfat.com

مسجد نبویؐ اور ازواجِ مطہراتؓ کے حجروں کی تعمیر

اذان کی ابتداء

مواخاۃ

صفہ اور اصحابِ صفہ

مدینہ کے یہود اور اُن سے معاہدہ

Marfat.com

ہجرت مدینہ

اس وقت جب کہ دعوت حق کے جواب میں ہر طرف سے تلوار کی جھنکاریں سنائی دے رہی تھیں حافظِ عالمؐ نے مسلمانوں کو دار الامان مدینہ کی طرف رُخ کرنے کا حکم دیا لیکن خود وجود اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جو ان ستمگاروں کا حقیقی ہدف تھا اپنے لئے حکمِ خدا کا منتظر تھا۔ مکہ کے باہر اطراف میں جو صاحب اثر مسلمان ہو چکے تھے وہ جانثارانہ اپنی حفاظت کی خدمت پیش کرتے تھے۔ قبیلہ دوس ایک محفوظ قلعہ کا مالک تھا۔ اس کے رئیس طفیلؓ بن عمرو نے اپنا قلعہ پیش کیا کہ آپؐ یہاں ہجرت کر آئیں لیکن آپؐ نے انکار فرمایا۔ اسی طرح بنی ہمدان کے ایک شخص نے بھی یہی خواہش کی تھی۔ بعد کو اُس نے کہا کہ وہ اپنے اہل قبیلہ کو مطلع کر کے اگلے سال آئے گا لیکن کارسازِ قضا و قدر نے یہ شرف صرف انصار کے لئے مخصوص کیا تھا۔ چنانچہ قبل ہجرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ دار الہجرت ایک پُر باغ و بہار مقام ہے۔ خیال تھا کہ وہ یمامہ یا ہجر کا شہر ہو گا لیکن وہ شہر مدینہ نکلا۔

نبوت کا تیرہواں سال شروع ہوا اور اکثر صحابہ مدینہ پہنچ چکے تو وحی الٰہی کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مدینہ کا عزم فرمایا۔

(۲) قریش نے دیکھا کہ اب مسلمان مدینہ میں جا کر طاقت پکڑتے جاتے ہیں اور وہاں اسلام پھیلتا جاتا ہے۔ اس پر انہوں نے دار الندوہ میں جو دار الشوریٰ تھا اجلاس عام کیا۔ ہر قبیلہ کے رؤسا یعنی عتبہ، ابو سفیان، جبیر بن مطعم، نضر بن حارث بن کلاہ، ابو البختری، ابن ہشام، زمعہ بن اسود بن مطلب، حکیم بن حزام، ابو جہل، نبیہ و منبہ، امیہ بن خلف وغیرہ وغیرہ سب شریک تھے۔ لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں۔ ایک نے کہا:

Marfat.com

"محمدؐ کے ہاتھ پاؤں میں زنجیریں ڈال کر مکان میں بند کر دیا جائے۔"

دوسرے نے کہا:

"جلا وطن کر دینا کافی ہے۔"

ابوجہل نے کہا:

"ہر قبیلہ سے ایک شخص انتخاب ہو اور پورا مجمع ایک ساتھ مل کر تلواروں سے ان کا خاتمہ کر دے۔ اس صورت میں ان کا خون تمام قبائل میں بٹ جائے گا اور آل ہاشم تمام قبائل کا آگے مقابلہ نہ کر سکیں گے۔"

اس اخیر رائے پر اتفاق ہو گیا اور جھٹ پٹے سے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ مبارک کا محاصرہ کر لیا۔ اہل عرب زنانہ مکان کے اندر گھسنا معیوب سمجھتے تھے۔ اس لئے باہر کھڑے رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نکلیں تو یہ فرض ادا کیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریش کو اس درجہ عداوت تھی تاہم آپؐ کی دیانت پر اعتماد تھا کہ جس شخص کو کچھ مال یا اسباب امانت رکھنا ہوتا تھا آپؐ ہی کے پاس لا کر رکھتا تھا۔ اس وقت بھی آپؐ کے پاس بہت سی امانتیں جمع تھیں۔ آپؐ کو قریش کے ارادے کی پہلے سے خبر ہو چکی تھی۔ اس بنا پر حضرت علیؓ کو بلا کر فرمایا کہ

"مجھ کو ہجرت کا حکم ہو چکا ہے۔ میں آج مدینہ روانہ ہو جاؤں گا۔ تم میرے پلنگ پر میری چادر اوڑھ کر سو رہو۔ صبح کو سب کی امانتیں جا کر واپس دے آنا۔"

یہ سخت خطرے کا موقع تھا۔ حضرت علیؓ کو معلوم ہو چکا تھا کہ قریش آپؐ کو قتل کرنے کا ارادہ کر چکے ہیں اور آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر خواب قتل گاہ کی زمین ہے لیکن فاتح کے لئے قتل گاہ فرش گل تھا۔

ہجرت سے دو تین دن پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کے وقت حضرت ابوبکرؓ کے گھر پر گئے۔ دستور کے موافق دروازے پر دستک دی۔ اجازت کے بعد گھر میں تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا:

"کچھ مشورہ کرنا ہے سب کو ہٹا دو۔"

Marfat.com

بولے کہ

"اس وقت آپ کی حرم کے سوا اور کوئی نہیں۔" (اس وقت حضرت عائشہؓ سے شادی ہو چکی تھی)

آپؐ نے فرمایا:

"مجھ کو ہجرت کی اجازت ہو گئی ہے۔"

حضرت ابوبکرؓ نے نہایت بیتابی سے کہا:

"میرا باپ آپؐ پر فدا ہو کیا مجھ کو بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہوگا؟"

ارشاد ہوا،

"ہاں ——!"

حضرت ابوبکرؓ نے ہجرت کے لئے چار مہینے سے دو اونٹنیاں ببول کی پتیاں کھلا کھلا کر رکھی تھیں۔ عرض کی کہ

"ان میں سے ایک آپؐ پسند فرمائیں۔"

محسنِ عالمؐ کو کسی کا احسان گوارا نہیں ہو سکتا تھا۔ ارشاد ہوا:

"اچھا —— مگر بہ قیمت!"

حضرت ابوبکرؓ نے مجبوراً قبول کیا۔ حضرت عائشہؓ اس وقت کم سن تھیں۔ ان کی بڑی بہن حضرت اسماءؓ نے جو حضرت عبداللہؓ بن زبیر کی ماں تھیں، سفر کا سامان کیا۔ دو تین دن کا کھانا ناشتہ دان میں رکھا۔ نطاق جس کو عورتیں کمر سے لپیٹتی ہیں پھاڑ کر اس سے ناشتہ دان کا منہ باندھا۔ یہ وہ شرف تھا جس کی بنا پر آج تک ان کو ذات النطاقین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

کفار نے جب آپؐ کے گھر کا محاصرہ کیا اور رات زیادہ گزر گئی تو قدرت نے ان کو بے خبر کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو سوتا چھوڑ کر باہر آئے۔ کعبہ کو دیکھا اور فرمایا:

"مکّہ تو مجھ کو تمام دنیا سے زیادہ عزیز ہے لیکن تیرے فرزند مجھ کو رہنے نہیں دیتے۔"

حضرت ابوبکرؓ سے پہلے سے قرارداد ہو چکی تھی۔ دونوں صاحب پہلے جبلِ ثورؓ کے غار میں

ل؎ یہ غار مکہ سے تین میل داہنی جانب ہے۔ پہاڑ کی چوٹی قریباً ایک میل بلند ہے۔ سمندر یہاں سے دکھائی دیتا ہے۔ دیکھو زرقانی۔ (حاشیہ مؤلف)

جا کر پوشیدہ ہو گئے۔ یہ غار آج بھی موجود ہے اور بوسہ گاہ خلائق ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے جو نوخیز جوان تھے شب کو غار میں سوتے، صبح منہ اندھیرے شہر چلے جاتے اور پتہ لگاتے کہ قریش کیا مشورہ کر رہے ہیں۔ جو کچھ خبر ملتی شام کو آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتے۔ حضرت ابوبکرؓ کا غلام کچھ رات گئے بکریاں چرا کر لاتا اور آپؐ اور حضرت ابوبکرؓ ان کا دودھ پی لیتے۔ دن تک صرف یہی غذا تھی لیکن ابن ہشام نے لکھا ہے کہ روزانہ شام کو حضرت اسماءؓ گھر سے کھانا پکا کر غار میں پہنچا آتی تھیں۔ اسی طرح تین راتیں غار میں گزریں۔

صبح کو قریش کی آنکھیں کھلیں تو پلنگ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے حضرت علیؓ تھے۔ ظالموں نے آپ کو پکڑ کر اور حرم میں لے جا کر تھوڑی دیر محبوس رکھا اور چھوڑ دیا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار کے دہانہ تک آ گئے۔ آہٹ پا کر حضرت ابوبکرؓ غمزدہ ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ

"اب دشمن اس قدر قریب آ گئے ہیں کہ اگر اپنے قدم پر ان کی نظر پڑ جائے تو ہم کو دیکھ لیں گے"

آپؐ نے فرمایا:

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔ (توبہ) گھبراؤ نہیں خدا ہمارے ساتھ ہے۔

چوتھے دن آپؐ غار سے نکلے۔ عبداللہ بن اریقط ایک کافر جس پر اعتماد تھا رہنمائی کے لئے اجرت پر مقرر کر لیا گیا۔ وہ آگے آگے راستہ بتاتا جاتا تھا۔ ایک رات دن برابر چلے گئے۔ دوسرے دن دوپہر کے وقت دھوپ سخت ہو گئی تو حضرت ابوبکرؓ نے چاہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سایہ میں آرام فرمائیں۔ چاروں طرف نظر ڈالی۔ ایک چٹان کے نیچے سایہ نظر آیا۔ سواری سے اتر کر زمین جھاڑی پھر اپنی چادر بچھا دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آرام فرمایا تو یہ تلاش میں نکلے کہ کہیں کچھ کھانے کو مل جائے تو لائیں۔ پاس ہی ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا۔ اس سے کہا ایک بکری کا تھن گرد و غبار سے صاف کر دے۔ پھر اس کے ہاتھ صاف کرائے اور دودھ دوہا۔ برتن کے منہ پر کپڑا لپیٹ دیا کہ گرد نہ پڑنے پائے۔ دودھ لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور تھوڑا سا پانی ملا کر پیش کیا۔ آپؐ نے پی کر فرمایا:

Marfat.com

"کیا ابھی چلنے کا وقت نہیں آیا؟"

ب اب ڈھل چکا تھا، اس لئے آپؐ وہاں سے روانہ ہوئے۔

قریش نے اشتہار دیا تھا کہ جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا ابوبکرؓ کو گرفتار کر کے لائے گا اُس یک خوں بہا کے برابر (یعنی سو اونٹ) انعام دیا جائے گا۔ سُراقہ بن جعشمؓ نے سُنا تو انعام کی امید نکلا۔ عین اس حالت میں آپؐ روانہ ہو رہے تھے اُس نے آپؐ کو دیکھ لیا اور گھوڑا دوڑا کر قریب لیکن گھوڑے نے ٹھوکر کھائی، وہ گر پڑا۔ ترکش سے فال کے تیر نکالے کہ حملہ کرنا چاہئے یا ں۔ جواب میں "نہیں" نکلا۔ لیکن سو اونٹوں کا گراں بہا معاوضہ ایسا نہ تھا کہ تیر کی بات مان لی جاتی۔ بارہ گھوڑے پر سوار ہوا اور آگے بڑھا۔ اب کے گھوڑے کے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس ۔ گھوڑے سے اتر پڑا اور پھر فال دیکھی۔ اب بھی وہی جواب تھا لیکن مکرر تجربہ نے اس کی ہمت ت کر دی اور یقین ہو گیا کہ یہ کچھ اور آثار ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر قریش کے تہار کا واقعہ سنایا اور درخواست کی کہ مجھ کو امن کی تحریر لکھ دیجئے۔ حضرت ابوبکرؓ کے غلام ر بن فہیرہ نے چمڑے کے ٹکڑے پر فرمان امن لکھ دیا۔

حسن اتفاق یہ کہ حضرت زبیرؓ شام سے تجارت کا سامان لے کر آ رہے تھے۔ انہوں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں چند بیش قیمت کپڑے پیش کئے جو اس بے وسامانی میں غنیمت تھے۔

ابن سعد نے طبقات میں اس مقدس سفر کی تمام منزلیں گنائی ہیں۔ اگرچہ عرب کے نقشوں میں ج ان کا نشان نہیں ملتا تاہم عقیدت مند صرف نام سے لذت یاب ہو سکتے ہیں — خرار، ثنیۃ المراۃ، لقف، مدلجۃ، مرجح، حداید، اذاخر، رابغ (یہ مقام آج بھی حجاج کے رستے میں آتا ہے۔ یہاں آپؐ نے مغرب کی نماز پڑھی) ذاسلم، عثانیۃ، قاحد، عرج، جدوات، رکوبۃ، عقیق، جثجاثۃ۔

لہ سیرۃ کی بعض متداول کتابوں میں سُراقہ بن مالک لکھا ہے۔ مؤلف مرحوم نے حاشیے میں لکھا ی ہے کہ سُراقہ بعد میں مسلمان ہو گئے۔ جب ایران فتح ہوا اور کسریٰ کے زیورات لوٹ میں آئے تو حضرت عمرؓ نے ان ہی کو وہ زیورات پہنا کر عالم کی نیرنگی کا تماشا دیکھا۔ (مرتب)

Marfat.com

تشریف آوری کی خبر پہلے مدینہ پہنچ چکی تھی۔ تمام شہر ہمہ تن چشم انتظار تھا۔ معصوم بچے جوش سے کہتے پھرتے تھے کہ

"پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آرہے ہیں۔"

لوگ ہر روز تڑکے سے نکل نکل کر شہر کے باہر جمع ہوتے اور دوپہر تک انتظار کر کے حسرت کے ساتھ واپس چلے آتے۔ ایک دن انتظار کر کے واپس جا چکے تھے کہ ایک یہودی نے قلعہ سے دیکھا اور قرائن سے پہچان کر پکارا کہ

"اہل عرب — لو تم جس کا انتظار کرتے تھے آگیا۔"

تمام شہر تکبیر کی آواز سے گونج اٹھا۔ انصار ہتھیار سج سج کر بیتابانہ گھروں سے نکل آئے۔ مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلے پر جو بالائی آبادی ہے اُس کو عالیہ اور قبا کہتے ہیں۔ یہاں انصار کے بہت سے خاندان آباد تھے۔ ان میں سب سے زیادہ ممتاز عمرو بن عوف کا خاندان تھا اور کلثوم بن الہدم خاندان کے افسر تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہاں پہنچے تو تمام خاندان نے جوش مسرت میں اللہ اکبر کا نعرہ مارا۔ یہ فخر اُن کی قسمت میں تھا کہ میزبان دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی کی مہمانی قبول کی۔ انصار ہر طرف سے جوق در جوق آتے اور جوش عقیدت کے ساتھ سلام عرض کرتے۔

اکثر اکابر صحابہؓ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مدینہ میں آچکے تھے وہ بھی ان ہی کے گھر اترے تھے۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ، مقدادؓ، خبابؓ، سہیلؓ، صفوانؓ، عیاضؓ، عبداللہؓ بن مخرمتہ، وہبؓ بن سعد، عمرؓ بن ابی سرح، عمیرؓ بن عوف اب تک ان ہی کے مہمان تھے۔ جناب علیؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روانہ ہونے کے تین دن بعد مکہ سے چلے تھے۔ وہ بھی آگئے اور یہیں ٹھہرے۔ تمام مؤرخین اور ارباب سیر لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں صرف چار دن قیام فرمایا لیکن صحیح بخاری میں چودہ دن ہے اور یہی قرین قیاس ہے۔

یہاں آپ کا پہلا کام مسجد کا تعمیر کرانا تھا۔ حضرت کلثومؓ کی ایک افتادہ زمین تھی جہاں کھجوریں سکھائی جاتی تھیں۔ یہیں دست مبارک سے مسجد کی بنیاد ڈالی۔ مسجد کی تعمیر میں مزدوروں کے ساتھ آپ خود بھی کام کرتے تھے۔ بھاری بھاری پتھروں کو اٹھاتے وقت جسم مبارک خم ہو جاتا

Marfat.com

عقیدت مند آتے اور عرض کرتے:

"ہمارے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں۔ آپؐ چھوڑ دیں ہم اٹھا لیں گے۔"

آپؐ ان کی درخواست قبول فرماتے لیکن اسی وزن کا دوسرا پتھر اٹھا لیتے۔

حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ شاعر تھے۔ وہ بھی مزدوروں کے ساتھ شریک تھے اور جس طرح مزدور کام کرنے کے وقت تھکن مٹانے کو گاتے جاتے ہیں وہ بھی اشعار پڑھتے جاتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر ہر قافیہ کے ساتھ آواز ملاتے جاتے تھے۔

قبا میں آپؐ کا داخلہ اسلام کے دور خاص کی ابتدا ہے۔ اس لئے مؤرخین نے اس تاریخ کو زیادہ اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھا ہے۔ اکثر مؤرخین کا اتفاق ہے کہ یہ ۸ ربیع الاول ۱۳ نبوی (مطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء) تھی۔ (محمد ابن) موسیٰ خوارزمی نے لکھا ہے کہ جمعرات کا دن اور فارسی ماہ تیر کی چوتھی تاریخ اور رومی ماہ ایلول ۹۲۲ھ اسکندری کی دسویں تاریخ تھی۔

چودہ دن کے بعد (جمعہ کو) آپؐ شہر کی طرف تشریف فرما ہوئے۔ (راہ میں بنی سالم کے محلہ میں نماز کا وقت آگیا۔ جمعہ کی نماز یہیں ادا فرمائی۔ نماز سے پہلے خطبہ دیا۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی نماز جمعہ اور سب سے پہلا خطبۂ نماز تھا۔ لوگوں کو جب تشریف آوری کی خبر معلوم ہوئی تو ہر طرف سے جوش مسرت میں پیش قدمی کے لئے دوڑ پڑے) آپؐ کے ننہالی رشتہ دار بنو نجار ہتھیار سج سج کر آئے۔ قبا سے مدینہ تک دو رویہ جاں نثاروں کی صفیں تھیں۔ راہ میں انصار کے خاندان آتے تھے۔ ہر قبیلہ سامنے آ کر عرض کرتا:

"حضور! یہ گھر ہے — یہ مال ہے — یہ جان ہے۔"

آپؐ منت کا اظہار فرماتے اور دعائے خیر دیتے۔ شہر قریب آگیا تو جوش کا یہ عالم تھا کہ پردہ نشین خاتونیں چھتوں پر نکل آئیں اور گانے لگیں:۔

چاند نکل آیا ہے
کوہ وداع کی گھاٹیوں سے
ہم پر خدا کا شکر واجب ہے
جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں۔

Marfat.com

معصوم لڑکیاں دف بجا بجا کر گاتی تھیں :-

ہم خاندانِ نجار کی لڑکیاں ہیں ــــــ !

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا اچھا ہمسایہ ہے

آپؐ نے ان لڑکیوں کی طرف مخاطب کر کے فرمایا :

"کیا تم مجھ کو چاہتی ہو ؟"

بولیں :

"ہاں ــــ !"

فرمایا کہ :

"میں بھی تم کو چاہتا ہوں"

جہاں اب مسجد نبوی ہے اس سے متصل حضرت ابوایوبؓ انصاری کا گھر تھا کہ کوکبۂ نبوی یہاں پہنچا۔ سخت کشمکش تھی کہ آپؐ کی میزبانی کا شرف کس کو حاصل ہو! قرعہ ڈالا گیا اور آخر یہ دولت حضرت ابوایوبؓ کے حصہ میں آئی۔

حضرت ابوایوبؓ کا مکان دو منزلہ تھا۔ انہوں نے بالائی منزل پیش کی لیکن آپؐ نے زائرین کی آسانی کے لئے نیچے کا حصہ پسند فرمایا۔ ابوایوبؓ دو وقت آپؐ کی خدمت میں کھانا بھیجتے اور آپ جو چھوڑ دیتے ابوایوبؓ اور اُن کی زوجہ کے حصہ میں آتا۔ کھانے میں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کا نشان پڑا ہوتا ابوایوبؓ بھی تبرکاً وہیں انگلیاں ڈالتے۔ ایک دن اتفاق سے بالائی منزل میں پانی کا برتن ٹوٹ گیا۔ اندیشہ ہوا کہ پانی بہہ کر نیچے جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہو۔ گھر میں اوڑھنے کا صرف ایک لحاف تھا۔ حضرت ابوایوبؓ نے اس کو ڈال دیا کہ پانی جذب ہو کر رہ جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سات مہینے تک یہیں قیام فرمایا۔ اس اثنا میں جب مسجد نبوی اور آس پاس کے حجرے تیار ہو گئے تو آپؐ نے نقل مکان فرمایا۔ تفصیل آگے آتی ہے۔

مدینہ میں آکر آپؐ نے حضرت زیدؓ (اور اپنے غلام ابورافع) کو دو اونٹ اور پانسو درہم دے کر بھیجا کہ مکہ جا کر صاحبزادیوں اور حرم نبوی کو لے آئیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بیٹے

Marfat.com

عبداللہ کو لکھا کہ وہ بھی اپنی ماں اور بہنوں کو لے کر چلے آئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں سے صرف رقیہؓ حضرت عثمانؓ کے ساتھ حبش میں تھیں۔ حضرت زینبؓ کو ان کے شوہر نے آنے نہ دیا۔ زیدؓ صرف حضرت فاطمۃ الزہراؓ (اور حضرت ام کلثومؓ) اور حضرت سودہؓ (زوجہ محترم نبویؐ) کو لے کر آئے۔ حضرت عائشہؓ اپنے بھائی عبداللہ کے ساتھ آئیں۔

Marfat.com

مسجدِ نبوی اور ازواجِ مطہرات

کے حجروں کی تعمیر

مدینہ میں قیام کے بعد سب سے پہلا کام ایک خانۂ خدا کی تعمیر تھی۔ اب تک یہ معمول تھا کہ مویشی خانہ میں (یا جہاں موقع ملتا تھا) آپ نماز پڑھا کرتے تھے۔ دولت کدہ کے قریب خاندانِ نجار کی زمین تھی جس میں کچھ قبریں تھیں، کچھ کھجور کے درخت تھے۔ آپؐ نے ان لوگوں کو بلا کر فرمایا:

"میں یہ زمین بہ قیمت لینا چاہتا ہوں۔"

وہ بولے کہ

"ہم قیمت لیں گے لیکن آپؐ سے نہیں بلکہ خدا سے۔"

چونکہ اصل میں وہ زمین دو یتیم بچوں کی تھی آپؐ نے خود ان یتیموں کو بلا بھیجا۔ ان بچوں نے بھی اپنی کائنات نذر کرنی چاہی لیکن آپؐ نے گوارا نہ کیا۔ حضرت ابوایوبؓ نے قیمت ادا کی۔ قبریں اکھڑوا کر زمین ہموار کر دی گئی اور مسجد کی تعمیر شروع ہوئی۔ شہنشاہِ دوعالمؐ پھر مزدوروں کے لباس میں تھے۔ صحابہ پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے اور یہ رجز پڑھتے جاتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُن کے ساتھ آواز ملاتے اور فرماتے:

اے خدا کامیابی صرف عاقبت کی کامیابی ہے

اے خدا مہاجرین اور انصار کو بخش دے

یہ مسجد ہر قسم کے تکلفات سے بری اور اسلام کی سادگی کی تصویر تھی۔ یعنی کچی اینٹوں

دیواریں، برگ خرما کا چھپر، کھجور کے ستون تھے۔ قبلہ بیت المقدس کی طرف رکھا گیا لیکن جب بدل کر کعبہ کی طرف ہو گیا تو شمالی جانب ایک اور دروازہ قائم کر دیا گیا۔ فرش چونکہ بالکل خام تھا بارش میں کیچڑ ہو جاتی تھی۔ ایک دفعہ صحابہ نماز کے لئے آئے تو کنکریاں لیتے آئے اور اپنی اپنی نشست گاہ پر بچھا لیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا اور سنگریزوں کا فرش بنوا دیا۔

مسجد کے ایک سرے پر مسقف چبوترہ تھا جو صُفّہ کہلاتا تھا۔ یہ اُن لوگوں کے لئے تھا جو اسلام لاتے تھے اور گھر بار نہیں رکھتے تھے۔

مسجد نبوی جب تعمیر ہو چکی تو مسجد سے متصل ہی آپؐ نے ازواج مطہراتؓ کے لئے مکان بنوائے۔ اس وقت تک حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہؓ عقد نکاح میں آ چکی تھیں۔ اس لئے دو ہی حجرے بنے۔ جب اور ازواج آ گئیں تو اور مکانات بنتے گئے۔ یہ مکان کچی اینٹوں کے تھے ان میں سے پانچ کھجور کی ٹٹیوں سے بنے تھے۔ جو حجرے اینٹوں کے تھے اُن کے اندرونی حجرے بھی ٹٹیوں کے تھے۔ ترتیب یہ تھی کہ حضرت ام سلمہؓ، حضرت ام حبیبہؓ، حضرت زینبؓ، حضرت جویریہؓ، حضرت میمونہؓ، حضرت زینبؓ بنت جحش کے مکانات شامی جانب تھے اور حضرت عائشہؓ، حضرت صفیہؓ، حضرت سودہؓ مقابل جانب تھیں۔ یہ مکانات مسجد سے اس قدر متصل تھے کہ جب آپؐ مسجد میں اعتکاف میں ہوتے تو مسجد سے سر نکال دیتے اور ازواج مطہرات گھر میں بیٹھے بیٹھے آپؐ کے بال دھو دیتیں۔

یہ مکانات چھ چھ سات سات ہاتھ چوڑے اور دس دس ہاتھ لانبے تھے۔ چھت اتنی اونچی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو چھو لیتا تھا۔ دروازوں پر کمبل کا پردہ پڑا رہتا تھا۔ راتوں کو چراغ نہیں جلتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسایہ میں جو انصار رہتے تھے ان میں حضرت سعدؓ بن معاذ حضرت عمارہؓ بن حزم اور حضرت ابو ایوبؓ رئیس اور دولت مند تھے۔ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دودھ بھیج دیا کرتے تھے اور اسی پر آپؐ بسر فرماتے تھے۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ نے التزام کر لیا تھا کہ رات کے کھانے پر ہمیشہ اپنے ہاں سے ایک بڑا بادیہ بھیجا کرتے تھے۔

Marfat.com

جس میں کبھی سالن، کبھی گھی ہوتا تھا۔ حضرت انس رضؓ کی ماں حضرت ام انس رضؓ نے اپنی جائداد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرما کر اپنی دایہ ام ایمن کو دے دی اور خود فقر و فاقہ اختیار فرمایا۔

Marfat.com

اذان کی ابتدار

اسلام کی تمام عبادات کا اصل مرکز وحدت و اجتماع ہے۔ اس وقت تک کسی خاص علامت کے نہ ہونے کی وجہ سے باجماعت نماز کا کوئی انتظام نہ تھا۔ لوگ وقت کا اندازہ کر کے آتے تھے اور نماز پڑھتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پسند نہ تھا۔ آپ نے ارادہ فرمایا کہ کچھ لوگ مقرر کر دیئے جائیں، جو وقت پر لوگوں کو گھروں سے بلا لائیں، لیکن اس میں زحمت تھی۔ صحابہ کو بلا کر مشورہ کیا۔ لوگوں نے مختلف رائیں دیں۔ کسی نے کہا، نماز کے وقت مسجد پر ایک علم کھڑا کر دیا جائے۔ لوگ دیکھ دیکھ کر آتے جائیں گے۔ آپ نے یہ طریقہ ناپسند فرمایا۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے یہاں اعلان نماز کے جو طریقے تھے وہ بھی آپ کی خدمت میں عرض کئے گئے لیکن آپ نے حضرت عمرؓ کی رائے پسند کی اور حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ اذان دیں۔ اس طرح ایک طرف تو نماز کی اطلاع عام ہو جاتی تھی، اور دوسری طرف دن میں پانچ دفعہ دعوتِ اسلام کا اعلان ہو جاتا تھا۔

لہ علامہ سید سلیمان ندوی نے اپنے حاشیے میں لکھا ہے کہ تمام روایات اور علماء کی تحقیقات کو سامنے رکھنے سے مسئلہ کی صحیح صورت یہ معلوم ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ ایک آدمی کو بھیجا جائے جو پکار کر نماز کا اعلان کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی رائے کو پسند فرمایا اور الصلوٰۃ جامعۃ کے لفظ سے اس کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور دوسرے صحابہؓ نے خواب میں مروجہ الفاظ کے ساتھ اذان کو سنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منجانب اللہ سمجھ کر قبول فرمایا اور وہ اذان کے مطابق اذان مروجہ جاری فرمائی گئی۔ ملاحظہ ہو سیرت النبیؐ جلد اول۔ (مرتب)

مواخاۃ

مہاجرین مکہ معظمہ سے بالکل بے سروسامان آئے تھے۔ گو ان میں دولت مند اور خوشحال
تھے لیکن کافروں سے چھپ کر نکلے تھے اس لئے کچھ ساتھ نہ لا سکے تھے۔

اگرچہ مہاجرین کے لئے انصار کا گھر مہمان خانہ عام تھا تاہم ایک مستقل انتظام کی ضرو
تھی۔ مہاجرین نذر اور خیرات پر بسر کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ دست و بازو سے کام لینے
خوگر تھے۔ تاہم چونکہ بالکل ناگھرے تھے اور ایک حبہ تک پاس نہ تھا۔ اس لئے آنحضرت صلی
علیہ وسلم نے خیال فرمایا کہ انصار اور ان میں رشتۂ اخوت قائم کر دیا جائے۔ جب مسجد کی تعمیر
ہو چکی تو آپؐ نے انصار کو طلب فرمایا۔ حضرت انسؓ بن مالک جو اس وقت دس سالہ تھے ان
مکان میں لوگ جمع ہوئے۔ مہاجرین کی تعداد پینتالیس تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان
کی طرف خطاب کر کے فرمایا:

"یہ تمہارے بھائی ہیں۔"

پھر مہاجرین اور انصار میں سے دو دو شخص کو بلا کر فرماتے تھے کہ یہ اور تم بھائی بھا
ہو اور اب وہ درحقیقت بھائی بھائی تھے۔ انصار نے مہاجرین کو ساتھ لے جا کر گھر کی ایک
ایک چیز کا جائزہ دے دیا کہ آدھا آپ کا اور آدھا ہمارا ہے۔ سعدؓ بن الربیع جو عبدالرحمنؓ بن
عوف کے بھائی قرار پائے۔ ان کی دو بیویاں تھیں۔ عبدالرحمنؓ سے کہا کہ ایک کو میں طلاق دیتا ہوں
آپ اس سے نکاح کر لیجئے لیکن انہوں نے احسانمندی کے ساتھ انکار کر دیا۔

انصار کا مال و دولت جو کچھ تھا نخلستان تھے۔ روپے پیسے تو اس زمانے میں تھے نہیں انہ
نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ یہ باغ ہمارے بھائیوں میں برابر تقسیم کر

Marfat.com

دیئے جائیں۔ مہاجرین تجارت پیشہ تھے اور اس وجہ سے کھیتی کے فن سے بالکل نا آشنا تھے۔ اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی طرف سے انکار کر دیا۔ انصار نے کہا سب کاروبار ہم خود انجام دے لیں گے، جو کچھ پیداوار ہو گی اس میں نصف حصہ مہاجرین کا ہو گا۔ مہاجرین نے اس کو منظور کیا۔

یہ رشتہ بالکل حقیقی رشتہ بن گیا۔ کوئی انصاری مرتا تھا تو اُس کی جائداد اور مال مہاجر کو ملتا تھا اور بھائی بند محروم رہتے۔ جنگ بدر کے بعد جب مہاجرین کو اعانت کی ضرورت نہ رہی تو یہ آیت اتری:

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى	ارباب قرابت ایک دوسرے سے
بِبَعْضٍ (انفال — ۱۰)	زیادہ حقدار ہیں۔

اس وقت سے یہ قاعدہ جاری رہا۔

۴ھ میں بنونضیر جب جلاوطن ہوئے اور ان کی زمین اور نخلستان جب قبضہ میں آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو بلا کر فرمایا کہ:

"مہاجرین نادار ہیں۔ اگر تمہاری مرضی ہو تو نئے مقبوضات تنہا ان کو دے دیئے جائیں اور تم اپنے نخلستان واپس لے لو۔"

انصار نے عرض کی کہ:

"نہیں — ! ہمارے نخلستان بھائیوں ہی کے قبضے میں رہنے دیجئے اور نئے بھی ان ہی کو عنایت فرمائیے۔"

دنیا انصار کے اس ایثار پر ہمیشہ ناز کرے گی لیکن یہ بھی دیکھو کہ مہاجرین نے کیا کیا؟ حضرت سعد بن الربیع نے جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو ایک ایک چیز کا جائزہ دے کر نصف لے لینے کی درخواست کی تو انہوں نے کہا:

"خدا یہ سب آپ کو مبارک کرے۔ مجھ کو صرف بازار کا راستہ بتا دیجئے۔"

انہوں نے کچھ گھی کچھ پنیر خریدا اور شام تک خرید و فروخت کی۔ چند روز میں اتنا سرمایہ ہو گیا کہ شادی کر لی۔ رفتہ رفتہ ان کی تجارت کو یہ ترقی ہوئی کہ خود ان کا قول تھا کہ خاک پر ہاتھ

Marfat.com

ڈالتا ہوں مجھ کو سونا بن جاتی ہے۔ ان کا اسباب تجارت سو سو اونٹوں پر لد کر آتا تھا اور جب وہ مدینہ پہنچتا تمام شہر میں دھوم مچ جاتی۔

بعض صحابہؓ نے دکانیں کھول لیں۔ حضرت ابوبکرؓ کا کارخانہ مقام سنخ میں تھا جہاں وہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ بنو قینقاع کے بازار میں کھجور کی خرید و فروخت کرتے تھے حضرت عمرؓ بھی تجارت میں مشغول ہو گئے تھے اور شاید ان کی اس تجارت کی وسعت ایران تک پہنچ گئی تھی۔ اور صحابہ نے بھی اسی قسم کی چھوٹی بڑی تجارت شروع کر دی تھی۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ پر لوگوں نے جب کثرت روایت کی بنا پر اعتراض کیا کہ اور صحابہ تو اس قدر روایت نہیں کرتے تو انہوں نے کہا:

"اس میں میرا کیا قصور ہے۔ اور لوگ بازار میں تجارت کرتے تھے اور میں رات دن بارگاہ نبوتؐ میں حاضر رہتا تھا۔"

پھر جب خیبر فتح ہوا تو تمام مہاجرین نے یہ نخلستان انصار کو واپس کر دیئے۔

مہاجرین کے لئے مکانات کا یہ انتظام ہوا کہ انصار نے اپنے گھروں کے آس پاس جو افتادہ زمینیں تھیں ان کو دے دیں اور جن کے پاس زمین نہ تھی انہوں نے اپنے مسکونہ مکانات دے دیئے۔ سب سے پہلے حضرت حارثہؓ بن نعمان نے اپنی زمین پیش کی۔ بنو زہرہ مسجد نبویؐ کے عقب میں آباد ہوئے۔ حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف نے یہاں ایک قلعہ (جس کو گڑھی کہنا زیادہ موزوں ہوگا) بنوایا۔ حضرت زبیرؓ بن العوام کو ایک وسیع زمین ہاتھ آئی۔ حضرت عثمانؓ، حضرت مقدادؓ، حضرت عبیدؓ کو انصار نے اپنے مکانات کے پہلو میں زمینیں دیں۔

مواخاۃ کے رشتہ سے جو لوگ آپس میں بھائی بھائی بنے ان میں سے بعض حضرات کے نام یہ ہیں:۔

مہاجرین	انصار
حضرت ابوبکرؓ	حضرت خارجہؓ بن زید انصاری
حضرت عمرؓ	حضرت عتبانؓ بن مالک انصاری
حضرت عثمانؓ	حضرت اوسؓ بن ثابت انصاری

حضرت ابو عبیدہؓ جراح	حضرت سعدؓ بن معاذ انصاری
حضرت زبیرؓ بن العوام	حضرت سلامہؓ بن وقش
حضرت مصعبؓ بن عمیر	حضرت ابو ایوبؓ انصاری
حضرت عمارؓ بن یاسر	حضرت حذیفہؓ بن یمان
حضرت ابو ذرؓ غفاری	حضرت منذرؓ بن عمرو
حضرت سلمانؓ فارسی	حضرت ابو درداءؓ
حضرت بلالؓ	حضرت ابو ردیجہؓ
حضرت ابو حذیفہؓ بن عتبہ بن ربیعہ	حضرت عبادؓ بن بشر
حضرت سعیدؓ بن زید بن عمرو بن نفیل	حضرت ابیؓ بن کعب

صُفہ اور اصحابِ صُفہ

اصحابِ صفہ اسلامی لغت کا ایک متداول لفظ ہے۔ گو اس کی حقیقت سے لوگ اچھی طرح واقف نہیں۔ صُفہ سائبان کو کہتے ہیں۔ یہ ایک سائبان تھا جو مسجد نبویؐ کے ایک کنارے پر مسجد سے ملا ہوا تیار کیا گیا تھا۔ صحابہ میں اکثر تو مشاغل دینی کے ساتھ ہر قسم کے کاروبار یعنی تجارت وغیرہ بھی کرتے تھے لیکن چند لوگوں نے اپنی زندگی صرف عبادت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت پذیری پر صرف کر دی تھی۔ ان لوگوں کے بال بچے نہ تھے اور جب شادی کر لیتے تو اس حلقہ سے نکل آتے تھے۔ ان میں ایک ٹولی دن کو جنگل سے لکڑیاں چن کر لاتی اور بیچ کر اپنے بھائیوں کے لئے کھانا مہیا کرتی۔

یہ لوگ دن کو بارگاہِ نبوت میں حاضر رہتے اور حدیثیں سنتے اور رات کو اسی چبوترہ (صُفہ) پر پڑ رہتے۔ حضرت ابو ہریرہؓ بھی انہی لوگوں میں تھے۔ ان میں سے کسی کے پاس چادر اور تہبند، دونوں چیزیں کبھی ایک ساتھ مہیا نہ ہو سکیں۔ چادر کو گلے سے اس طرح باندھ لیتے کہ رانوں تک لٹک آتی۔ اکثر انصار کھجور کی پھلی ہوئی شاخیں توڑ لاتے اور چھت میں لگا دیتے۔ کھجوریں جو ٹپک ٹپک کر گرتیں، یہ اٹھا کر کھا لیتے۔ کبھی دو دو دن کھانے کو نہیں ملتا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لاتے اور نماز پڑھاتے۔ یہ لوگ آ کر شریک نماز ہوتے لیکن بھوک اور ضعف سے عین نماز کی حالت میں گر پڑتے۔ باہر کے لوگ آتے اور ان کو دیکھتے، تو سمجھتے کہ دیوانے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کہیں سے صدقہ کا کھانا آتا تو مسلم ان کے پاس بھیج دیتے اور جب دعوت کا کھانا آتا تو ان کو بلا لیتے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ راتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مہاجرین اور

انصار پر تقسیم کر دیتے یعنی اپنے مقدور کے موافق ہر شخص ایک ایک دو دو کو اپنے ساتھ لے جاتے اور ان کو کھانا کھلاتے۔

حضرت سعدؓ بن عبادہ نہایت فیاض اور دولت مند تھے۔ وہ کبھی کبھی اسی اسی مہمانوں کو اپنے ساتھ لے کر جاتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ جب ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت فاطمہ زہراؓ نے درخواست کی کہ میرے ہاتھوں میں چکی پیستے پیستے نیل پڑ گئے ہیں مجھ کو ایک کنیز عنایت ہو تو فرمایا کہ

"یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تم کو دوں اور صفہ والے بھوکے رہیں"

راتوں کو عموماً یہ لوگ عبادت کرتے اور قرآن مجید پڑھا کرتے۔ ان کے لئے ایک معلم مقرر تھا۔ اس کے پاس جا کر پڑھتے۔ اس بنا پر ان میں سے اکثر قاری کہلاتے تھے۔ دعوتِ اسلام کے لئے کہیں بھیجنا ہوتا تو یہ لوگ بھیجے جاتے تھے۔ غزوہ معونہ میں ان ہی میں سے ستر آدمی اسلام سکھلانے کے لئے بھیجے گئے تھے۔

ان کی تعداد گھٹتی اور بڑھتی رہتی تھی۔ کل مجموعی تعداد چار سو تک پہنچی تھی لیکن کبھی ایک زمانہ میں اس قدر تعداد نہیں ہوئی تھی، نہ صفہ میں اس قدر گنجائش تھی۔

Marfat.com

مدینہ کے یہود اور ان سے معاہدہ

(مؤرخین عرب کا بیان ہے کہ مدینہ کے یہود نسلاً یہودی تھے اور اس تقریب سے عرب میں آئے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو عمالقہ کے مقابلہ کے لئے بھیجا تھا۔ لیکن تاریخی قرائن سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ یہود گو تمام دنیا میں پھیلے لیکن انہوں نے اپنے نام کہیں نہیں بدلے۔ آج بھی وہ جہاں ہیں اسرائیلی نام رکھتے ہیں بخلاف اس کے عرب کے یہودیوں کے نام نضیر، قینقاع، مرحب، حارث وغیرہ ہوتے تھے جو خالص عربی نام ہیں۔ یہود عموماً بزدل اور دنی الطبع ہوتے ہیں بخلاف اس کے مدینہ کے یہود نہایت دلیر، شجاع اور بہادر تھے۔

ان قرائن عقلی کے علاوہ ایک بڑے مؤرخ (یعقوبی) نے صاف تصریح کی ہے کہ قریظہ اور نضیر عرب تھے جو یہودی بن گئے تھے۔

مؤرخ مسعودی نے بھی کتاب الاشراف والتنبیہ میں ایک اور روایت لکھی ہے کہ

"یہ جذام کے قبیلہ سے تھے۔ کسی زمانہ میں اعمالقہ سے اور ان کی بت پرستی سے بیزار ہو کر حضرت موسیٰؑ پر ایمان لائے اور شام سے نقل مکان کر کے حجاز چلے آئے۔"

تین قبیلے تھے۔ بنو قینقاع، بنو نضیر اور قریظہ۔ مدینہ کے اطراف میں آباد تھے اور انہوں نے مضبوط بلجج اور قلعے بنائے تھے۔

انصار کے جو دو قبیلے تھے یعنی اوس اور خزرج ان میں باہم جو اخیر معرکہ ہوا تھا (جنگ بعاث) اس نے انصار کا زور بالکل توڑ دیا تھا۔ یہود اس مقصد کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے تھے کہ انصار باہم متحد نہ ہونے پائیں۔

ان اسباب کی بنا پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو پہلا کام یہ تھا

کہ مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات واضح اور منضبط ہو جائیں۔ آپ نے انصار اور یہود کو بلا کر حسب ذیل شرائط پر ایک معاہدہ لکھوایا جس کو دونوں فریق نے منظور کیا۔ یہ معاہدہ ابن ہشام میں پورا مذکور ہے۔ خلاصہ یہ ہے:-

۱۔ خون بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آتا ہے اب بھی قائم رہے گا۔

۲۔ یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور ان کے مذہبی امور سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔

۳۔ یہود اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔

۴۔ یہود یا مسلمانوں کو کسی سے لڑائی پیش آئے گی تو ایک فریق دوسرے کی مدد کرے گا۔

۵۔ کوئی فریق قریش کو امان نہ دے گا۔

۶۔ مدینہ پر حملہ ہوگا تو دونوں فریق شریک یک دیگر ہوں گے۔

۷۔ کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا بھی شریک صلح ہوگا لیکن مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ ہوگی۔

واقعاتِ متفرقہ

اس سال انصار میں سے دو نہایت معزز شخصوں نے جو مقربین خاص میں تھے وفات پائی حضرت کلثوم بن ہدم اور حضرت اسعدؓ بن زرارہ۔ کلثومؓ وہ شخص ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قبا میں تشریف لائے تو ان ہی کے مکان میں ٹھہرے۔ اکثر بڑے بڑے صحابہؓ بھی ان ہی کے گھر اترے تھے۔ حضرت اسعدؓ بن زرارہ ان چھ شخصوں میں ہیں جنہوں نے سب سے پہلے مکہ میں جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور ابن سعد کی روایت کے موافق ان چھ شخصوں میں جس نے سب سے پہلے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا، یہی اسعدؓ تھے۔ یہ فخر بھی ان ہی کو حاصل ہے کہ سب سے پہلے ان ہی نے مدینہ میں آکر جمعہ کی نماز قائم کی۔

چونکہ یہ قبیلہ بنی نجار کے نقیب تھے اس لئے ان کی وفات کے بعد اس قبیلہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ان کی بجائے کوئی شخص اس منصب پر مقرر کیا جائے۔ چونکہ یہ احتمال تھا کہ کوئی شخص مقرر ہوگا تو اوروں کو رشک ہوگا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

Marfat.com

فرمایا کہ:

"میں خود تمہارا نقیب ہوں"

چونکہ آپؐ کی ننہال اسی قبیلہ میں تھی اسی لئے اور قبائل کو رشک اور منافست کا موقع نہ تھا۔

حضرت اسعدؓ کی وفات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت صدمہ ہوا۔ منافقین اور یہودنے یہ طعنہ دینا شروع کیا کہ

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر پیغمبر ہوتے تو اُن کو یہ صدمہ کیوں پہنچتا؟"

آپؐ نے سُنا تو فرمایا:

"میں اپنے لئے اور اپنے ساتھیوں کے لئے خدا کے ہاں کوئی اختیار نہیں رکھتا۔"

یہ عجیب اتفاق ہے کہ عین اسی زمانہ میں دو بڑے رئیسانِ کفر نے بھی وفات پائی۔ یعنی ولید بن المغیرة جو حضرت خالدؓ کا باپ تھا اور عاص بن وائل سہمی جس کے بیٹے حضرت عمروؓ بن عاص ہیں، جو فاتح مصر اور حضرت امیر معاویہؓ کے وزیر اعظم تھے۔

اسی زمانہ میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی ولادت ہوئی۔ ان کے والد حضرت زبیرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھیرے بھائی تھے اور ان کی والدہ (حضرت اسماءؓ) حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی اور حضرت عائشہؓ کی بے مات بہن تھیں۔ اب تک مہاجرین میں سے کسی کے اولاد نہیں ہوئی تھی اس لئے یہ مشہور ہوگیا تھا کہ یہودیوں نے جادو کر دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پیدا ہوئے، تو مہاجرین نے خوشی سے نعرہ مارا۔

اب تک نمازوں میں صرف دو رکعتیں تھیں۔ اب ظہر و عصر و عشاء میں چار چار ہوگئیں لیکن سفر کے لئے اب بھی وہی دو رکعتیں قائم رہیں۔

تحویلِ قبلہ اور آغازِ غزوات

سنہ ۲ھ

Marfat.com

تحویل قبلہ ——— شعبان ۲ھ

سلسلہ مغزوات ———

Marfat.com

تحویلِ قبلہ

شعبان سنہ ۲ھ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ میں تھے دو ضرورتیں ایک ساتھ درپیش تھیں۔ ملتِ ابراہیمؑ کی تاسیس و تجدید کے لحاظ سے کعبہ کی طرف رُخ کرنے کی ضرورت تھی لیکن یہ مشکل تھی کہ قبلہ کی جو اصلی غرض ہے یعنی امتیاز اور اختصاص، وہ نہیں حاصل ہوتی تھی۔ کیونکہ مشرکین اور کفار بھی کعبہ ہی کو اپنا قبلہ سمجھتے تھے۔ اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقامِ ابراہیم کے سامنے نماز ادا کرتے تھے جس کا رُخ بیت المقدس کی طرف تھا۔ اس طرح دونوں قبلے سامنے آجاتے تھے۔

مدینہ میں دو گروہ آباد تھے۔ مشرکین جن کا قبلہ کعبہ تھا اور اہلِ کتاب جو بیت المقدس کی سمت نماز ادا کرتے تھے۔ شرک کے مقابلہ میں یہودیت اور نصرانیت دونوں کو ترجیح تھی۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مدت یعنی (سولہ) مہینے تک بیت المقدس کی طرف نماز ادا کی لیکن جب مدینہ میں اسلام زیادہ پھیل گیا، تو اب کوئی ضرورت نہ تھی کہ اصل قبلہ چھوڑ کر دوسری طرف رُخ کیا جاتا۔ اس بنا پر یہ آیت اتری اور دفعۃً قبلہ بدل گیا۔

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ	تو اپنا منہ مسجد الحرام کی طرف پھیر دو اور
وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ	جہاں کہیں رہو اسی طرف منہ پھیرو۔
شَطْرَهُ۔	(البقرہ — ۱۸)

تحویلِ قبلہ نے یہودیوں کو سخت برہم کر دیا۔ ان کو مشرکین کے مقابلہ میں مذہبی تفوق کا دعویٰ تھا اور اسلام سے پہلے مشرکین بھی ان کے مذہبی امتیاز کے معترف تھے۔ یہاں تک کہ (جیسا ابوداؤد میں روایت ہے) جن لوگوں کی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی وہ منتیں مانتے تھے کہ بچہ زندہ

Marfat.com

رہے گا تو ہم اسے یہودی بنا لیں گے۔ اسلام نے ان کے اس مذہبی اعزاز کو صدمہ پہنچایا تھا۔ اب تک اسلام کا قبلہ بیت المقدس ہی تھا اس لئے وہ فخر کرتے تھے کہ اسلام بھی ان ہی کے قبلہ کی طرف رُخ کرتا ہے۔ جب اسلام نے قبلہ بھی بدل دیا تو اُن کی ناراضی اور برہمی کا پیالہ بالکل لبریز ہو گیا۔ انہوں نے طعنہ دینا شروع کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) چونکہ ہر بات میں ہماری مخالفت کرنا چاہتے ہیں اس لئے قبلہ بھی مخالفت کے ارادہ سے بدل دیا ہے۔ دو دِلے اور ضعیف الایمان مسلمانوں کو یہ بات کھٹکتی تھی کہ قبلہ بدلنے کی چیز نہیں اور اس سے بے استقلالی اور تزلزلِ اعتقاد کا اظہار ہوتا ہے۔ اس بنا پر قبلہ کی اصلیت اور ضرورت اور تحویل قبلہ کے مصالح کے متعلق چند آیتیں اتریں جن سے یہ مشکلیں حل ہوتی ہیں۔

ان آیتوں میں خدا نے پہلے یہ بتایا کہ قبلہ خود کوئی مقصود بالذات چیز نہیں۔ خدا کی عبادت کے لئے پورب پچھم سب برابر ہیں۔ خدا ہر جگہ ہے، ہر سمت ہے، ہر طرف ہے۔ پھر قبلہ کی تعیین کی ضرورت بتائی کہ وہ اختصاصی شعار ہے اور اصلی اور نمائشی مسلمانوں کو الگ کر دیتا ہے۔ بہت سے یہودی تھے جو منافقانہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے اور مسلمانوں کے ساتھ نماز میں بھی شرکت کرتے تھے۔ یہ اسلام کے لئے مارِ آستین تھے لیکن جب قبلہ بیت المقدس کی بجائے کعبہ سے بدل گیا تو نفاق کا راز بالکل فاش ہو گیا۔ کوئی یہودی کسی طرح یہ گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ جو چیز اس کی قومیت، مذہب بلکہ اس کی ہستی کی بنیاد ہے (یعنی بیت المقدس) اسی سے اس کا رشتہ ٹوٹ جائے۔ پھر دوبارہ خدا نے اس نکتہ کو زیادہ واضح کر دیا کہ کسی خاص قبلہ کی طرف رُخ کرنا اصلی ثواب نہیں بلکہ ثواب درحقیقت ایمان اور اعمال صالحہ کا نام ہے۔

Marfat.com

سلسلۂ غزوات

عام خیال یہ ہے کہ اسلام جب تک مکہ میں تھا مصائب گوناگوں کا آماجگاہ تھا۔ مدینہ میں آکر اس کی کلفتیں دور ہوئیں۔ مگر یہ خیال صحیح نہیں۔ مکہ میں جو مصیبت تھی گو سخت تھی لیکن تنہا اور منفرد تھی، مدینہ میں آکر وہ متعدد اور گوناگوں بن گئی۔ مکہ کل ایک قوم تھا، مدینہ میں انصار کے ساتھ یہود بھی تھے جو عادات، خصائل، مذہب اور دیانت میں انصار سے بالکل مختلف اور ان کے حریف مقابل تھے۔ اس پر ایک تیسری قسم (منافقین) کا اضافہ ہوا جو مار آستین ہونے کی وجہ سے دونوں سے زیادہ خطرناک تھے۔ مکہ اگر قابو میں آجاتا تو حرم کی وسعت اثر کی وجہ سے تمام عرب کی گردنیں خم ہو جاتیں لیکن مدینہ کا اثر چار دیواری تک محدود تھا۔ مدینہ اب تک بیرونی خطرات سے بالکل مطلق تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیامگاہ ہونے نے اس کو قریش کے غیظ و غضب کا تاراج گاہ بنا دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے چلے آئے تو چند ہی روز کے بعد قریش نے عبداللہ ابن ابی کو، جو واقعۂ ہجرت کے قبل رئیس الانصار تھا اور انصار نے اس کی تاجپوشی کی شاہانہ رسم ادا کرنے کے لئے تیاری کر لی تھی، خط لکھا جس کے الفاظ یہ تھے:۔

"تم نے ہمارے آدمی کو اپنے ہاں پناہ دی ہے۔ ہم خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ یا تو تم لوگ ان کو قتل کر ڈالو یا مدینہ سے نکال دو ورنہ ہم سب لوگ تم پر حملہ کریں گے اور تم کو فنا کر کے تمہاری عورتوں پر تصرف کریں گے۔"

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر معلوم ہوئی تو آپ عبداللہ کے پاس تشریف لے گئے۔ اس کو سمجھایا کہ:

Marfat.com

"کیا تم خود اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے لڑو گے؟"

چونکہ انصار اکثر مسلمان ہو چکے تھے اس لئے عبداللہ اس نکتے کو سمجھا اور قریش کے حکم کی تعمیل نہ کر سکا۔ بدر کے بعد قریش نے پھر اسی مضمون کا خط لکھا۔ چنانچہ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

تاہم قریش کی شہ سے منافقین اور یہود مدینہ کا سر پھر چکا تھا۔ اسی زمانے میں یعنی بدر سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنو الحارث بن خزرج کے محلہ میں سوار ہو کر تشریف لے گئے۔ ایک جگہ مشرکین و منافقین مدینہ، یہود اور بعض مسلمان بیٹھے تھے۔ گدھے کے چلنے سے گرد اڑی تو عبداللہ بن ابی نے منہ پر کپڑا ڈال لیا اور حقارت سے بولا:

"گرد نہ اڑاؤ"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمع کو سلام کیا اور کچھ قرآن کی آیتیں سنائیں۔ عبداللہ نے کہا:

"اے شخص! مجھ کو یہ پسند نہیں۔ اگر تمہاری بات سچ بھی ہو تو ہماری مجلس میں آکر ہم کو نہ سنا یا کرو۔ جو تمہارے پاس جائے اس سے بیان کیا کرو۔"

مسلمان اس تحقیر سے برافروختہ ہو گئے اور قریب تھا کہ کشت و خون ہو جائے آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو ٹھنڈا کیا۔

اسی زمانہ کے قریب حضرت سعد بن معاذ جو قبیلہ اوس کے رئیس الاعظم تھے عمرہ کرنے کے لئے مکہ معظمہ گئے۔ امیہ بن خلف سے اور ان سے مدت کا یارانہ تھا اور یہ تعلق اسلام کے بعد بھی قائم رہا۔ اسی تعلق سے حضرت سعدؓ اب بھی امیہ ہی کے مہمان ہو گئے۔ ایک دن وہ امیہ کو لے کر کعبہ کے طواف کو نکلے۔ اتفاق سے ابوجہل سامنے سے آگیا۔ امیہ سے اس نے پوچھا کہ

"یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟"

امیہ نے کہا:

"سعدؓ ہیں ——!"

ابوجہل نے کہا:

Marfat.com

"تم لوگوں نے صابیوں (کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل اسلام کو صابی یعنی مرتد کہتے تھے) کو پناہ دی ہے۔ میں کبھی یہ نہیں دیکھ سکتا کہ تم کعبہ میں آسکو۔ خدا کی قسم اگر تم امیہ کے ساتھ نہ ہوتے تو بچ کر واپس نہیں جا سکتے تھے۔

حضرت سعدؓ نے کہا:

"اگر تم نے ہم کو حج سے روکا تو ہم تمہارا مدینہ کا راستہ روک دیں گے (یعنی شام کی تجارت کا راستہ)"

حرم کی تولیت اور مجاورت کی وجہ سے تمام عرب قریش کا احترام کرتا تھا اور مکہ سے مدینہ تک جو قبائل پھیلے ہوئے تھے سب قریش کے زیر اثر تھے۔ اس بنا پر قریش نے تمام قبائل کو اسلام کا مخالف بنا دیا۔ ہجرت کے چھٹے سال تک یمن وغیرہ کے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں پہنچ سکتے تھے۔ چنانچہ ۵ھ میں جب بحرین سے عبدالقیس کی سفارت آئی تو لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ مضر کے قبائل ہم کو آپ تک پہنچنے نہیں دیتے۔ اس لیے ہم ایام حج میں جب کہ لڑائی عموماً موقوف ہو جاتی ہے آپ کی خدمت میں آسکتے ہیں۔

قریش نے ان ہی باتوں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جیسا کہ انہوں نے عبداللہ بن ابی کو لکھا تھا اس کی تیاریاں کر رہے تھے کہ مدینہ پر حملہ کر کے اسلام کا استیصال کر دیں۔ مدت تک یہ حال رہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم راتوں کو جاگ جاگ کر بسر کرتے تھے۔ صحیح نسائی میں ہے:-

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اول جب مدینہ میں آئے تو راتوں کو جاگا کرتے تھے"

صحیح بخاری باب الجہاد میں ہے کہ ایک دفعہ آپؐ نے فرمایا کہ:

"آج کوئی اچھا آدمی پہرہ دیتا"

چنانچہ حضرت سعدؓ وقاص نے ہتھیار لگا کر رات بھر پہرہ دیا۔ تب آپؐ نے آرام فرمایا۔

اس سے بڑھ کر حاکم کی روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:-

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ آئے اور انصار نے اُن کو پناہ دی، تو تمام عرب یک مانحو اُن سے لڑنے کو آمادہ ہو گئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم صبح تک ہتھیار باندھ کر سوتے تھے۔

مواہب لدنیہ اور زرقانی میں لکھا ہے کہ خدا نے ۱۲ صفر سنہ ۲ھ میں جہاد کی اجازت دی اس کی سند میں امام زہری کا قول نقل کیا ہے۔

پہلی آیت جو قتال کی اجازت میں نازل ہوئی وہ یہ ہے۔ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ ۔۔۔ الخ یعنی جن سے لڑائی کی جاتی ہے (مسلمان) ان کو بھی اب لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم کیا جا رہا ہے اور خدا ان کی مدد پر یقیناً قادر ہے۔

تفسیر ابن جریر میں ہے کہ قتال کے متعلق سب سے پہلے جو آیت نازل ہوئی وہ یہ ہے:۔

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ۔ اور خدا کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔ (بقرہ ۔ ع ۲۴)

بہرحال واقعہ یہ ہے کہ مدینہ میں آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلا کام حفاظت خود اختیاری کی تدبیر تھی۔ نہ صرف اپنی اور مہاجرین کی بلکہ انصار کی بھی۔ کیونکہ اس جرم میں کہ انصار نے مسلمانوں کو پناہ دی ہے قریش نے مدینہ کی بربادی کا فیصلہ کر لیا اور اپنے تمام قبائل متحدہ میں یہ آگ بھڑکا دی تھی۔ اس بنا پر آپ نے دو تدبیریں اختیار کیں۔ اول یہ کہ قریش کی شامی تجارت جو ان کا مایۂ غرور تھی بند کر دی جائے تاکہ وہ صلح پر مجبور ہو جائیں اور یاد ہوگا کہ حضرت سعد بن معاذ نے مکہ میں ابو جہل کو اسی کی دھمکی دی تھی۔ دوسرے یہ کہ مدینہ کے قرب و جوار کے جو قبائل ہیں ان سے امن و امان کا معاہدہ ہو جائے۔

بدر سے پہلے جو مہمیں بھیجی گئیں

غرض ان حالات کی بنا پر غزوہ بدر سے پہلے سو سو پچاس پچاس کی ٹکڑیاں مکہ کی طرف روانہ کی جانے لگیں۔ ابواء کی مہم سے پہلے بذات خاص آپ نے کسی مہم میں شرکت نہیں کی۔ اس ابواء کی مہم سے پہلے جو صفر سنہ ۲ھ میں واقع ہوئی اور جس میں آپ نے خود شرکت فرمائی تھی، ارباب سیر نے تین مہموں کا ذکر کیا ہے جن کو اُن کی زبان میں سریہ کہتے ہیں۔۔۔ سریۂ حمزہؓ و سریۂ عبیدہ بن حارث سریۂ سعد بن ابی وقاص۔ لیکن ان میں سے کسی مہم میں کوئی کشت و خون نہیں ہوا۔ یا بیچ بچاؤ ہو گیا یا بچ کر نکل گئے۔ ارباب سیر نے سرایا کا مقصد یہ بتایا ہے کہ یہ قریش کے تجارتی قافلہ کو چھیڑنے

کے لئے بھیجے جاتے تھے یعنی حضرت سعدؓ کی تہدید کے مطابق ان کی شامی تجارت کو بند کرنا مقصود تھا

جہینہ (معاہدوں کے لئے مہم)

اطراف کے جن قبائل کے پاس معاہدہ کے لئے مہم بھیجی گئی ان میں سب سے پہلے جہینہ کا قبیلہ ہے۔ جہینہ کا قبیلہ مدینہ سے تین منزل پر آباد تھا اور ان کا کوہستان دُور تک پھیلا ہوا تھا۔ ان سے معاہدہ ہوا کہ وہ فریقین سے یکساں تعلقات رکھیں گے یعنی دونوں سے الگ رہیں گے۔
صفر ۲ھ میں آپؐ ساٹھ مہاجرین کے ساتھ مدینہ سے نکلے اور ابواء تک گئے (جس کے قریب ہی غزوۂ ابواء یا غزوہ ودّان واقع ہوا) اور جہاں آپؐ کی والدہ ماجدہ کا مزار ہے۔ ابواء کا صدر مقام فرع ہے جو ایک وسیع قصبہ ہے اور جہاں قبیلہ مزنیہ آباد ہے۔ اور جو مدینہ سے تقریباً آٹھ منزل (اسی میل) ہے۔ یہ مدینہ کی اخیر سرحد ہے۔ ان اطراف میں قبیلہ بنو ضمرہ آباد تھا اور یہ نواح اُن کی حدودِ حکومت میں داخل تھے۔ یہاں آپؐ نے چند روز قیام کر کے بنو ضمرہ سے معاہدہ کیا جن کا سردار مخشی بن عمرو ضمری تھا۔ معاہدہ کے یہ الفاظ تھے :-

"یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر ہے بنو ضمرہ کے لئے۔ ان لوگوں کا جان اور مال محفوظ رہے گا اور جو شخص ان پر حملہ کرے گا اُس کے مقابلہ میں ان کی مدد کی جائے گی۔ بجز اس صورت کے کہ یہ لوگ مذہب کے مقابلہ میں لڑیں اور پیغمبر جب ان کو مدد کے لئے بلائیں گے تو یہ مدد کو آئیں گے۔"

تمام محدثین مغازی کی ابتدا اسی واقعہ سے کرتے ہیں۔ صحیح بخاری میں بھی اسی کو اوّل الغزوات قرار دیا ہے۔
قریباً ایک مہینہ کے بعد کرز بن جابر فہری نے جو مکہ کے رؤسا میں تھا، مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مویشی لوٹ لئے۔ اس کا تعاقب کیا گیا لیکن وہ بچ کر نکل گیا۔ (کرز بعد کو مسلمان ہوئے اور فتح مکہ میں تیہا راہ چلتے شہید ہو گئے)
جمادی الثانی یعنی اس واقعہ کے تیسرے مہینے آپؐ دو سو مہاجرین کے ساتھ مدینہ سے نکلے اور مقام ذو العشیرہ پہنچ کر بنو مدلج سے معاہدہ کیا۔ یہ مقام مدینہ سے نو منزل ینبوع کے

Marfat.com

نواح میں ہے۔

بنو مدلج بنو ضمرہ کے حلیف تھے۔ اور کیونکہ بنو ضمرہ پہلے اسلام کے معاہدہ میں داخل ہو چکے تھے اس لئے انہوں نے آسانی سے یہ شرطیں منظور کر لیں۔

چند روز کے بعد یعنی رجب سنہ ۲ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن جحشؓ کو بارہ آدمیوں کے ساتھ بطن نخلہ کی طرف بھیجا۔ یہ مقام مکہ اور طائف کے بیچ میں مکہ سے ایک شبانہ روز کی مسافت پر ہے۔ آپؐ نے حضرت عبداللہ کو ایک خط دے کر فرمایا کہ دو دن کے بعد اس کو کھولنا۔ حضرت عبداللہؓ نے خط کھولا تو لکھا تھا کہ:

"مقام نخلہ میں قیام کرو اور قریش کے حالات کا پتہ لگاؤ اور اطلاع دو۔"

اتفاق یہ کہ قریش کے چند آدمی جو شام سے تجارت کا مال لئے آتے تھے، سامنے سے نکلے۔ حضرت عبداللہؓ نے ان پر حملہ کیا۔ ان میں سے ایک شخص عمرو بن الحضرمی مارا گیا۔ دو گرفتار ہوئے اور مال غنیمت ہاتھ آیا۔ حضرت عبداللہؓ نے مدینہ میں آکر یہ واقعہ بیان کیا اور غنیمت کی چیزیں پیش کیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

"میں نے تم کو یہ اجازت نہیں دی تھی۔"

غنیمت کے قبول کرنے سے بھی آپؐ نے انکار فرمایا۔ صحابہؓ نے حضرت عبداللہؓ سے نہایت برہم ہو کر کہا:

"تم نے وہ کام کیا (قافلہ لوٹنا) جس کا تم کو حکم نہیں دیا گیا تھا اور ماہ حرام میں لڑے حالانکہ اس مہینہ میں تم کو لڑنے کا حکم نہ تھا۔"

جو لوگ گرفتار اور قتل ہوئے وہ بڑے معزز خاندان کے لوگ تھے۔ عمرو بن الحضرمی جو مقتول ہوا، عبداللہ حضرمی کا بیٹا تھا جو حرب بن امیہ (امیر معاویہؓ کے دادا) کا حلیف تھا۔ حرب قریش کا رئیس اعظم تھا اور عبدالمطلب کے بعد ریاست عام اسی کو حاصل ہوئی تھی۔ جو لوگ گرفتار ہوئے یعنی عثمان و نوفل دونوں مغیرہ کے پوتے تھے۔ مغیرہ ولید کا باپ حضرت خالدؓ کا دادا اور حرب کے بعد دوسرے درجہ کا رئیس تھا۔ اس بنا پر اس واقعہ نے تمام قریش کو مشتعل کر دیا اور ثار یعنی انتقام خون کی بنیاد قائم ہو گئی۔ معرکہ بدر کا سلسلہ اسی واقعہ سے وابستہ تھا۔

Marfat.com

غزوۂ بدر

Marfat.com

غزوۂ سویق ——— ذی الحجہ ۲ھ

حضرت فاطمہ زہراؓ کی شادی ——— ذی الحجہ ۲ھ

Marfat.com

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ

فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ط

رمضان ۲ھ

بدر ایک گاؤں کا نام ہے جہاں سال کے سال میلہ لگتا ہے۔ یہ مقام اس نقطہ کے قریب جہاں شام سے مدینہ جانے کا راستہ دشوار گزار گھاٹیوں میں سے ہو کر گزرتا ہے۔ مدینہ ...رہ سے قریباً اسی میل کے فاصلہ پر ہے۔

حملہ کے لئے سب سے بڑی ضروری چیز مصارفِ جنگ کا بندوبست تھا۔ اس لئے ...ا کے موسم میں قریش کا جو کاروانِ تجارت شام کو روانہ ہوا اس سروسامان سے روانہ ہوا ...مکہ کی تمام آبادی نے جس کے پاس جو رقم تھی کل کی کل دے دی۔

نہ صرف مرد بلکہ عورتیں جو کاروبار تجارت میں بہت کم حصہ لیتی ہیں، ان کا بھی ایک ایک ...اس میں شریک تھا۔ قافلہ ابھی شام سے روانہ نہیں ہوا تھا کہ حضرمی کے قتل کا اتفاقیہ واقعہ ...آگیا جس نے قریش کی آتش غضب کو اور بھڑکا دیا۔

اسی اثنا میں یہ غلط خبر مکہ معظمہ میں پھیل گئی کہ مسلمان قافلہ کے لوٹنے کو آرہے ہیں۔ ...ریش کے غیظ و غضب کا بادل بڑے زور شور سے اٹھا اور تمام عرب پر چھا گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو آپ نے صحابہؓ کو جمع کیا

Marfat.com

اور واقعہ کا اظہار فرمایا۔ حضرت ابوبکرؓ وغیرہ نے جاں نثارانہ تقریریں کیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ
انصار کی طرف دیکھتے تھے کیونکہ انصار نے بیعت کے وقت صرف یہ اقرار کیا تھا کہ وہ اس
تلوار اٹھائیں گے جب دشمن مدینہ پر چڑھ آئیں۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ (سردار خزرج) نے ا
کہا:

"کیا حضورؐ کا اشارہ ہماری طرف ہے؟ خدا کی قسم! آپ فرمائیں تو ہم سمندر میں کود پڑ
یہ صحیح مسلم کی روایت ہے۔ بخاری میں ہے کہ حضرت مقدادؓ نے کہا:

"ہم موسیٰؑ کی قوم کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ آپؐ اور آپؐ کا خدا جا کر لڑیں۔ ہم لوگ آ
کے، [redacted] سے، بائیں سے، سامنے سے، پیچھے سے لڑیں گے۔"

ان کی اس تقریر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ چمک اٹھا۔

غرض ۱۲۔ رمضان ۲ھ کو آپؐ تقریباً تین سو جاں نثاروں کے ساتھ شہر سے نکلے۔ ایک
چل کر فوج کا جائزہ لیا۔ جو کم عمر تھے واپس کر دیئے گئے کہ ایسے پُرخطر موقع پر بچوں کا کا
نہیں۔ عمیرؓ بن وقاص ایک کمسن بچے تھے۔ جب ان سے واپسی کا کہا گیا تو رو پڑے آخر آنحض
صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔ عمیرؓ کے بھائی حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے کمس
سپاہی کے گلے میں تلوار حمائل کی۔ اب فوج کی کل تعداد ۳۱۳ تھی جس میں ساٹھ مہاجر اور باقی
تھے۔ چونکہ غیبت کی حالت میں منافقین اور یہود کی طرف سے اطمینان نہ تھا اس لئے ابوا
بن عبدالمنذر کو مدینہ کا حاکم مقرر فرمایا۔ ان انتظامات کے بعد آپؐ بدر کی طرف بڑھے، ج
سے اہل مکہ کی آمد کی خبر تھی۔ دو خبر رساں بسیسہ اور عدی آگے روانہ کر دیئے گئے تھے
قریش کی نقل و حرکت کی خبر لائیں۔ روحا، منصرف، ذات اجذال، معلاۃ، اثیل سے گزر
ہوئے ۱۷ رمضان کو بدر کے قریب پہنچے۔ خبر رسانوں نے خبر دی کہ قریش وادی کے دوسر
سرے تک آگئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہیں رک گئے اور فوجیں اتر پڑیں۔

مکہ معظمہ سے قریش بڑے سازوسامان سے نکلے تھے۔ ہزار آدمی کی جمعیت تھی
سواروں کا رسالہ تھا۔ روسائے قریش سب شریک تھے۔ ابولہب مجبوری کی وجہ سے نہ آ
سکا تھا۔ اس لئے اپنی طرف سے اس نے قائم مقام بھیج دیا تھا۔ رسد کا یہ انتظام تھا کہ ا

Marfat.com

قریش یعنی عباس (بن مطلب) عتبہ بن ربیعہ، حارث بن عامر، نضر بن الحارث، ابوجہل، امیۃ وغیرہ باری باری ہر روز دس دس اونٹ ذبح کرتے اور لوگوں کو کھلاتے تھے۔ عتبہ بن ربیعہ جو قریش کا سب سے معزز رئیس تھا فوج کا سپہ سالار تھا۔

قریش چونکہ پہلے پہنچ گئے تھے، انہوں نے مناسب موقعوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ بخلاف اس کے مسلمانوں کی طرف چشمہ یا کنواں تک نہ تھا۔ زمین ایسی ریتلی تھی کہ اونٹوں کے پاؤں ریتی میں دھنس دھنس جاتے تھے۔ حضرت حباب بن منذر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی:

"جو مقام انتخاب کیا گیا ہے وحی کی رُو سے ہے یا فوجی تدبیر ہے؟"

ارشاد ہوا:

"وحی نہیں ہے۔"

حضرت حباب نے کہا:

"تو بہتر ہو گا کہ آگے بڑھ کر چشمہ پر قبضہ کر لیا جائے اور آس پاس کے کنوئیں بے کار کر دیئے جائیں۔"

آپ نے یہ رائے پسند فرمائی اور اسی پر عمل کیا گیا۔ تائیدِ ایزدی اور حسنِ اتفاق سے مینہ برس گیا جس سے گرد جم گئی اور جا بجا پانی کو روک کر چھوٹے چھوٹے حوض بنا لیے گئے کہ وضو اور غسل کے کام آئیں۔

پانی پر اگرچہ قبضہ کر لیا گیا لیکن ساقی کوثر صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض عام تھا، اس لئے دشمنوں کو بھی پانی لینے کی عام اجازت تھی۔ یہ رات کا وقت تھا۔ تمام صحابہؓ نے کمر کھول کھول کر رات بھر آرام کیا لیکن صرف ایک ذات تھی (ذاتِ نبویؐ) جو صبح تک بیدار اور مصروفِ دعا رہی۔ صبح ہوئی لوگوں کو نماز کے لئے آواز دی۔ بعد نماز جہاد پر وعظ فرمایا۔

قریش جنگ کے لئے بیتاب تھے تاہم کچھ نیک دل بھی تھے جن کے دل خونریزی سے لرزتے تھے۔ ان میں حکیم بن حزام (جو آگے چل کر اسلام لائے) نے سردارِ فوج عتبہ سے جا کر کہا:

"آپ چاہیں تو آج کا دن آپ کی نیک نامی کی ابدی یادگار رہ جائے۔"

Marfat.com

عتبہ نے کہا:

"کیوں کر ۔۔۔؟"

حکیم نے کہا:

"قریش کا جو کچھ مطالبہ ہے وہ صرف حضرمی کا خون ہے۔ وہ آپ کا حلیف تھا۔ آ[illegible] کا خون بہا ادا کر دیجئے۔"

عتبہ نیک نفس آدمی تھا۔ اُس نے نہایت خوشی سے منظور کیا لیکن چونکہ ابوجہل کا اتفاق [illegible] ضروری تھا حکیم، عتبہ کا پیغام لے کر گئے۔ ابوجہل ترکش سے تیر نکال کر پھیلا رہا تھا۔ [illegible] پیغام سُن کر بولا:

"ہاں عتبہ کی ہمت نے جواب دے دیا۔"

عتبہ کے فرزند ابو حذیفہؓ اسلام لا چکے تھے اور اس معرکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آئے تھے۔ اس بنا پر ابوجہل نے یہ بدگمانی کی کہ عتبہ اس لئے لڑائی سے جی چراتا ہے کہ اُس کے بیٹے پر آنچ نہ آئے۔

ابوجہل نے حضرمی کے بھائی عامر کو بلا کر کہا:

"دیکھتے ہو تمہارا خون بہا تمہاری آنکھ کے سامنے سے اُکھڑ نکلا جاتا ہے۔"

عامر نے عرب کے دستور کے مطابق کپڑے پھاڑ ڈالے اور کمر اٹھا کر "واعمراہ" کا نعرہ مارنا شروع کیا۔ اس واقعہ نے تمام فوج میں آگ لگا دی۔

عتبہ نے ابوجہل کا طعنہ سُنا تو سخت برہم ہوا اور کہا:

"میدانِ جنگ بتا دے گا کہ نامردی کا داغ کون اٹھاتا ہے۔"

یہ کہہ کر مغفر مانگا لیکن اُس کا سر اس قدر بڑا تھا کہ کوئی مغفر اُس کے سر پر ٹھیک نہ اترا۔ مجبوراً سر سے کپڑا لپیٹا اور لڑائی کے ہتھیار سجے۔

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ کو خون سے آلودہ کرنا پسند نہیں فرماتے صحابہؓ نے میدان کے کنارے ایک چھپر کا سائبان تیار کیا کہ آپ اس میں تشریف رکھیں۔ حضرت سعدؓ بن معاذ دروازہ پر تیغ بکف کھڑے ہوئے کہ کوئی ادھر نہ بڑھنے پائے۔

اگرچہ بارگاہ الٰہی سے فتح و نصرت کا وعدہ ہو چکا تھا۔ عناصر عالم آمادۂ مدد تھے۔ ملائکہ کی فوجیں ہمرکاب تھیں تاہم عالم اسباب کے لحاظ سے آپؐ نے اصول جنگ کے مطابق فوجیں مرتب کیں۔ مہاجرین کا علم حضرت مصعبؓ بن عمیر کو عنایت فرمایا۔ خزرج کے علم بردار حضرت حبابؓ ابن منذر اور اوس کے حضرت سعدؓ بن معاذ مقرر ہوئے۔

صبح ہوتے ہوتے آپؐ نے صف آرائی شروع کی۔ دست مبارک میں ایک تیر تھا اس کے اشارے سے صفیں قائم کرتے تھے کہ کوئی شخص تل بھر آگے یا پیچھے نہ رہنے پائے لڑائی میں شور و غل عام بات ہے لیکن منع کر دیا گیا کہ کسی کے منہ سے آواز تک نہ نکلنے پائے۔

اس موقع پر بھی جب کہ دشمن کی عظیم الشان تعداد مقابل تھی اور مسلمانوں کی طرف ایک آدمی بھی آکر بڑھ جاتا تو کچھ نہ کچھ مسرت ہوتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمہ تن وفا تھے۔ (حضرت) حذیفہؓ بن الیمان اور (حضرت) حسیلؓ دو صحابی کہیں سے آرہے تھے۔ راہ میں کفار نے روکا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد کو جا رہے ہو۔ انہوں نے انکار کیا اور عدم شرکت کا وعدہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو صورت حال عرض کی۔ فرمایا:

"ہم ہر حال میں وعدہ وفا کریں گے۔ ہم کو صرف خدا کی مدد درکار ہے۔"

یہ عجیب منظر تھا۔ اتنی بڑی وسیع دنیا میں توحید کی قسمت صرف چند جانوں پر منحصر تھی۔ صحیحین میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سخت خضوع کی حالت طاری تھی۔ دونوں ہاتھ پھیلا کر فرماتے تھے:

"خدایا — ! تونے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے آج پورا کر۔"

محویت اور بے خودی کے عالم میں چادر کندھے پر سے گر گر پڑتی تھی اور آپؐ کو خبر تک نہ ہوتی تھی۔ کبھی سجدے میں گرتے تھے اور فرماتے تھے:

"خدایا — ! اگر یہ چند نفوس آج مٹ گئے تو پھر قیامت تک تو پوجا نہ جائے گا۔"

اس بے قراری پر بندگانِ خاص کو رقت آگئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی:

"حضور! خدا اپنا وعدہ وفا کرے گا۔"

آنحضرت روحانی تسکین کے ساتھ

Marfat.com

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ۔ فوج کو شکست دی جائے گی اور وہ پشت پھیر دیں گے۔
(قمر۔۴)

پڑھتے ہوئے لب مبارک فتح کی پیشین گوئی سے آشنا ہوئے۔

قریش کی فوجیں اب بالکل قریب آگئیں تاہم آپ نے صحابہؓ کو پیش قدمی سے روکا اور فرمایا
"جب دشمن پاس آجائیں تو تیر سے روکو۔"

یہ معرکہ ایثار اور جانبازی کا سب سے بڑا حیرت انگیز منظر تھا۔ دونوں فوجیں سامنے آئیں تو لوگوں کو نظر آیا کہ خود اُن کے جگر کے ٹکڑے تلوار کے سامنے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے (جو اب تک کافر تھے) میدان جنگ میں بڑھے تو حضرت ابوبکرؓ تلوار کھینچ کر نکلے۔ عتبہ میدان میں آیا تو حضرت حذیفہؓ (عتبہ کے فرزند تھے) اس کے مقابلہ کو نکلے۔ حضرت عمرؓ کی تلوار ماموں کے خون سے رنگین تھی۔

لڑائی کا آغاز یوں ہوا کہ سب سے پہلے عامر حضرمی جس کو بھائی کے خون کا دعویٰ تھا آگے بڑھا۔ مہجع حضرت عمرؓ کا غلام اس کے مقابلے کو نکلا اور مارا گیا۔

عتبہ جو سردار لشکر تھا ابوجہل کے طعنہ سے سخت برہم تھا۔ سب سے پہلے وہی بھائی اور بیٹے کو لے کر میدان میں نکلا اور مبارزت طلبی کی۔ عرب میں دستور تھا کہ نامور لوگ کوئی امتیازی نشان لگا کر میدان میں جاتے تھے۔ عتبہ کے سینے پر شتر مرغ کے پر تھے۔ حضرت عوفؓ، حضرت معاذؓ، حضرت عبداللہ بن رواحہ مقابلہ کو نکلے۔ عتبہ نے نام پوچھا اور جب یہ معلوم ہوا کہ انصار ہیں تو عتبہ نے کہا:

"ہم کو تم سے غرض نہیں۔"

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خطاب کر کے پکارا:

"محمدؐ ۔۔۔! یہ لوگ ہمارے جوڑ کے نہیں۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق انصار ہٹ آئے اور حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبیدہؓ میدان میں آئے (چونکہ یہ لوگ خود پہنے تھے جس سے چہرے چھپ گئے تھے) عتبہ نے پوچھا:

Marfat.com

"تم کون ہو ۔۔۔؟"

سب نے نام و نسب بتائے ۔ عتبہ نے کہا:

"ہاں! اب ہمارا جوڑ ہے۔"

عتبہ حضرت حمزہؓ سے اور ولید حضرت علیؓ سے مقابل ہوا اور دونوں مارے گئے لیکن عتبہ کے بھائی شیبہ نے حضرت ابو عبیدہؓ کو زخمی کیا۔ حضرت علیؓ نے بڑھ کر شیبہ کو قتل کر دیا اور حضرت عبیدہؓ کو کندھے پر اٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے ۔ حضرت عبیدہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔

"کیا میں دولتِ شہادت سے محروم رہا؟"

آپؐ نے فرمایا:

"نہیں! تم نے شہادت پائی۔"

حضرت عبیدہؓ نے کہا:

"آج ابوطالب زندہ ہوتے تو تسلیم کرتے کہ ان کے اس شعر کا مستحق میں ہوں۔
"ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت دشمنوں کے حوالے کریں گے جب اُن کے گرد لڑ کر مر جائیں اور ہم اپنے بیٹوں اور بیبیوں سے بھلا نہ دیئے جائیں۔"

سعید بن العاص کا بیٹا (عبیدہ) سر سے پاؤں تک لوہے میں ڈوبا ہوا صف سے نکلا اور پکارا:

"میں ابو کرش ہوں۔"

حضرت زبیرؓ اس کے مقابلے کو نکلے اور چونکہ صرف اس کی آنکھیں نظر آتی تھیں تاک کر آنکھ میں برچھی ماری۔ وہ زمین پر گرا اور مر گیا۔ برچھی اس طرح پیوست ہو گئی تھی کہ حضرت زبیرؓ نے اس کی لاش پر پاؤں اڑا کر کھینچا تو بڑی مشکل سے نکلی لیکن دونوں سرے خم ہو گئے۔ یہ برچھی یادگار رہی یعنی حضرت زبیرؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگ لی۔ پھر چاروں خلفاء کے پاس منتقل ہوتی رہی۔ پھر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس آئی۔

حضرت زبیرؓ نے اس معرکہ میں کئی کاری زخم اٹھائے۔ شانہ پر جو زخم تھا اتنا گہرا تھا کہ اچھے ہو جانے پر اس میں انگلی چلی جاتی تھی۔ چنانچہ اُن کے بیٹے (عروہ) بچپن میں ان زخموں سے کھیلا کرتے تھے۔ جس تلوار سے لڑے تھے وہ لڑتے لڑتے کرّ (دندانے دار) ہو گئی تھی چنانچہ جب حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ شہید ہوئے تو عبدالملک نے عروہ سے کہا:

"تم زبیرؓ کی تلوار پہچان لو گے؟"

انہوں نے کہا:

"ہاں ___!"

عبدالملک نے پوچھا:

"کیوں کر ___؟"

بولے کہ:

"بدر کے معرکہ میں اس میں دندانے پڑ گئے تھے۔"

عبدالملک نے تصدیق کی۔ عبدالملک نے تلوار عروہ کو دے دی۔ انہوں نے اس کی قیمت لگوائی تو تین ہزار ٹھہری۔ اس کے قبضہ پر چاندی کا کام تھا۔

اب عام حملہ شروع ہو گیا۔ مشرکین اپنے بل بوتے پر لڑ رہے تھے لیکن ادھر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سربسجدہ صرف خدا کی قوت کا سہارا ڈھونڈ رہے تھے۔

ابوجہل کی شرارت اور دشمنیٔ اسلام کا عام چرچا تھا۔ اس بنا پر معوذ اور معاذ دو بھائیوں نے عہد کیا تھا کہ یہ شقی جہاں نظر آئے گا یا اُس کو مٹا دیں گے یا خود مٹ جائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عوف کا بیان ہے کہ میں صف میں تھا کہ دفعتہً مجھ کو داہنے بائیں دو لڑکے نظر آئے۔ ایک نے مجھ سے کان میں پوچھا:

"ابوجہل کہاں ہے؟"

میں نے کہا:

"برادرزادہ! ابوجہل کو پوچھ کر کیا کرے گا؟"

بولا:

Marfat.com

"میں نے عہد کیا ہے کہ ابوجہل کو جہاں دیکھ لوں گا یا اسے قتل کر دوں گا یا خود لڑ کر مارا جاؤں گا۔"

میں جواب نہیں دینے پایا تھا کہ دوسرے نوجوان نے بھی مجھ سے کانوں میں یہی باتیں کہیں میں نے دونوں کو اشارہ سے بتایا کہ ابوجہل وہ ہے۔ بتانا تھا کہ دونوں باز کی طرح جھپٹے اور ابوجہل خاک پر تھا۔ دونوں جوان عفراء کے بیٹے تھے —— معوذؓ و معاذؓ۔ ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے عقب سے آکر معاذؓ کے بائیں شانے پر تلوار ماری جس سے بازو کٹ گیا لیکن تسمہ باقی لگا رہا۔ معاذؓ نے عکرمہ کا تعاقب کیا۔ وہ بچ کر نکل گیا۔ معاذؓ اسی حالت میں لڑ رہے تھے لیکن ہاتھ کے لٹکنے سے زحمت ہوتی تھی۔ ہاتھ کو پاؤں کے نیچے دبا کر کھینچا کہ تسمہ بھی الگ ہو گیا اور اب وہ آزاد تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑائی سے پہلے ارشاد فرمایا تھا کہ کفار کے ساتھ جو لوگ آئے ہیں ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو خوشی سے نہیں بلکہ قریش کے جبر سے آئے ہیں۔ ان لوگوں کے نام بھی آپؐ نے بتا دیئے تھے۔ ان میں ابوالبختری کا بھی تھا۔ مجذرؓ کی نظر (جو انصار کے حلیف تھے) ابوالبختری پر پڑی۔ مجذرؓ نے کہا:

"چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرے قتل سے منع فرمایا ہے اس لئے تجھ کو چھوڑ دیتا ہوں۔"

ابوالبختری کے ساتھ اس کا ایک رفیق بھی تھا۔ ابوالبختری نے کہا:

"اس کو بھی ——؟"

مجذرؓ نے کہا:

"نہیں ——!"

ابوالبختری نے کہا:

"تو میں خاتونانِ عرب کا یہ طعنہ نہیں سن سکتا کہ ابوالبختری نے اپنی جان بچانے کے لئے رفیق کا ساتھ چھوڑ دیا۔"

یہ کہہ کر ابوالبختری یہ رجز پڑھتا ہوا مجذرؓ پر حملہ آور ہوا اور مارا گیا۔

Marfat.com

"شریف زادہ اپنے رفیق کو نہیں چھوڑ سکتا جب تک کہ مر نہ جائے یا وہ اپنا راستہ نہ دیکھ لے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شدید دشمن امیہ بن خلف بھی جنگ بدر میں شریک تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن رضؓ بن عوف نے اس سے کسی زمانہ میں معاہدہ کیا تھا کہ وہ مدینہ میں آئے گا تو یہ اس کی جان کے ضامن ہوں گے۔ بدر میں اس دشمن خدا سے انتقام لینے کا خوب موقع تھا لیکن چونکہ عہد کی پابندی اسلام کا شعار ہے حضرت عبدالرحمٰن رضؓ بن عوف نے چاہا کہ وہ بچ کر نکل جائے۔ اس کو لے کر ایک پہاڑ پر چلے گئے۔ اتفاق یہ کہ حضرت بلال رضؓ نے دیکھ لیا۔ انصار کو خبر دی۔ دفعتہً لوگ ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے امیہ کے بیٹے کو آگے کر دیا۔ لوگوں نے اس کو قتل کر دیا لیکن اس پر بھی قناعت نہیں کی اور امیہ کی طرف بڑھے۔ انہوں نے امیہ سے کہا:

"تم زمین پر لیٹ جاؤ۔"

یہ لیٹ گیا تو اس پر چھا گئے کہ اس کو مارنے نہ پائیں لیکن لوگوں نے ان کی ٹانگوں کے اندر سے ہاتھ ڈال کر اس کو قتل کر دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن رضؓ کی بھی ایک ٹانگ زخمی ہوئی اور زخم کا نشان مدتوں تک قائم رہا۔

ابوجہل اور عتبہ وغیرہ کے قتل کے بعد قریش نے سپر ڈال دی اور مسلمانوں نے ان کو گرفتار کرنا شروع کیا۔

حضرت عباس رضؓ، عقیل (حضرت علی رضؓ کے بھائی) نوفل، اسود بن عامر، عبداللہ بن زمعہ اور بہت سے بڑے بڑے معزز لوگ گرفتار ہوئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا:

"کوئی شخص جا کر خبر لائے۔ ابوجہل کا کیا انجام ہوا؟"

حضرت عبداللہ بن مسعود نے جا کر لاشوں میں دیکھا تو زخمی پڑا ہوا دم توڑ رہا تھا، بولے:

"تو ابوجہل ہے؟"

اس نے کہا:

"ایک شخص کو اس کی قوم نے قتل کر دیا تو یہ فخر کی کیا بات ہے؟"

Marfat.com

ابوجہل نے ایک دفعہ ان کو پتھر مارا تھا۔ انہوں نے اس کے انتقام میں اُس کی گردن پر پاؤں رکھا۔ ابوجہل نے کہا:

"او بکری چرانے والے۔ دیکھ تو کہاں پاؤں رکھتا ہے۔"

حضرت عبداللہ ابن مسعود اس کا سر کاٹ لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر ڈال دیا۔

مغربی مورخین کو، جن کے نزدیک عالم اسباب میں جو کچھ ہے صرف اسباب ظاہری کے نتائج ہیں، حیرت ہے کہ تین سو پیدل آدمیوں نے ایک ہزار پر، جن میں سو سواروں کا رسالہ تھا کیونکر فتح پائی لیکن تائیداً سماوی نے بارہا ایسے حیرت انگیز مناظر دکھائے ہیں۔ تاہم اس واقعہ میں ظاہر بینوں کے اطمینان کے سامان بھی موجود ہیں۔ اوّل تو قریش میں باہم اتفاق نہ تھا۔ عتبہ سردار لشکر لڑنے پر راضی نہ تھا۔ قبیلہ زہرہ کے لوگ بدر تک آکر واپس چلے گئے۔ پانی برسنے سے موقع جنگ کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ قریش جہاں صف آرا تھے وہاں کیچڑ اور دلدل کی وجہ سے چلنا پھرنا مشکل تھا۔ قریش مرعوب ہو کر اسلامی فوج کا تخمینہ غلط کر رہے تھے یعنی اپنی تعداد سے دوگنا۔ کفار کی فوج میں کوئی ترتیب اور صف بندی نہ تھی۔ بخلاف اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دست مبارک میں تیر لے کر نہایت ترتیب سے صفیں درست کی تھیں۔ مسلمان رات کو اطمینان سے سوئے تھے، صبح اٹھے تو تازہ دم تھے۔ بخلاف اس کے کفار بے اطمینانی کی وجہ سے رات کو سو نہ سکے تھے۔

تاہم یہ اسباب ہیں۔ ان کا اجتماع اور تہیہ بھی تائید الٰہی ہے۔ پھر قریش اور مسلمانوں کی فوج کا باہم مقابلہ کرو تو نظر آئے گا کہ عام فوجی نظر کیا مسلمانوں کی فتح کی مقتضی تھی۔ قریش کی فوج میں بڑے بڑے دولت مند تھے جو تنہا تمام فوج کی رسد کا سامان کرتے تھے۔ مسلمانوں کے پاس کچھ نہ تھا۔ قریش کی تعداد ایک ہزار تھی مسلمان صرف تین سو تھے۔ قریش میں سو سوار تھے۔ مسلمانوں کی فوج میں صرف دو گھوڑے تھے۔ مسلمانوں میں بہت کم سپاہی تمام ہتھیاروں سے پورے تھے اور ادھر قریش کا ہر سپاہی لوہے میں غرق تھا۔

بایں ہمہ خاتمہ جنگ پر معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں سے صرف چودہ شخصوں نے شہادت پائی

Marfat.com

جن میں چھ مہاجر اور باقی انصار تھے لیکن دوسری طرف قریش کی اصلی طاقت ٹوٹ گئی اور رؤسائے قریش جو شجاعت میں نامور اور قبائل کے سپہ سالار تھے ایک ایک کر کے مارے گئے۔ ان میں شیبہ، عتبہ، ابوجہل، ابوالبختری، زمعہ بن الاسود، عاص بن ہشام، امیہ بن خلف، منبہ بن الحجاج قریش کے سرتاج تھے۔ قریباً ستر آدمی قتل اور اسی قدر گرفتار ہوئے۔ اسیرانِ جنگ میں سے عقبہ اور نضر بن حارث قتل کر دیئے گئے۔ باقی گرفتار ہو کر مدینہ آئے۔ ان میں حضرت عباسؓ، عقیل (حضرت علیؓ کے بھائی) ابو العاص (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد) بھی تھے۔

لڑائیوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جہاں کہیں کوئی لاش نظر آتی۔ آپ اُس کو زمین میں دفن کرا دیتے تھے لیکن اس موقع پر کشتوں کی تعداد زیادہ تھی۔ اس لئے ایک ایک کا الگ الگ دفن کرانا مشکل تھا۔ ایک وسیع کنواں تھا۔ تمام لاشیں آپ نے اس میں ڈلوا دیں۔ لیکن امیہ کی لاش پھول کر اس قابل نہیں رہی تھی کہ جگہ سے ہٹائی جاوے اس لئے وہیں خاک میں دبا دی گئی۔

اسیرانِ جنگ جب مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئے، تو حضرت سودہؓ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ) بھی تشریف رکھتی تھیں۔ ان قیدیوں میں ان کے عزیز سہیل بن عمرو بھی تھے۔ ان پر نگاہ پڑی تو بے ساختہ بول اٹھیں:

"تم نے بھی عورتوں کی طرح خود بیڑیاں پہن لیں۔ یہ نہ ہو سکا کہ لڑ کر مر جاتے۔"

اسیرانِ جنگ دو دو چار چار صحابہ کو تقسیم کر دیئے گئے اور ارشاد ہوا کہ آرام کے ساتھ رکھے جائیں۔ صحابہؓ نے ان کے ساتھ یہ برتاؤ کیا کہ ان کو کھانا کھلاتے تھے اور خود کھجور کھا کر رہ جاتے تھے۔ ان قیدیوں میں ابو عزیز بھی تھے۔ جو حضرت مصعبؓ بن عمیر کے بھائی تھے۔ ان کا بیان ہے کہ مجھ کو جن انصاریوں نے اپنے گھر میں قید رکھا تھا جب صبح یا شام کا کھانا لاتے تو روٹی میرے سامنے رکھ دیتے اور خود کھجوریں اٹھا لیتے۔ مجھ کو شرم آتی اور میں روٹی اُن کے ہاتھ میں دے دیتا لیکن وہ ہاتھ بھی نہ لگاتے اور مجھی کو واپس دیتے اور یہ اس بنا پر تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید کی تھی کہ قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔

قیدیوں میں ایک شخص سہیل بن عمرو تھا جو نہایت فصیح اللسان تھا۔ اور عام مجمعوں میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تقریریں کیا کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا:

"یا رسولؐ اللہ! اس کے دو نیچے کے دانت اکھڑوا دیجئے کہ پھر اچھا نہ بول سکے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں اگر اس کا عضو بگاڑوں گا (مثلہ) تو گو نبی ہوں لیکن خدا اس کی جزا میں میرے اعضاء بھی بگاڑے گا۔"

حضرت عباسؓ (کے بدن پر کُرتہ نہ تھا لیکن ان) کا قد اس قدر اُونچا تھا کہ کسی کا کُرتہ اُن کے بدن پر ٹھیک نہ اترتا تھا۔ عبداللہ بن ابی (رئیس المنافقین) نے کہ حضرت عباسؓ کا ہم قد تھا اپنا کُرتہ منگوا کر دیا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ کے کفن کے لئے جو اپنا کُرتہ عنایت فرمایا تھا وہ اسی احسان کا معاوضہ تھا۔

عام روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں آکر صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ اسیرانِ جنگ کے معاملہ میں کیا کیا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی کہ:

"سب اپنے ہی عزیز و اقارب ہیں۔ فدیہ لے کر چھوڑ دیئے جائیں۔"

لیکن حضرت عمرؓ کے نزدیک اسلام کے مسئلہ میں دوست و دشمن، عزیز و بیگانہ، قریب و بعید کی تمیز نہ تھی۔ اس لئے انہوں نے رائے دی کہ:

"سب قتل کر دیئے جائیں اور ہم میں سے ہر شخص اپنے عزیز کو آپ قتل کرے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبرؓ کی رائے پسند کی اور فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔

اسیرانِ جنگ سے چار چار ہزار درہم فدیہ لیا گیا لیکن جو لوگ ناداری کی وجہ سے فدیہ ادا نہیں کر سکتے تھے وہ چھوڑ دیئے گئے۔ ان میں سے جو لکھنا جانتے تھے ان کو حکم ہوا کہ دس دس بچوں کو لکھنا سکھا دیں۔

انصار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ حضرت عباسؓ ہمارے بھانجے ہیں۔ ہم اُن کا فدیہ چھوڑ دیتے ہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مساوات کی بنا پر گوارا نہیں فرمایا اور اُن سے بھی فدیہ ادا کروایا۔ فدیہ کی عام مقدار چار چار ہزار درہم تھی لیکن امراء سے زیادہ لیا گیا۔ حضرت عباسؓ دولت مند تھے اس لئے ان سے بھی زیادہ رقم وصول کی گئی۔ انہوں نے

Marfat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی لیکن ان کو کیا معلوم تھا کہ اسلام نے جو مساوات قائم کی ہے اس میں قریب و بعید، عزیز و بیگانہ، عام و خاص کے تمام تفرقے مٹ چکے ہیں۔ لیکن ایک طرف تو ادائے فرض کی یہ مساوات تھی، دوسری طرف محبت کا یہ تقاضا تھا کہ حضرت عباسؓ کی کراہ سُن کر رات کو آپؐ آرام نہ فرما سکے۔ لوگوں نے اُن کی گرہ کھول تو آپؐ نے آرام فرمایا۔)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ابوالعاص بھی اسیرانِ جنگ میں آئے تھے۔ ان کے پاس فدیہ کی رقم نہ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو (جو اُن کی زوجہ تھیں اور مکہ میں تھیں) کہلا بھیجا کہ زر۔ کی رقم بھیج دیں۔ حضرت زینبؓ کا جب نکاح ہوا تھا تو حضرت خدیجہؓ نے جہیز میں ان کو قیمتی ہار دیا تھا۔ حضرت زینبؓ نے زرِ فدیہ کے ساتھ وہ ہار بھی گلے سے اتار کر بھیج دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو پچیس برس کا محبت انگیز واقعہ یاد آگیا۔ آپؐ بے اختیار رو پڑے اور صحابہؓ سے فرمایا:

"تمہاری مرضی ہو تو بیٹی کو ماں کی یادگار واپس کر دو۔"

سب نے تسلیم کی گردنیں جھکا دیں اور ہار واپس کر دیا۔

(ابوالعاص رہا ہو کر مکہ آئے اور حضرت زینبؓ کو مدینہ بھیج دیا۔ ابوالعاص بہت بڑے تاجر تھے۔ چند سال کے بعد بڑے سروسامان سے شام کی تجارت لے کر نکلے۔ واپسی میں مسلمان دستوں نے ان کو مع تمام مال و اسباب گرفتار کر لیا۔ اسباب ایک ایک سپاہی پر تقسیم ہو گیا۔ یہ چھپ کر حضرت زینبؓ کے پاس پہنچے۔ اُنہوں نے پناہ دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا:

"اگر مناسب سمجھو تو ابوالعاص کا اسباب واپس کر دو۔"

پھر تسلیم کی گردنیں جھک گئیں اور سپاہیوں نے ایک ایک دھاگا تک لا کر واپس کر دیا۔

اب یہ وار ایسا نہ تھا جو خالی جاتا۔ ابوالعاص مکہ آئے اور تمام شرکاء کو حساب سمجھا کر دولتِ اسلام سے فائز ہوئے اور کہہ دیا:

"میں اس لئے یہاں آ کر اور حساب سمجھا کر جاتا ہوں تاکہ یہ نہ کہو کہ ابوالعاصؓ ہمارا روپیہ کھا کر تقاضے کے ڈر سے مسلمان ہو گیا۔")

Marfat.com

بدر کی خبر مکہ میں پہنچی تو گھر گھر ماتم تھا لیکن غیرت کی وجہ سے قریش نے منادی کرادی کہ ئی شخص رونے نہ پائے۔ اس لڑائی میں اسود کے تین لڑکے مارے گئے تھے۔ اُس کا دل منڈلاتا تھا لیکن قومی عزت کے خیال سے رو نہیں سکتا تھا۔ اتفاق یہ کہ ایک دن کسی طرف سے نے کی آواز آئی۔ سمجھا کہ قریش نے رونے کی اجازت دے دی ہے۔ نوکر سے کہا:

"دیکھنا کون روتا ہے۔ کیا رونے کی اجازت ہو گئی۔ میرے سینے میں آگ لگ رہی ہے۔ جی کھول کر رو لوں تو تسکین ہو جائے۔"

آدمی نے آکر کہا:

"ایک عورت کا اونٹ گم ہو گیا ہے اُس کے لئے رو رہی ہے۔"

اسود کی زبان سے بے اختیار یہ شعر نکلے:۔

"اُونٹ کے گم ہونے پر روتی ہے اور اُس کو نیند نہیں آتی۔ (اُونٹ پر) مت رو، بدر پر آنسو بہا جہاں قسمت نے کمی کی۔ تجھ کو رونا ہے تو عقیل پر رو اور حارث پر رو جو شیروں کا شیر تھا۔"

دعمیر بن وہب قریش میں اسلام کا سخت دشمن تھا۔ وہ اور صفوان بن امیہ حجر میں بیٹھے ہوئے مقتولین بدر کا ماتم کر رہے تھے۔ صفوان نے کہا:

"خدا کی قسم! اب جینے کا مزا نہیں۔"

عمیر نے کہا:

"سچ کہتے ہو۔ اگر مجھ پر قرض نہ ہوتا اور بچوں کا خیال نہ ہوتا تو میں سوار ہو کر جاتا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر آتا۔ میرا بیٹا بھی وہاں قید ہے۔"

صفوان نے کہا:

"تم قرض کی اور بچوں کی فکر نہ کرو۔ ان کا میں ذمے دار ہوں۔"

عمیر نے گھر آکر تلوار زہر میں بجھائی اور مدینہ پہنچا۔ حضرت عمرؓ نے اُس کے تیور دیکھ لئے۔ دبائے اُس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ آپ نے فرمایا:

"عمرؓ! چھوڑ دو۔ عمیر قریب آجاؤ۔"

Marfat.com

پوچھا ۔۔۔،

"کس ارادے سے آئے ہو؟"

جواب دیا:

"بیٹے کو چھڑانے آیا ہوں۔"

فرمایا:

"تلوار کیوں حمائل ہے؟"

عمیر نے کہا:

"آخر تلواریں بدر میں کس کام آئیں؟"

فرمایا:

"کیوں نہیں ۔۔۔ تم نے اور صفوان نے حجر میں بیٹھ کر میرے قتل کی سازش نہیں کی؟"

عمیر یہ بات سن کر سناٹے میں آگیا۔ بے اختیار ہو کر بولا:

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بے شک تم پیغمبر ہو۔ بخدا میرے اور صفوان کے سوا اس معاملے کی کسی کو خبر نہ تھی۔"

قریش جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی خبر سننے کے منتظر تھے انہوں نے عمیر کے مسلمان ہونے کی خبر سنی۔

حضرت عمیرؓ مسلمان ہو کر بہادرانہ مکہ میں آئے، جہاں کا ہر ذرہ اس وقت مسلمانوں کے خون کا پیاسا تھا۔ ان کو اسلام کے دوستوں سے جس شدت کے ساتھ عداوت تھی، اسی شدت سے وہ دشمنانِ اسلام کے دشمن تھے۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے اسلام کی دعوت کو پھیلایا اور ایک مجمع کثیر کو اس کی روشنی سے منور کر دیا۔)

بدر کے نتائج

(بدر کے معرکہ نے مذہبی اور ملکی حالات پر گوناگوں اثرات پیدا کئے۔ اور حقیقت یہ اسلام کا قدم اوّلین تھا۔ قریش کے تمام بڑے بڑے رؤساء جن میں سے ایک ایک اسلام

یں سدِّ آہن تھا فنا ہو گئے۔ عتبہ اور ابو جہل کی موت نے قریش کی ریاست عامہ سفیان کے سر پر رکھا جس سے دولتِ اموی کا آغاز ہوا لیکن قریش کے اصلی زور معیار گھٹ گیا۔

ینہ میں اب تک عبداللہ بن ابی سلول علانیہ کافر تھا لیکن اب وہ بظاہر اسلام کے دائرہ تمام عمر منافق رہا اور اسی حالت میں جان دی۔ قبائل عرب بہ سلسلہ واقعات یکھتے تھے اگرچہ رام نہیں ہوئے لیکن سہم گئے۔

موافق حالات کے ساتھ مخالف اسباب میں بھی انقلاب شروع ہو گیا۔ یہود سے دیچکا تھا کہ وہ ہر معاملہ میں یک سو رہیں گے لیکن اس فتح نمایاں نے ان میں حسد کی دی اور وہ اس کو ضبط نہ کر سکے۔

یش کو پہلے صرف حضرمی کا رونا تھا، بدر کے بعد ہر گھر ماتم کدہ تھا اور مقتولین بدر لم کے لئے مکہ کا بچہ بچہ مضطر تھا۔ چنانچہ سویق کا واقعہ اور اُحد کا معرکہ اسی جوش

(-)

غزوۂ سویق

ذوالحجہ سنہ ۲ھ

ابوسفیان اب قریش کا رئیس تھا اور اس منصب کا سب سے بڑا فرض غزوہ بدر
تھا۔ اُس نے بدر سے مشرکین کی واپسی پر منت مانی تھی کہ جب تک مقتولانِ بدر کا انتقام
گا نہ غسل جنابت کرے گا، نہ سر میں تیل ڈالے گا۔ چنانچہ دو سو شتر سواروں کے ساتھ
بڑھا۔ یہود کی نسبت معلوم تھا کہ وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں مدد دیں گے۔ اس لئے
بن اخطب کے پاس گیا لیکن اُس نے دروازہ نہ کھولا۔ مایوس ہو کر سلام بن مشکم کے پ
وہ یہود بنو نضیر کا سردار تھا اور تجارتی خزانہ اسی کے زیرِ اہتمام رہتا تھا۔ اُس نے بڑ
جوش سے استقبال کیا۔ خوشگوار کھانے کھلائے، شراب پلوائی۔ مدینہ کے مخفی راز بتائے
کو ابوسفیان عُریض پر حملہ آور ہوا جو مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے۔ ایک انصاری
کا نام سعدؓ بن عمرو تھا شہید کیا۔ چند مکانات اور گھاس کے انبار جلا دیئے۔ ان باتوں
س کے نزدیک قسم پوری ہو گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ نے تع
کیا۔ ابوسفیان کے پاس رسد کا سامان صرف ستو تھے۔ گھبراہٹ میں ستو کے بورے پھینک
جو مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ عربی میں ستو کو سویق کہتے ہیں۔ اس لئے یہ واقعہ غزوہ سو
نام سے مشہور ہے۔

Marfat.com

حضرت فاطمہ زہراؓ کی شادی

[حض]رت فاطمہ زہراؓ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں سب سے کم سن تھیں اب [ا]ٹھارہ سال کی ہو چکی تھی اور شادی کے پیغام آنے لگے تھے۔ حضرت علیؓ نے جب [درخواست] کی تو آپؐ نے حضرت فاطمہؓ کی مرضی دریافت کی۔ وہ چپ رہیں۔ یہ ایک طرح کا اظہار [رضا تھا۔] آپؐ نے حضرت علیؓ سے پوچھا:

"[تمہ]ارے پاس مہر میں دینے کے لئے کیا ہے؟"

[بو]لے:

"[کچ]ھ نہیں ـــ!"

[آپ]ؐ نے فرمایا:

"اور وہ حطمیہ زرہ کیا ہوئی؟" (جنگ بدر میں ہاتھ آئی تھی)

[عر]ض کی:

"وہ تو موجود ہے۔"

[آ]پؐ نے فرمایا:

"بس وہ کافی ہے۔"

[ن]اظرین کو خیال ہوگا کہ بڑی قیمتی چیز ہوگی۔ لیکن اگر وہ اس کی مقدار جاننا چاہتے ہیں تو جواب [ی]ہ صرف سوا سو روپے۔ زرہ کے سوا اور جو کچھ حضرت علیؓ کا سرمایہ تھا ایک بھیڑ کی کھال [او]ر بوسیدہ یمنی چادر تھی۔ حضرت علیؓ نے یہ سب سرمایہ حضرت فاطمہ زہراؓ کے نذر کیا۔ حضرت علیؓ

Marfat.com

اب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے پاس رہتے تھے۔ شادی کے بعد ضرور گھر کریں۔ حضرت حارثہ بن نعمان انصاری کے متعدد مکانات تھے جن میں سے صلی اللہ علیہ وسلم کو نذر کر چکے تھے۔ حضرت فاطمہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے

"اُن ہی سے کوئی اور مکان دلوا دیجئے۔"

آپؐ نے فرمایا:

"کہاں تک؟ اب اُن سے کہتے شرم آتی ہے۔"

حضرت حارثہؓ نے سُنا تو دوڑے آئے کہ حضور میں اور میرے پاس جو کچھ کا ہے۔ خدا کی قسم! میرا جو مکان آپؐ لے لیتے ہیں مجھ کو اس سے زیادہ خوشی وہ میرے پاس رہ جائے۔ غرض انہوں نے اپنا ایک مکان خالی کر دیا۔ حضرت فاط گئیں۔

شہنشاہ کونینؐ نے سیدۂ عالم کو جو جہیز دیا وہ بان کی چارپائی، چمڑے کا گدا جس تھے یں کھجور کے پتے تھے، ایک چھاگل، ایک مشک، دو چکیاں اور مٹی کے دو گھڑ

حضرت فاطمہؓ جب نئے گھر میں جائیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گئے۔ دروازے پر کھڑے ہو کر اذن مانگا، پھر اندر آئے۔ ایک برتن میں پانی منگوا اس میں ڈالے اور حضرت علیؓ کے سینہ اور بازوؤں پر پانی چھڑکا۔ پھر حضرت فاطمہؓ کو سے لڑکھڑاتی آئیں۔ ان پر بھی پانی چھڑکا اور فرمایا:

"میں نے اپنے خاندان میں سب سے افضل ترشخص سے تمہارا نکاح کیا ہے۔"

واقعاتِ متفرقہ

مؤرخین کے بیان کے مطابق اسی سال رمضان مبارک کے روزے فرض ہو عید الفطر کا حکم بھی اسی سال جاری ہوا۔ پہلے آپؐ نے ایک خطبہ دیا جس میں اس بیان فرمائے پھر صدقہ کا حکم دیا۔ عید الفطر کی نماز با جماعت عیدگاہ میں بھی اسی س اس سے پہلے عید کی نماز نہیں ہوتی تھی۔

Marfat.com

غزوۂ اُحد

۳ھ

Marfat.com

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ

اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ——— (آل عمران)

Marfat.com

عرب میں صرف ایک شخص کا قتل لڑائی کا ایک سلسلہ چھیڑ دیتا تھا جو سینکڑوں برس تک ختم نہیں ہو سکتا تھا۔ طرفین میں سے جس کو شکست ہوتی تھی وہ انتقام کو ایسا فرض موئید جانتا تھا جس کے ادا کیے بغیر اُس کی ہستی قائم نہیں رہ سکتی تھی۔ بدر میں قریش کے ستر آدمی مارے گئے تھے جن میں اکثر وہ تھے جو قریش کے تاج وافسر تھے۔ اس بنا پر تمام مکہ جوشِ انتقام سے لبریز تھا۔

قریش کا کاروانِ تجارت جو جنگ بدر کے زمانے میں نفع کثیر کے ساتھ شام سے واپس آرہا تھا اس کا راس المال حصہ داروں کو تقسیم کر دیا گیا تھا لیکن زرِ منافع امانت کے طور پر محفوظ تھا۔ قریش کو کشتگانِ بدر کے ماتم سے فرصت ملی تو اس فرض کے ادا کرنے کا خیال آیا۔ چند سردارانِ قریش جن میں ابوجہل کا بیٹا عکرمہ بھی تھا، اُن لوگوں کو جن کے عزیز و اقارب جنگِ بدر میں قتل ہو چکے تھے، ساتھ لے کر ابوسفیان کے پاس گئے اور کہا:

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری قوم کا خاتمہ کر دیا۔ اب انتقام کا وقت ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ مالِ تجارت کا جو نفع اب تک جمع ہے وہ اس کام میں صرف کیا جائے۔"

یہ ایک ایسی درخواست تھی جو پیش ہونے سے پہلے قبول کر لی گئی تھی۔ لیکن قریش کو اب مسلمانوں کی قوت اور زور کا اندازہ ہو چکا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ جنگ بدر میں جس سامان سے وہ گئے تھے اس سے اب کچھ زیادہ درکار ہے۔ عرب میں جوش پھیلانے اور دلوں کے گرمانے کا سب سے بڑا آلہ شعر تھا۔ قریش میں دو شاعر شاعری میں مشہور تھے ـــــ عمرو جمحی اور مسافع۔ عمرو جمحی بدر میں گرفتار ہو گیا تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اقتضائے رحم سے اُس کو رہا کر

Marfat.com

دیا تھا۔ قریش کی درخواست پر وہ اور مسافع مکہ سے نکلے اور تمام قبائل قریش میں اپنی آتش بیانی سے آگ لگا آئے۔

لڑائیوں میں ثابت قدمی اور جوش جنگ کا بڑا ذریعہ تھا تو ناموس حرم تھیں جس لڑائی میں خاتونیں ہوتی تھیں۔ عرب جانوں پر کھیل جاتے تھے کہ شکست ہوگی تو عورتیں بے حرمت ہوں گی۔ بہت سی عورتیں ایسی تھیں جن کی اولاد جنگ بدر میں قتل ہو چکی تھی۔ اس لئے وہ خود جوش انتقام سے لبریز تھیں اور انہوں نے منتیں مانی تھیں کہ اولاد کے قاتلوں کا خون پی کر دم لیں گی۔ غرض جب فوجیں تیار ہوئیں تو بڑے بڑے معزز گھرانوں کی عورتیں بھی فوج میں شامل ہوئیں۔ ان میں سے بعض کے نام حسب ذیل ہیں :-

۱۔ ہند ـــــ عتبہ کی بیٹی اور امیر معاویہ کی ماں۔

۲۔ ام حکیم ـــــ عکرمہ (فرزند ابو جہل) کی بیوی۔

۳۔ فاطمہ (بنت ولید) حضرت خالدؓ کی بہن۔

۴۔ برزۃ ـــــ مسعود ثقفی جو طائف کا رئیس تھا اس کی بیٹی۔

۵۔ ریطہ ـــــ عمرو بن العاصؓ کی زوجہ۔

۶۔ خناس ـــــ حضرت مصعبؓ بن عمیر کی ماں۔

اس موقع پر علامہ سید سلیمان ندوی فٹ نوٹ میں فرماتے ہیں۔ "طبری (ج ۳ صفحہ ۲۸۶) زرقانی (ج ۲ ص ۲۰۸) نے ان چھ خواتین کے سوا سُلافہ بنت سعد اور عمیرہ بنت علقمہ دو اور خاتونوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں خناس اور عمیرہ کے سوا باقی خواتین بعد کو مسلمان ہو گئیں۔ خناس اور عمیرہ کے اسلام کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔")

حضرت حمزہؓ نے ہند کے باپ عتبہ کو بدر میں قتل کیا تھا۔ جبیر بن معطم کا چچا بھی حضرت حمزہؓ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ اس بنا پر ہند نے وحشی کو جو جبیر کا غلام اور حربہ اندازی میں کمال رکھتا تھا حضرت حمزہؓ کے قتل پر آمادہ کیا۔ اور یہ اقرار ہوا کہ اس کارگزاری کے صلہ میں وہ آزاد کر دیا جائے گا۔

حضرت عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا گو اسلام لا چکے تھے لیکن اب تک مکہ ہی

Marfat.com

میں مقیم تھے۔ انہوں نے تمام حالات لکھ کر ایک تیز رو قاصد کے ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجے اور قاصد کو تاکید کی کہ تین رات دن میں مدینہ پہنچ جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبریں پہنچیں تو آپ نے پانچویں شوال ۳ھ کو دو خبر رساں جن کے نام انس اور مونس تھے، خبر لانے کے لئے بھیجے۔ انہوں نے آکر اطلاع دی کہ قریش کا لشکر مدینہ کے قریب آگیا اور مدینہ کی چراگاہ عریض کو ان کے گھوڑوں نے صاف کر دیا۔ آپ نے حبابؓ بن منذر کو بھیجا کہ فوج کی تعداد کی خبر لائیں۔ انہوں نے آکر صحیح تخمینہ سے اطلاع دی۔ چونکہ شہر پر حملہ کا اندیشہ تھا۔ ہر طرف پہرے بٹھا دیئے گئے۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ اور حضرت سعدؓ بن معاذ ہتھیار لگا کر تمام رات مسجد نبویؐ کے دروازہ پر پہرہ دیتے رہے۔

صبح کو آپؐ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ مہاجرین نے عموماً اور انصار میں سے اکابر نے رائے دی کہ عورتیں باہر قلعوں میں بھیج دی جائیں اور شہر میں پناہ گیر ہو کر مقابلہ کیا جائے۔ عبداللہ بن ابی سلول جو اب تک کبھی شریک مشورہ نہیں کیا گیا تھا، اس نے بھی یہی رائے دی۔ لیکن اُن نوخیز صحابہؓ نے جو جنگِ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے اس بات پر اصرار کیا کہ شہر سے نکل کر حملہ کیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لے گئے اور زرہ پہن کر باہر تشریف لائے! اب لوگوں کو ندامت ہوئی کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خلافِ مرضی نکلنے پر مجبور کیا۔ سب نے عرض کی:

"ہم اپنی رائے سے باز آتے ہیں۔"

ارشاد ہوا:

"پیغمبر کو زیبا نہیں کہ ہتھیار پہن کر اتار دے۔"

قریش بدھ کے دن مدینہ کے قریب پہنچے اور کوہ اُحد پر پڑاؤ ڈالا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن نماز پڑھ کر ایک ہزار صحابہؓ کے ساتھ شہر سے نکلے۔ عبداللہ بن ابی سلول تین سو کی جمعیت لے کر آیا تھا لیکن یہ کہہ کر واپس چلا گیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے میری رائے نہ مانی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اب صرف سات سو صحابہؓ رہ گئے۔ ان میں سے ایک سو زرہ پوش

Marfat.com

تھے۔ مدینہ سے نکل کر فوج کا جائزہ لیا گیا اور جو لوگ کم سن تھے واپس کر دیئے گئے۔ ان میں حضرت زیدؓ بن ثابت، حضرت براؓ بن عازب، حضرت ابو سعیدؓ خدری، حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ اور حضرت عرابہؓ اوسی بھی تھے لیکن سجان نثاری کا یہ ذوق تھا کہ نوجوانوں میں سے جب حضرت رافعؓ بن خدیج سے کہا گیا کہ تم عمر میں چھوٹے ہو واپس جاؤ، تو وہ انگوٹھوں کے بل تن کر کھڑے ہو گئے کہ قد اونچا نظر آئے۔ چنانچہ اُن کی یہ تدبیر چل گئی اور وہ لے لئے گئے[1]۔ سمرہ ایک نوجوان جو اُن کے ہم سن تھے انہوں نے یہ دلیل پیش کی کہ میں رافع کو لڑائی میں پچھاڑ لیتا ہوں۔ اس لیئے اگر ان کو اجازت ملتی ہے تو مجھ کو بھی ملنی چاہیئے۔ دونوں کا مقابلہ کرایا گیا اور سمرہؓ نے رافعؓ کو زمین پر دے مارا۔ اس بنا پر ان کو اجازت مل گئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد کو پشت پر رکھ کر صف آرائی کی۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر کو علم عنایت ہوا۔ حضرت زبیرؓ بن العوام رسالے کے افسر مقرر ہوئے۔ حضرت حمزہؓ کو اس حصّہ فوج کی کمان ملی جو زرہ پوش نہ تھے۔ پشت کی طرف احتمال تھا کہ دشمن ادھر سے آئیں اس لئے پچاس تیراندازوں کا ایک دستہ متعین فرمایا اور حکم دیا کہ گو لڑائی میں فتح ہو جائے تاہم وہ جگہ سے نہ ہٹیں۔ حضرت عبداللہ بن جبیر ان تیراندازوں کے افسر مقرر ہوئے۔

قریش کو بدر میں تجربہ ہو چکا تھا، اس لئے انہوں نے نہایت ترتیب سے صف آرائی کی۔ میمنہ پر خالد بن ولید کو مقرر کیا۔ میسرہ عکرمہ کو دیا جو ابوجہل کے فرزند تھے۔ سواروں کا دستہ صفوان بن امیہ کی کمان میں تھا جو قریش کا مشہور رئیس تھا۔ تیراندازوں کے دستے الگ تھے جن کا افسر عبداللہ بن ابی ربیعہ تھا۔ طلحہ علمبردار تھا۔ دو سو گھوڑے کوتل رکاب میں تھے کہ ضرورت کے وقت کام آئیں۔

---

[1] یہ طبری کی روایت ہے لیکن بعض دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رافع کو اجازت مل جانے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس نوجوانی ہی میں تیراندازی میں کمال رکھتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان کا یہ حال معلوم ہوا تو ان کو شرکت کی اجازت دے دی۔

(حاشیہ علامہ سید سلیمان ندوی)

سب سے پہلے طبل جنگ کے بجائے خاتونانِ قریش دف پر اشعار پڑھتی ہوئی بڑھیں، جن میں کشتگانِ بدر کا ماتم اور انتقامِ خون کے رجز تھے۔ ہند (ابوسفیان کی بیوی) آگے آگے اور چودہ عورتیں ساتھ ساتھ تھیں۔ اشعار یہ تھے :-

"ہم آسمان کے تاروں کی بیٹیاں ہیں —— ہم قالینوں پر چلنے والیاں ہیں —— اگر تم بڑھ بڑھ کر لڑوگے تو ہم تم سے گلے ملیں گی —— اور پیچھے قدم ہٹایا تو ہم تم سے الگ ہو جائیں گی۔"

لڑائی کا آغاز اس طرح ہوا کہ ابو عامر جو مدینہ منورہ کا ایک مقبولِ عام شخص تھا اور مدینہ چھوڑ کر مکّہ میں آباد ہو گیا تھا، ڈیڑھ سو آدمیوں کے ساتھ میدان میں آیا۔ اسلام سے پہلے زہد اور پارسائی کی بنا پر تمام مدینہ اس کی عزّت کرتا تھا۔ چونکہ اس کو خیال تھا کہ انصار جب اُس کو دیکھیں گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ میدان میں آکر پکارا :

"مجھ کو پہچانتے ہو میں ابو عامر ہوں۔"

انصار نے کہا :

"ہاں او بدکار —— ! ہم تجھ کو پہچانتے ہیں۔ خدا تیری آرزو بر نہ لائے۔"

قریش کا علمبردار طلحہ صف سے نکل کر پکارا :

"کیوں مسلمانو —— ! تم میں کوئی ہے کہ یا مجھ کو جلد دوزخ میں پہنچا دے یا خود میرے ہاتھوں بہشت میں پہنچ جائے۔"

حضرت علی مرتضیٰ رضؓ نے صف میں سے نکل کر کہا :

"میں ہوں —— !"

یہ کہہ کر تلوار ماری اور طلحہ کی لاش زمین پر تھی۔ طلحہ کے بعد اس کے بھائی عثمان نے جس کے پیچھے پیچھے عورتیں اشعار پڑھتی آتی تھیں، علم ہاتھ میں لیا اور رجز پڑھتا ہوا حملہ آور ہوا۔

"علم بردار کا فرض ہے کہ نیزہ کو خون میں رنگ دے یا وہ ٹکرا کر ٹوٹ جائے۔"

حضرت حمزہؓ مقابلہ کو نکلے اور شانہ پر تلوار ماری کہ کمر تک اُتر آئی۔ ساتھ ہی اُن کی زبان سے نکلا :

Marfat.com

"میں ساقیٔ حجاج کا بیٹا ہوں۔"

اب عام جنگ شروع ہو گئی۔ حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابو دجانہؓ فوجوں کے د[ل] میں گھسے اور صفیں کی صفیں صاف کر دیں۔ حضرت ابو دجانہؓ عرب کے مشہور پہلوان تھے۔ آنحضرت ص[لی اللہ] علیہ وسلم نے دست مبارک میں تلوار لے کر فرمایا:

"کون اس کا حق ادا کرتا ہے۔"

اس سعادت کے لیے دفعتہً بہت سے ہاتھ بڑھے۔ لیکن یہ فخر حضرت ابو دجانہؓ کے نصیب میں تھا۔ اس غیر متوقع عزت نے اُن کو بادۂ شجاعت سے مست کر دیا۔ سر پر سُرخ رو[مال] باندھا اور اکڑتے تنتے ہوئے فوج سے نکلے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"یہ چال خدا کو سخت ناپسند ہے لیکن اس وقت پسند ہے۔"

حضرت ابو دجانہؓ فوجوں کو چیرتے، لاشوں پر لاشے گراتے بڑھتے چلے جاتے تھے یہاں تک کہ ہند سامنے آ گئی۔ اس کے سر پر تلوار رکھ کر اٹھالی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار اس قابل نہیں کہ عورت پر آزمائی جائے۔

حضرت حمزہؓ دو دستی تلوار مارتے جاتے تھے اور جس طرف بڑھتے تھے صفیں کی صفیں صا[ف] ہو جاتی تھیں۔ اسی حالت میں سباع غبشانی سامنے آ گیا۔ پکارے:

"او ختانۃ النساء کے بچے! کہاں جاتا ہے؟"

یہ کہہ کر تلوار ماری۔ وہ خاک پر ڈھیر تھا۔

وحشی جو ایک حبشی غلام تھا اور جس سے جبیر بن معطم اُس کے آقا نے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ حمزہؓ کو قتل کر دے تو آزاد کر دیا جائے گا، وہ حضرت حمزہؓ کی تاک میں تھا۔ حضرت حمزہؓ برابر آئے تو اُس نے چھوٹا سا نیزہ جس کو حربہ کہتے ہیں اور جو حبشیوں کا خاص ہتھیار ہے پھینک کر مارا جو ناف میں لگا اور پار ہو گیا۔ حضرت حمزہؓ نے اُس پر حملہ کرنا چاہا لیکن لڑکھڑا کر گر پڑے اور رُوح پرواز کر گئی۔

کفار کے علمبردار لڑ لڑ کر قتل ہو جاتے تھے تاہم علم گرنے نہیں پاتا تھا۔ ایک کے گرنے سے پہلے دوسرا جانباز بڑھ کر علم ہاتھ میں لے لیتا تھا۔ ایک شخص نے جس کا نام صواب تھا جب

علم ہاتھ میں لیا تو کسی نے بڑھ کر اس زور سے تلوار ماری کہ دونوں ہاتھ ایک ساتھ کٹ کر گر پڑے لیکن وہ قومی علم کو اپنی آنکھوں سے خاک پر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ علم کے گرنے کے ساتھ سینہ کے بل زمین پر گرا اور علم کو سینہ سے دبا لیا۔ اسی حالت میں یہ کہتا ہوا مارا گیا:

"میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔"

علم دیر تک خاک پر پڑا رہا۔ آخر ایک بہادر خاتون (عمرۃ بنت علقمہ) دلیرانہ بڑھی اور علم کو ہاتھ میں لے کر بلند کیا۔ یہ دیکھ کر ہر طرف سے قریش سمٹ آئے اور اکھڑے ہوئے پاؤں پھر جم گئے۔

ابو عامر کفار کی طرف سے لڑ رہا تھا لیکن اُن کے بیٹے حضرت حنظلہؓ اسلام لا چکے تھے۔ اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باپ کے مقابلہ میں لڑنے کی اجازت مانگی لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ گوارا نہ کیا کہ بیٹا باپ پر تلوار اٹھائے۔ حضرت حنظلہؓ نے کفار کے سپہ سالار (ابو سفیان) پر حملہ کیا اور قریب تھا کہ اُن کی تلوار ابو سفیان کا فیصلہ کر دے، دفعتہً پہلو سے شداد بن الاسود نے جھپٹ کر اُن کے وار کو روکا اور اُن کو شہید کر دیا۔ تاہم لڑائی کا پلہ مسلمانوں ہی کی طرف بھاری تھا۔ علم برداروں کے قتل اور حضرت علیؓ اور ابو دجانہؓ کے بے پناہ حملوں سے فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ بہادر نازنینیں جو رجز سے دلوں کو ابھار رہی تھیں بدحواسی کے ساتھ پیچھے ہٹیں اور مطلع صاف ہو گیا۔ لیکن ساتھ ہی مسلمانوں نے لوٹ شروع کر دی۔ یہ دیکھ کر تیر انداز جو پشت پر مقرر کئے گئے تھے وہ بھی غنیمت کی طرف جھکے۔

حضرت عبداللہ بن جبیر نے بہت روکا لیکن وہ رُک نہ سکے۔ تیر اندازوں کی جگہ خالی دیکھ کر خالد نے عقب سے حملہ کیا۔ عبداللہ بن جبیر چند جانبازوں کے ساتھ جم کر لڑے لیکن سب کے سب شہید ہوئے۔ اب راستہ صاف تھا۔ خالد نے سواروں کے دستہ کے ساتھ نہایت بے جگری سے حملہ کیا۔ لوگ لوٹنے میں مصروف تھے۔ مڑ کر دیکھا تو تلواریں برس رہی ہیں۔ بدحواسی میں دونوں فوجیں اس طرح باہم مل گئیں کہ خود مسلمان مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صورت میں مشابہ اور علم بردار تھے، ابن قمیہ نے اُن کو شہید کر دیا اور غل مچ گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت پائی۔ اس آواز سے عام بدحواسی

چھا گئی۔ بڑے بڑے دلیروں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ بدحواسی میں اگلی صفیں پچھلی صفوں پر ٹوٹ پڑیں اور دوست دشمن کی تمیز نہ رہی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مڑ کر دیکھا تو صرف گیارہ جاں نثار پہلو میں ہیں جن میں حضرت علی مرتضیٰؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت زبیرؓ بن العوام، حضرت ابودجانہؓ حضرت طلحہؓ کا نام بہ تخصیص معلوم ہے۔ صحیح بخاری میں یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف حضرت طلحہؓ اور حضرت سعدؓ رہ گئے تھے۔

اس ہلچل اور اضطراب میں اکثروں نے تو بالکل ہمت ہار دی لیکن جانبازوں کا بھی زور نہیں چلتا تھا۔ جو جہاں تھا وہیں گھر کر رہ گیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی کو خبر نہ تھی۔ حضرت علی تلوار چلاتے اور دشمنوں کی صفیں الٹتے جاتے تھے لیکن مقصود (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا پتہ نہ تھا۔ حضرت انسؓ کے چچا ابن نضرؓ لڑتے لڑتے موقع سے آگے نکل گئے۔ دیکھا تو حضرت عمرؓ نے مایوس ہو کر ہتھیار پھینک دیا ہے۔ پوچھا:

"یہاں کیا کرتے ہو؟"

بولے:

"اب لڑ کر کیا کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو شہادت پائی۔"

ابن نضرؓ نے کہا:

"ان کے بعد ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے۔"

یہ کہہ کر فوج میں گھس گئے اور لڑ کر شہادت پائی۔ لڑائی کے بعد جب ان کی لاش دیکھی گئی تو اسی سے زیادہ تیر، تلوار اور نیزے کے زخم تھے۔ کوئی شخص پہچان تک نہ سکا۔ ان کی بہن نے انگلی دیکھ کر پہچانا۔

جاں نثارانِ خاص برابر لڑتے جاتے تھے لیکن نگاہیں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈتی تھیں۔ سب سے پہلے حضرت کعبؓ بن مالک کی نظر پڑی۔ چہرۂ مبارک پر مغفر تھا لیکن آنکھیں نظر آتی تھیں۔ حضرت کعبؓ نے پہچان کر پکارا:

"مسلمانو ۔۔۔! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہیں۔"

Marfat.com

یہ سن کر ہر طرف سے جاں نثار ٹوٹ پڑے۔ کفار نے اب ہر طرف سے ہٹ کر اسی رُخ پر زور دیا۔ دَل کا دَل ہجوم کر کے بڑھتا تھا لیکن ذوالفقار کی بجلی سے یہ بادل پھٹ پھٹ کر رہ جاتا تھا۔ ایک دفعہ ہجوم ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کون مجھ پر جان دیتا ہے؟"

زیادؓ بن سکن پانچ انصاری لے کر اس خدمت کے ادا کرنے کے لئے بڑھے اور ایک ایک نے جانبازی سے لڑ کر جانیں فدا کر دیں (صحیح مسلم غزوۂ احد میں ہے کہ سات انصاری تھے اور ساتوں نے باری باری اپنی جانیں فدا کیں) حضرت زیاد کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان کا لاشہ قریب لاؤ۔ لوگ اٹھا کر لائے۔ کچھ کچھ جان باقی تھی۔ قدموں پر منہ رکھ دیا اور اسی حالت میں جان دی ۔

بچہ ناز رفتہ باشد ز جہاں نیاز مندی ۔۔۔ کہ بوقت جاں سپردن بسرش رسیدہ باشی

(ایک بہادر مسلمان اس عالم میں بھی بے پروائی کے ساتھ کھڑا کھجوریں کھا رہا تھا۔ اس نے بڑھ کر پوچھا:

"یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر میں مارا گیا تو کہاں ہوں گا؟"

آپؐ نے فرمایا:

"جنت میں ——!"

اس بشارت سے بے خود ہو کر وہ اس طرح کفار پر ٹوٹ پڑا کہ شہید ہو گیا۔)

عبداللہ بن قمیہ جو قریش کا مشہور بہادر تھا صفوں کو چیرتا پھاڑتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آ گیا اور چہرۂ مبارک پر تلوار ماری۔ اس کے صدمہ سے مغفر کی دو کڑیاں چہرۂ مبارک میں چبھ کر رہ گئیں۔ چاروں طرف سے تلواریں اور تیر برس رہے تھے۔ یہ دیکھ کر جاں نثاروں نے آپ کو دائرہ میں لے لیا۔ ابودجانہؓ جھک کر سپر بن گئے۔ اب جو تیر آتے تھے اُن کی پیٹھ پر آتے تھے۔ حضرت طلحہؓ نے تلواروں کو ہاتھ پر روکا۔ ایک ہاتھ کٹ کر گر پڑا۔ بے درد رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر تیر برسا رہے تھے اور آپؐ کی زبان پر یہ الفاظ تھے:

ربّ اغفر قومی فانّھم لا یعلمون ۔۔۔ اے خدا میری قوم کو بخش دے وہ جانتے نہیں

Marfat.com

حضرت ابو طلحہؓ جو حضرت انسؓ کے علاقی باپ تھے مشہور قدر انداز تھے۔ اُنہوں نے اس قدر تیر برسائے کہ دو تین کمانیں اُن کے ہاتھ میں ٹوٹ ٹوٹ کر رہ گئیں۔ اُنہوں نے سپر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ پر اوٹ کر لیا تھا کہ آپؐ پر کوئی وار نہ آنے پائے۔ آپؐ کبھی گردن اٹھا کر دشمنوں کی فوج کی طرف دیکھتے، تو عرض کرتے:

"آپؐ گردن نہ اٹھائیں۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی تیر لگ جائے۔ یہ میرا سینہ سامنے ہے۔"

(حضرت سعدؓ وقاص بھی مشہور تیر انداز تھے اور اس وقت آپؐ کے رکاب میں حاضر تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ترکش اُن کے آگے ڈال دیا اور فرمایا:

"تم پر میرے ماں باپ قربان، تیر مارتے جاؤ۔"

اسی حالت میں آپؐ کی زبان سے عبرت کے لہجے میں یہ الفاظ نکلے:

"وہ قوم کیا فلاح پا سکتی ہے جو اپنے پیغمبر کو زخمی کرتی ہے۔"

بارگاہِ خداوندی میں یہ الفاظ پسند نہ آئے اور یہ آیت اُتری

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ — تم کو اس معاملہ میں کچھ اختیار نہیں۔

چنانچہ صحیح بخاری غزوہ اُحد میں یہ واقعہ مذکور ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثابت قدموں کے ساتھ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے کہ دشمن اوپر نہیں آسکتے تھے۔ ابو سفیان نے دیکھ لیا۔ فوج لے کر پہاڑی پر چڑھا لیکن حضرت عمرؓ اور صحابہؓ نے پتھر برسائے جس سے وہ آگے نہ بڑھ سکا۔

آپؐ کی وفات کی خبر مدینہ میں پہنچی تو اخلاص شعار نہایت بیتابی کے ساتھ دوڑے۔ حضرت فاطمہ زہراؓ نے آکر دیکھا تو ابھی تک چہرۂ مبارک سے خون جاری تھا۔ حضرت علیؓ سپر میں بھر کر پانی لائے۔ جناب سیدہؓ دھوتی تھیں لیکن خون نہیں تھمتا تھا۔ بالآخر چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا اور زخم پر رکھ دیا۔ خون فوراً تھم گیا۔

ابو سفیان سامنے کی پہاڑی پر چڑھ کر پکارا:

"یہاں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔"

آپؐ نے حکم دیا:

Marfat.com

"کوئی جواب نہ دے۔"

ابوسفیان نے حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کا نام لے کر پکارا اور جب کچھ آواز نہ آئی تو پکار کر بولا:

"سب مارے گئے۔"

حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہو سکا۔ بول اٹھے:

"او دشمنِ خدا! ہم زندہ ہیں۔"

ابوسفیان نے کہا:

"اُعْلُ ہُبَل ۔۔۔ اے ہبل تو اونچا ہو۔"

صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے کہا:

"اللہ اعلیٰ واجل ۔۔۔ خدا اونچا اور بڑا ہے۔"

ابوسفیان نے کہا:

"لنا العزیٰ ولا عزیٰ لکم ۔۔۔ ہمارے پاس عزیٰ ہے تمہارے پاس نہیں۔"

صحابہؓ نے کہا:

"اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم ۔۔۔ خدا تعالیٰ ہمارا آقا ہے اور تمہارا کوئی آقا نہیں۔"

ابوسفیان نے کہا:

"آج کا دن بدر کے دن کا جواب ہے۔ فوج کے لوگوں نے مُردوں کے ناک کان کاٹ لئے ہیں۔ میں نے یہ حکم نہیں دیا تھا لیکن مجھ کو معلوم ہوا تو کچھ رنج بھی نہیں ہوا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مستورات اور بچوں کو حضرت یمانؓ اور حضرت ثابتؓ کی حفاظت میں مدینہ کے پاس کے قلعوں میں بھیج دیا۔ ان لوگوں کو شکست کی خبر معلوم ہوئی تو سب کو چھوڑ کر اُحد کی طرف بڑھے۔ حضرت ثابتؓ مشرکوں کے ہاتھوں سے مارے گئے۔ حضرت یمانؓ کو مسلمان ہجوم میں پہچان نہ سکے۔ ان پر تلواریں برس پڑیں۔ ان کے صاحبزادے حضرت حذیفہؓ نے ہر چند ہاں ۔۔۔ ہاں کہا اور بہت چلایا کہ میرے باپ ہیں لیکن ہنگامہ میں کون سنتا تھا۔ حذیفہؓ یہ کہہ کر رہ گئے:

Marfat.com

"مسلمانو! خدا تمہارے اس گناہ کو بخش دے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت یمانؓ کا خوں بہا مسلمانوں کی طرف سے ادا کرنا چاہا لیکن حضرت حذیفہؓ نے معاف کر دیا۔

خاتونانِ قریش نے انتقام بدر کے جوش میں مسلمانوں کی لاشوں سے بھی بدلہ لیا۔ اُن کے ناک کان کاٹ لیئے۔ ہند (حضرت امیر معاویہؓ کی ماں) نے ان پھولوں کا ہار بنایا اور اپنے گلے میں ڈالا۔ حضرت حمزہؓ کی لاش پر گئی اور اُن کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور چبا گئی۔ لیکن گلے سے اتر نہ سکا۔ اس لیئے اُگل دینا پڑا۔ تاریخوں میں ہند کا لقب جو جگر خوار لکھا جاتا ہے اسی بنا پر لکھا جاتا ہے۔ ہند فتح مکہ میں ایمان لائی لیکن جس طرح ایمان لائی وہ عبرت خیز ہے۔ تفصیل آگے آئے گی۔

اس غزوہ میں اکثر خاتونانِ اسلام نے بھی شرکت کی۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلیمؓ جو حضرت انسؓ کی ماں تھیں زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔ مشک خالی ہو جاتی تھی تو جا کر بھر لاتی تھیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ام سلیطؓ نے بھی، جو حضرت ابو سعیدؓ خدری کی ماں تھیں، یہی خدمت انجام دی۔

عین اس وقت جب کہ کافروں نے عام حملہ کر دیا تھا اور آپؐ کے ساتھ صرف چند جانثار رہ گئے تھے حضرت ام عمارۃؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں اور سینہ سپر ہو گئیں۔ کفار جب آپؐ پر بڑھتے تھے تو تیر اور تلوار سے روکتی تھیں۔ ابن قمیہ جب ڈراتا ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گیا تو حضرت ام عمارۃؓ نے بڑھ کر روکا۔ چنانچہ کندھے پر زخم آیا اور غار پڑ گیا۔ انہوں نے بھی تلوار ماری لیکن وہ دوہری زرہ پہنے ہوئے تھا اس لیئے کارگر نہ ہوئی۔

حضرت صفیہؓ حضرت حمزہؓ کی بہن، شکست کی خبر سُن کر مدینہ سے نکلیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے صاحبزادے حضرت زبیرؓ کو بلا کر ارشاد کیا:

"حمزہؓ کی لاش نہ دیکھنے پائیں۔"

حضرت زبیرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سُنایا، بولیں:

"میں اپنے بھائی کا ماجرہ سُن چکی ہوں لیکن خدا کی راہ میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ۔لاش پر گئیں ۔خون کا جوش تھا اور عزیز بھائی کے ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے لیکن انا للہ وانا الیہ راجعون کہہ کر چپ ہو رہیں اور مغفرت کی دُعا مانگی ۔

انصار میں سے ایک عفیفہ کے باپ، بھائی، شوہر سب اس معرکہ میں مارے گئے تھے ۔باری باری تین سخت حادثوں کی صدا اُس کے کانوں میں پڑتی جاتی تھی لیکن وہ ہر بار صرف یہی پوچھتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں ۔لوگوں نے کہا بخیر ہیں ۔اُس نے پاس آکر چہرہ مبارک دیکھا اور بے اختیار پکار اٹھی :

"کل مصیبۃ بعدک جلل ۔۔ تیرے ہوتے سب مصیبتیں ہیچ ہیں "

مسلمانوں کی طرف ستر آدمی شہید ہوئے جن میں زیادہ تر انصار تھے لیکن مسلمانوں کے افلاس کا یہ حال تھا کہ اتنا کپڑا بھی نہ تھا کہ شہداء کی پردہ پوشی ہو سکتی ۔حضرت مصعبؓ بن عمیر ایک صحابی تھے ۔ان کا پاؤں چھپایا جاتا تو سر کھل جاتا اور سر ڈھانکا جاتا تو پاؤں کھل جاتا ۔آخر پاؤں اذخر کی گھاس سے چھپا دیئے گئے ۔یہ وہ حیرت انگیز منظر تھا کہ بعد کو بھی یہ واقعہ مسلمانوں کو یاد آجاتا تو آنکھیں تر ہو جاتیں ۔شہداء بے غسل اسی طرح خون میں لتھڑے ہوئے دو دو ملا کر ایک ایک قبر میں دفن کئے گئے ۔جس کو قرآن زیادہ یاد ہوتا اُس کو مقدم کیا جاتا ۔ان شہداء پر نماز جنازہ بھی اس وقت نہیں پڑھی گئی ۔(یہ صحیح بخاری کی روایت ہے لیکن دوسری کتابوں میں بعض ایسی روائتیں بھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہؓ پر تو خصوصیت کے ساتھ اور دوسرے شہدا پر بھی نماز جنازہ پڑھی ۔یہ شہداء ایک ایک کر کے اور بعض میں ہے کہ دس دس کر کے لائے جاتے تھے اور آپ ان پر نماز جنازہ پڑھتے تھے اور حضرت حمزہؓ کی لاش مبارک پر ہر جماعت کے ساتھ گویا ستر دفعہ یا سات دفعہ نماز ادا کی گئی) آٹھ برس بعد، وفات سے ایک دو برس پہلے، جب آپؐ ادھر سے گزرے تو بے اختیار آپؐ پر رقت طاری ہو گئی اور اس طرح آپؐ نے پُر درد کلمات فرمائے جیسے کوئی زندوں اور مُردوں سے رخصت ہو رہا ہو اور اس کے بعد آپؐ نے ایک خطبہ دیا ۔

"مسلمانو ۔۔! تم سے یہ خوف نہیں کہ پھر مشرک بن جاؤ گے لیکن یہ ڈر ہے کہ دنیا میں نہ پھنس جاؤ ۔"

Marfat.com

دونوں فوجیں جب میدان سے الگ ہوئیں تو مسلمان زخموں سے چور تھے تاہم یہ خیال کر کے کہ ابوسفیان مسلمانوں کو مغلوب سمجھ کر دوبارہ حملہ آور نہ ہو آپؐ نے مسلمانوں کی طرف روئے خطاب کر کے فرمایا:

"کون ان کا تعاقب کرے گا؟"۔

فوراً ستر آدمیوں کی ایک جماعت اس مہم کے لئے تیار ہو گئی، جس میں حضرت ابوبکرؓ اور زبیرؓ بھی شامل تھے۔

ابوسفیان اُحد سے روانہ ہو کر جب مقام روحا پہنچا، یہاں خیال آیا کہ کام ناتمام رہ گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہی سے گمان تھا۔ دوسرے ہی دن آپ نے اعلان کرادیا کہ کوئی واپس نہ جائے۔ چنانچہ حمراء الاسد تک جو مدینہ سے آٹھ میل ہے تشریف لے گئے۔ قبیلہ خزاعہ اس وقت تک ایمان نہیں لایا تھا لیکن در پردہ اسلام کا طرفدار تھا۔ اس کا رئیس معبد خزاعی شکست کی خبر سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور واپس جا کر ابوسفیان سے ملا۔ ابوسفیان نے اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ معبد نے کہا:

"میں دیکھتا آتا ہوں، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سروسامان سے آراستہ ہیں کہ اُن کا مقابلہ ناممکن ہے۔"

غرض ابوسفیان واپس گیا۔ یہی واقعہ ہے جس کو مؤرخین نے تکثیر غزوات کے شوق میں ایک نیا غزوہ بنا لیا ہے اور حمراء الاسد کا ایک نیا عنوان قائم کیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو تمام مدینہ ماتم کدہ تھا۔ آپ جس طرف سے گزرتے تھے گھروں سے ماتم کی آوازیں آتی تھیں۔ آپؐ کو عبرت ہوئی کہ سب کے عزیزو اقارب ماتم داری کا فرض ادا کر رہے ہیں لیکن حمزہؓ کا کوئی نوحہ خواں نہیں۔ رقت کے جوش میں آپؐ کی زبان سے بے اختیار نکلا:

اَمَّا حَمْزَۃُ فَلَا بَوَاکِیَ لَہٗ

لیکن حمزہؓ کا کوئی رونے والا نہیں

انصار نے یہ الفاظ سنے تو تڑپ اٹھے۔ سب نے جا کر اپنی بیویوں کو حکم دیا کہ دولت کدہ

پر جا کر حضرت حمزہؓ کا ماتم کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو دروازہ پر پردہ نشینانِ انصار کی بھیڑ لگی اور حضرت حمزہؓ کا ماتم بلند تھا۔ اُن کے حق میں دُعائے خیر کی اور فرمایا:

"میں تمہاری ہمدردی کا شکر گزار ہوں لیکن مُردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں۔"

(عرب میں دستور تھا کہ مُردوں پر عورتیں زور زور سے نوحہ اور بین کرتی تھیں، کپڑے پھاڑ لیتی تھیں، بال نوچتیں، گالوں پر تھپیڑ مارتی تھیں اور چیختی چلّاتی تھیں۔ یہ رسم بد اُسی دن سے بند کر دی گئی۔ اور فرمایا گیا کہ آج سے کسی مُردہ پر نوحہ نہ کیا جائے۔ یہ بھی بعد کو ارشاد ہوا کہ اس طرح ماتم کرنا مسلمان کی شان نہیں)

واقعاتِ متفرقہ — ۳ھ

• اسی سال یعنی ۳ھ میں حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت ہوئی۔ رمضان کی پندرہویں تاریخ تھی۔

• اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ سے جو حضرت عمرؓ کی صاحبزادی تھیں اور غزوۂ بدر کے زمانے میں بیوہ ہوگئی تھیں، نکاح کیا۔

• اسی سال حضرت عثمانؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی حضرت ام کلثومؓ سے شادی کی۔

• وراثت کا قانون بھی اسی سال نازل ہوا۔ اب تک وراثت میں ذوی الارحام کا کوئی حصہ نہ تھا۔ ان کے حقوق کی بھی تفصیل کی گئی۔ مشرکہ کا نکاح مسلمان سے اب تک جائز تھا۔ اس سال اس کی بھی تحریم نازل ہوئی۔)

سلسلۂ غزوات و سرایا

سنہ ۳ھ

Marfat.com

سریہ ابوسلمہ ———— محرم سنہ ۴ھ

سریہ ابن انیس ———— محرم سنہ ۴ھ

بیر معونہ ———— صفر سنہ ۴ھ

واقعۂ رجیع ———— صفر سنہ ۴ھ

واقعاتِ متفرقہ ———— سنہ ۴ھ

Marfat.com

تمام قبائل عرب بجز ایک دو کے اسلام کے دشمن تھے۔ دشمنی زیادہ تر اس بنا پر تھی کہ ہر قبیلہ
ت پرستی کو اپنا دین و آئین سمجھتا تھا۔ اسلام اسی کو مٹاتا تھا۔ اس کے ساتھ قریش کا اثر تمام عرب
ر تھا۔ حج کے زمانے میں تمام قبائل مکہ میں جمع ہوتے تھے اور قریش ان کو اسلام دشمنی پر برانگیختہ
تے تھے ایک اور بڑا سبب یہ تھا کہ تمام قبائل کی وجہ معاش لوٹ اور غارت گری تھی اور اسلام
ں کو نہ صرف قولاً بلکہ عملاً بھی رد کرتا تھا۔ اس لئے وہ جانتے تھے کہ اسلام اگر قائم ہو گیا تو ہمارے
ائع معاش بند ہو جائیں گے۔ تاہم بدر کی فتح نے ایک عام رعب بٹھا دیا تھا جس کی وجہ سے
ام قبیلے اپنی اپنی جگہ خاموش بیٹھ گئے۔ لیکن اُحد کی شکست نے حالت بدل دی اور دوبارہ
مام قبائل دفعتاً اٹھ کھڑے ہوئے۔ سیرت نبویؐ میں سرایا[1] (چھوٹی چھوٹی لڑائیاں) کا جو ایک
سیع سلسلہ پھیلا ہوا نظر آتا ہے اسی زنجیر کی کڑیاں ہیں۔

سریہ ابو سلمہ رضؓ

سب سے پہلے یکم محرم ۴ھ میں طلحہ اور خویلد نے اپنے قبیلہ کو جو فید کے کوہستانی علاقہ

---

[1] غزوہ اور سریہ میں جو فرق ہے اُس کے متعلق علمائے سیرت مختلف الرائے ہیں۔ زیادہ مقبول یہ رائے ہے کہ جس واقعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود شریک ہوئے غزوہ کے نام سے موسوم ہے اور جس میں صحابہ افسر مقرر کر کے بھیج دیئے جاتے تھے وہ سریہ کہلاتا تھا (مؤلف)۔

Marfat.com

قطن میں رہتا تھا۔ مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی
تو حضرت ابو سلمہؓ کو ایک سو پچاس مہاجرین اور انصار کے ساتھ اس طرف روانہ کیا۔ یہ خبر سن کر
اُن کی جماعت منتشر ہو گئی۔

سریہ ابن انیس

اس کے بعد محرم ۴ھ میں سفیان بن خالد نے جو قبیلہ لحیان کا تھا اور جو کو ہستان کا
رئیس تھا مدینہ پر حملے کا قصد کیا۔ اس کے مقابلے کے لئے آپ نے حضرت عبداللہ بن انیسؓ کو بھیجا
جنہوں نے لطائف الحیل سے موقع حاصل کیا اور سفیان کو قتل کر دیا۔

بیر معونہ

صفر ۴ھ میں ابو براء کلابی جو قبیلہ کلاب کا رئیس تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت
میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ چند لوگوں کو میرے ساتھ کر دیجیے کہ میری قوم کو اسلام کی دعوت
دیں۔ آپ نے فرمایا:

"مجھ کو نجد کی طرف سے ڈر ہے۔"

(اور یہ کچھ بے جا بھی نہ تھا۔ عامر بن طفیل جو ان اطراف کا رئیس تھا اُس نے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم سے کہا تھا کہ میرے تمہارے درمیان تین باتیں ہیں۔ بادیہ کے مالک تم بنو اور شہر کا
میں بنوں یا اپنے بعد مجھ کو اپنا جانشین بناؤ ورنہ غطفان کو لے کر میں چڑھ آؤں گا۔ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے منظور نہیں فرمایا تھا۔)

ابو براء نے کہا:

"اُن کا میں ضامن ہوں۔"

آپ نے منظور فرمایا اور ستر انصار ساتھ کر دیئے۔ یہ لوگ نہایت مقدس اور درویش تھے
اور اکثر اصحاب صفہ میں سے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ دن بھر لکڑیاں چنتے، شام کو فروخت کر کے
کچھ اصحاب صفہ کے نذر کرتے کچھ اپنے لئے رکھتے۔

Marfat.com

ان لوگوں نے بیر معونہ پہنچ کر قیام کیا اور حرام بن ملحان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خط دے کر عامر بن طفیل (بن مالک بن جعفر کلابی عامری) کے پاس بھیجا جو قبیلہ کا رئیس تھا۔ عامر نے حرام کو قتل کر دیا اور آس پاس کے جو قبائل تھے یعنی عصیہ، رعل، ذکوان سب کے پاس آدمی دوڑا دیئے کہ تیار ہو کر آئیں۔ ایک بڑا لشکر تیار ہو گیا اور عامر کی سرداری میں آگے بڑھا۔ صحابہؓ حرام کی واپسی کے منتظر تھے۔ جب دیر لگی تو خود روانہ ہوئے۔ راستے میں عامر کی فوج کا سامنا ہوا۔ کفار نے ان کو گھیر لیا اور سب کو قتل کر دیا۔ (صحابہؓ کی اس جماعت میں حضرت کعبؓ بن زید بھی تھے۔ کفار نے سمجھا کہ یہ بھی شہید ہو گئے لیکن ان میں جان باقی تھی اور بعد کو زندہ بچ گئے اور غزوہ خندق میں شہید ہوئے) صرف عمروؓ بن امیہ کو عامر نے یہ کہہ کر چھوڑ دیا۔

"میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مانی تھی۔ میں تجھ کو آزاد کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اُن کی چوٹی کاٹی اور چھوڑ دیا۔ (حضرت عمروؓ بن امیہ اور حضرت منذرؓ بن عتبہ انصاری پیچھے رہ گئے تھے۔ جب یہ مقام حادثہ پر پہنچے تو حضرت منذرؓ کو شہید کر دیا گیا اور حضرت عمرو بن امیہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ اور بعد کو وہ چھوڑ دیئے گئے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو سخت قدر صدمہ ہوا۔ مہینہ بھر نماز فجر میں ان ظالموں کے حق میں بددعا کی۔ حضرت عمروؓ بن امیہ نے واپسی میں راستہ میں بنی عامر کے) دو آدمیوں کو قتل کر دیا تھا جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امان دے چکے تھے۔ مگر حضرت عمروؓ بن امیہ کو اس کا علم نہ تھا۔ وہ یہ سمجھے کہ ہم نے بنی عامر سے ان کی اس بے وفائی کا بدلہ لے لیا جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے ساتھ کی ہے۔ (جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سُنا تو) اس پر آپؐ نے ناراضی ظاہر فرمائی اور دونوں کے خوں بہا ادا کر دینے کا اعلان فرمایا۔

واقعہ رجیع

انہی دنوں عضل اور قارۃ، جو دو مشہور قبیلے ہیں، ان کے چند آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے کہ ہمارے قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ چند لوگوں کو ہمارے ہاں بھیجئے کہ اسلام کے احکام اور عقائد سکھائیں۔ آپؐ نے دس آدمی ساتھ کر دیئے جن کے سردار حضرت

Marfat.com

عاصم رضؓ بن ثابت تھے ۔ یہ لوگ جب مقام رجیع پر پہنچے جو عسفان اور مکہ کے وسط میں ہے تو غداروں نے بدعہدی کی اور قبیلہ بنو لحیان کو اشارہ کیا کہ ان کا کام تمام کردیں ۔ بنو لحیان دو سو آدمی لے کر جن میں ایک سو تیر انداز تھے ، ان لوگوں کے تعاقب میں چلے اور ان کے قریب آ گئے ۔ ان لوگوں نے بڑھ کر ایک ٹیکرے پر پناہ لی ۔ تیر اندازوں نے اُن سے کہا :

"اتر آؤ ! ہم تم کو امن دیتے ہیں ۔"

حضرت عاصم رضؓ نے کہا :

"میں کافر کی پناہ میں نہیں آتا ۔"

یہ کہہ کر خدا سے خطاب کیا کہ

"اپنے پیغمبرؐ کو خبر پہنچا دے ۔"

غرض [redacted] مع سات آدمیوں کے لڑ کر تیر اندازوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے ۔ (قریش نے چند آدمیوں کو بھیجا کہ عاصم کے بدن سے گوشت کا ایک لوتھڑا کاٹ لائیں کہ اُن کی شناخت ہو سکے ۔ قدرتِ خداوندی نے شہید مسلم کی یہ تحقیر گوارا نہ کی ۔ شہد کی مکھیوں نے لاش پر پرا ڈال دیا ۔ یہ لوگ ناکام پھر گئے) لیکن (تین) شخصوں نے جن (میں سے دو) کے نام حضرت خبیب رضؓ اور حضرت زید بن الدثنہ) تھے ، کافروں کے وعدہ پر اعتماد کیا اور ٹیکرے سے اتر آئے ۔ کافروں نے بدعہدی کر کے ان کی مشکیں کس لیں اور مکہ میں لے جا کر بیچ ڈالا ۔ (بخاری (کتاب المغازی) نے اس موقع پر تیسرے بزرگ کا ذکر کیا ہے ، اُن کا نام نہیں لکھا ہے ۔ ابن اسحاق نے اُن کا نام حضرت عبداللہؓ بن طارق بتلایا ہے ۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ اسی وقت اس موقع پر شہید کر دیئے گئے لیکن دوسری روایتوں میں ہے کہ یہاں سے آگے چل کر مکہ کے راستہ میں بمقام ظہران ان کی شہادت کا واقعہ پیش آیا ۔)

حضرت خبیب رضؓ نے جنگ احد میں حارث بن عامر کو قتل کیا تھا ، اس لیئے ان کو حارث کے لڑکوں نے خریدا کہ باپ کے بدلہ میں قتل کریں گے ۔ چند روز انہی کے گھر میں رہے ۔ ایک دن حارث کی نواسی کو کھلا رہے تھے ۔ اتفاق سے ہاتھ میں چھری تھی ۔ بچی کی ماں اتفاقاً کہیں سے آ گئی ۔ دیکھا کہ حضرت خبیب رضؓ کے ہاتھ میں ننگی چھری ہے ۔ کانپ اٹھی ۔

Marfat.com

حضرت خبیبؓ نے کہا:

"کیا تو یہ سمجھی کہ میں اس کو قتل کردوں گا؟ ہمارا یہ کام نہیں"

خاندانِ حارث ان کو حرم سے باہر لے گیا اور قتل کرنا چاہا۔ انہوں نے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت مانگی۔ قاتلوں نے اجازت دی۔ انہوں نے دو رکعت نماز پڑھ کر کہا:

"دیر تک پڑھنے کو جی چاہتا تھا لیکن تم کو خیال ہوگا کہ موت سے ڈرتا ہوں"

پھر یہ اشعار پڑھے:

"جب میں اسلام کے لئے قتل کیا جارہا ہوں تو مجھ کو اس کی پروا نہیں کہ کس پہلو قتل کیا جاؤں گا۔ یہ جو کچھ ہے خالصاً خدا کے لئے ہے۔ اگر وہ چاہے گا تو جسم کے ان پارہ پارہ ٹکڑوں پر برکت نازل کرے گا"

(حارث کے بیٹے ابو سروعہ جنہوں نے حضرت خبیبؓ کو شہید کیا تھا بعد کو مسلمان ہوئے اور شرفِ صحابیت سے سرفراز ہوئے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خبیبؓ کے اس فعل کی اطلاع ملی تو آپؐ نے اس کو پسند فرمایا۔ اسی زمانہ سے دستور ہے کہ کسی کو قتل کرتے ہیں، تو مقتول پہلے دو رکعت نماز ادا کر لیتا ہے اور یہ مستحب سمجھا جاتا ہے۔)

دوسرے صاحب حضرت زیدؓ تھے۔ ان کو صفوان بن امیہ نے قتل کے ارادہ سے خریدا تھا ان کے قتل کے وقت قریش کے معزز سردار تماشا دیکھنے آئے جن میں ابو سفیان بھی تھا۔ جب قاتل نے تلوار ہاتھ میں لی، تو ابو سفیان نے کہا:

"سچ کہنا، اس وقت تمہارے بدلے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قتل کئے جاتے تو کیا تم اس کو اپنی خوش قسمتی نہ سمجھتے"

بولے:

"خدا کی قسم! میں تو اپنی جان کو اس کے برابر بھی عزیز نہیں رکھتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تلوؤں میں کانٹا چبھ جائے"

صفوان کے غلام فسطاس نے ان کی گردن مار دی۔ (فسطاسؓ نے بعد کو اسلام قبول کیا۔)

ان لڑائیوں کا سلسلہ یہود کی لڑائیوں سے مل جاتا ہے اور چونکہ یہود کے واقعات اور ان

Marfat.com

کی سرگزشت تاریخ اسلام سے گوناگوں تعلقات رکھتی ہے۔ اس لئے ہم ان کے واقعات مستقل حیثیت سے لکھتے ہیں اور اس غرض کے لئے کسی قدر ہم کو پچھلے زمانہ کی طرف واپس آنا پڑے گا۔

واقعاتِ متفرقہ

اسی سال شعبان میں حضرت حسینؓ کی ولادت ہوئی۔

اسی سال ازواج مطہراتؓ میں سے حضرت زینبؓ بنت خزیمہ نے انتقال فرمایا جن سے اسی سال نکاح بھی ہوا تھا۔

اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ بن ثابت کو حکم دیا کہ وہ عبرانی زبان لکھنا پڑھنا سیکھ لیں۔ اور فرمایا کہ مجھ کو یہود پر اطمینان نہیں۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ حضرت زیدؓ نے صرف پندرہ دن میں عبرانی زبان سیکھ لی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ میں عبری زبان سے لوگ بہت کچھ آشنا تھے۔

اسی سال شوال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہؓ سے نکاح فرمایا۔

اسی سال یہودیوں نے آپؐ کے سامنے ایک یہودی کا مقدمہ پیش کیا اور آپؐ نے تورات کے مطابق رجم کا حکم دیا۔

بعض مؤرخوں کے نزدیک شراب کی حرمت کا حکم بھی اسی سال نازل ہوا لیکن اس میں روایتیں نہایت مختلف ہیں۔

Marfat.com

یہودیوں کے ساتھ

معاہدہ اور جنگ

سنہ ۲ھ تا سنہ ۴ھ

Marfat.com

غزوہ بنی قینقاع ——— شوال سنہ ۲ ھ

قتل کعب بن اشرف ——— ربیع الاوّل سنہ ۳ ھ

غزوہ بنو نضیر ——— ربیع الاوّل سنہ ۴ ھ

Marfat.com

اُوپر گزر چکا ہے کہ یہود مدّتِ دراز سے مدینہ پر فرمانروا تھے۔ انصار نے آکر اُن کے ساتھ تعلقات پیدا کئے اور رفتہ رفتہ حریفانہ اقتدار حاصل کیا لیکن جنگ بعاث نے اُن کی قومی طاقت توڑ دی اور اب وہ اس قابل نہیں رہے تھے کہ یہود سے ہمسری کا دعویٰ کر سکتے۔

یہود کے تین قبیلے تھے ـــ قینقاع، نضیر، قریظہ۔ یہ سب مدینہ کے اطراف وحوالی میں آباد تھے اور عموماً زمیندار، دولت مند، تجارت پیشہ اور صناع تھے۔ قینقاع زرگری کا پیشہ کرتے تھے اور چونکہ سب میں زیادہ بہادر اور شجاع تھے اس لئے ہمیشہ ان کے پاس اسلحہ جنگ کے ذخیرے مہیا رہتے تھے۔ انصار عموماً ان کے مقروض اور زیربار تھے۔ ملکی اور تجارتی افسری کے ساتھ ان لوگوں کا مذہبی اور علمی اثر بھی تھا۔ انصار عموماً بُت پرست اور جاہل تھے۔ اس بنا پر وہ یہود کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے اور اُن کو اپنے سے زیادہ مہذب اور شائستہ سمجھتے تھے۔ جن لوگوں کے بچے زندہ نہیں رہتے تھے وہ منت مانتے تھے کہ ہمارا بیٹا زندہ رہے گا تو ہم اُس کو یہود بنادیں گے۔ چنانچہ مدینہ میں اس قسم کے بہت سے جدید الیہودیۃ موجود تھے۔

یہود میں امتدادِ زمانہ سے نہایت اخلاق ذمیمہ پیدا ہوگئے تھے۔ ان کے امتیازی خصائص زندگی یہ تھے کہ ہر طرف لین دین کا کاروبار پھیلا رکھا تھا اور تمام آبادی ان کے قرضوں میں زیربار تھی اور چونکہ تنہا وہی صاحبِ دولت تھے اس لئے نہایت بے رحمی سے سود کی بڑی شرحیں مقرر کرتے تھے۔ اور قرضہ کی کفالت میں لوگوں کے بال بچے یہاں تک کہ مستورات کو رہن رکھواتے تھے۔ کعب اشرف نے خود اپنے انصاری دوستوں سے یہی درخواست کی تھی اور مختلف طریقوں سے لوگوں

کے مال اور جائداد پر تصرف کرتے تھے۔

طماعی اور حرص کی شدت سے یہ حالت تھی کہ معصوم بچوں کو دو چار روپے کے زیور کے لئے پتھر سے مار ڈالتے تھے۔ دولت کی بہتات سے زنا اور بدکاری کا عام رواج تھا اور چونکہ زیادہ تر امراء اس کے مرتکب ہوتے تھے اس لئے ان کو سزا نہیں دے سکتے تھے۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے دریافت فرمایا:

"کیا تمہاری شریعت میں زنا کی سزا صرف درّے مارنا ہے؟"

اس نے کہا:

"نہیں ـــــ بلکہ سنگسار کرنا ہے۔ لیکن ہمارے شرفا میں زنا کی کثرت ہو گئی اور جب کوئی شریف اس جرم میں پکڑا جاتا تو ہم اس کو چھوڑ دیتے تھے البتہ عام آدمیوں کو یہ سزا دیتے تھے بالآخر یہ قرار پایا کہ سنگسار کرنے کی سزا درّے سے بدل دی جائے تاکہ شریف اور رذیل سب کو یکساں سزا دی جا سکے۔"

اسلام مدینہ میں آیا تو یہود کو نظر آیا کہ اب ان کا جابرانہ اور خود غرضانہ اقتدار قائم نہیں رہ سکتا۔ اسلام جس قدر روز بروز مدینہ میں پھیلتا جاتا تھا اسی قدر یہودیوں کے مذہبی وقار کو جو ان کو مدتوں سے حاصل تھا زوال ہوتا جاتا تھا۔ مدینہ کے مشرکین میں یہودیت جو تدریجاً پھیل رہی تھی، دفعتہً رُک گئی۔ نئی نئی فتوحات کی بدولت انصار جس قدر دولت مند ہوتے جاتے تھے، یہودیوں کے قرض کے شکنجے سے آزاد ہوتے جاتے تھے۔ یہودیوں میں جو اخلاق بد عموماً پھیلے ہوئے تھے اور جن پر دولت مندی اور مذہبی پیشوائی نے پردہ ڈال رکھا تھا، اب ان کا راز فاش ہونے لگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ ان سے معاہدہ کیا تھا کہ ان کے جان و مال سے کچھ تعرض نہیں کیا جائے گا اور ان کو ہر قسم کی مذہبی آزادی حاصل ہو گی لیکن منصب نبوت کی حیثیت سے ذمائم اخلاق پر وعظ اور تذکیر آپ کا فرض نبوت تھا۔

ان اسباب نے تمام یہود میں اسلام کی طرف سے سخت ناراضی پھیلا دی۔ انہوں نے طرح طرح سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیتیں دینی اور اسلام کے خلاف کوششیں کرنی شروع کیں۔

Marfat.com

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم تھا کہ ان کی ہر طرح کی ایذا رسانیوں کو برداشت کریں۔

یہودیوں نے معمول کر لیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سلام علیکم کرتے تو بجائے السلام علیک کے السام علیک کہتے جس کے معنی یہ ہیں کہ تجھ کو موت آئے۔ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ بھی موجود تھیں۔ انہوں نے سنا تو ان کو سخت غصہ آیا اور بے اختیار ہو کر بول اٹھیں:

"کم بختو۔۔۔! تم کو موت آئے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"نرمی سے کام لو۔"

حضرت عائشہؓ نے کہا:

"آپ نے کچھ سنا بھی کہ ان لوگوں نے کیا کہا؟"

آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"ہاں! لیکن یہ کافی ہے کہ میں نے علیک کہہ دیا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف مجاملت اور درگزر ہی پر اکتفا نہیں فرماتے تھے! اکثر معاشرتی باتوں میں یہود کے ساتھ اتفاق فرماتے اور ان کی مذہبی توقیر رکھنا چاہتے تھے۔ اہل عرب کی عادت تھی کہ بالوں میں مانگ نکالتے تھے بخلاف اس کے یہودی بالوں کو یوں ہی چھوڑ دیتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہودیوں ہی کی موافقت کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تو دیکھا کہ یہودی عاشورہ کے دن روزہ رکھتے تھے۔ آپؐ نے بھی حکم دیا کہ لوگ عاشورہ کو روزہ رکھیں۔ کسی یہودی کا جنازہ گزرتا تو آپ تعظیماً کھڑے ہو جاتے۔

ایک دفعہ ایک یہودی نے حضرت موسیٰؑ کی فضیلت اس طرح بیان کی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل ہیں۔ اس پر ایک انصاری کو غصہ آ گیا۔ انہوں نے اس کو تھپڑ مارا۔ یہودی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی۔ آپؐ نے فرمایا:

"مجھ کو اور پیغمبروں پر (ایسی) فضیلت نہ دو (جس سے ان کا نقص لازم آئے) قیامت کے دن لوگ بے ہوش ہو جائیں گے۔ اور سب سے پہلے مجھ کو ہوش آئے گا۔ اس وقت میں دیکھوں گا

Marfat.com

کہ موسیٰ عرش کا پایہ تھامے کھڑے ہیں۔

احکام الٰہی جو قرآن مجید میں نازل ہو رہے تھے سرتا پا اہل کتاب کے ساتھ مدارات اور معاشرت کی ترغیب میں تھے (ملاحظہ ہو مائدہ، بقرہ، آل عمران، نساء میں متعدد آیات) ان باتوں میں سے ایک بھی ان کے معتقدات اور مزعومات کے خلاف نہ تھی۔ لیکن ان تمام مہربانیوں اور اظہار لطف و مدارات کا جو صلہ تھا یہ تھا کہ انہوں نے ہر طرح سے اسلام کی خانہ براندازی کا عزم کر لیا اسلام کی عظمت اور وقار کم کرنے کے لئے مشرکوں سے کہتے کہ مذہب میں مسلمانوں سے تو تم ہی اچھے ہو۔ مذہب اسلام کی بے اعتباری پھیلانے کے لئے یہاں تک آمادہ ہوئے کہ مسلمان ہو کر پھر مرتد ہو جاتے تاکہ لوگوں کو خیال ہو کہ اگر یہ مذہب سچا ہوتا تو اس کو قبول کر کے کوئی کیوں چھوڑ دیتا۔

ان باتوں کے علاوہ اسلام کی بربادی کی ملکی تدبیریں اختیار کیں۔ وہ یہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کو جو قوت ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ انصار کے دو قبیلے اوس اور خزرج جو باہم لڑتے بھڑتے رہتے تھے اسلام نے ان کو باہم متحد کر دیا ہے۔ ان دونوں کو اگر پھر لڑا دیا جائے تو اسلام خود بخود فنا ہو جائے گا۔ عرب میں پچھلی کینہ آوریوں کو تازہ کر دینا نہایت آسان کام تھا۔ ایک دفعہ دونوں قبیلوں کے بہت سے آدمی جلسہ میں بیٹھ کر بات چیت کر رہے تھے۔ چند یہودیوں نے اس صحبت میں جا کر جنگ بعاث کا تذکرہ چھیڑا۔ یہ وہ لڑائی تھی جس میں انصار کے یہ دونوں قبیلے آپس میں لڑے تھے اور اسی لڑائی نے ان کی تمام قوت برباد کر دی تھی۔ اس لڑائی کے تذکرہ نے دونوں کو پرانے واقعے یاد دلائے اور دفعتہً عداوت کی دبی ہوئی آگ بھڑک اٹھی۔ لعن وطعن سے گزر کر تلواریں کھینچ گئیں۔ حسن اتفاق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہو گئی۔ آپ نے موقع پر پہنچ کر وعظ و پند سے دونوں فریق کو ٹھنڈا کیا۔

منافقین کا ایک گروہ پہلے سے موجود تھا جو اگرچہ بظاہر مسلمان ہو گیا تھا لیکن درحقیقت اسلام کا سخت دشمن تھا۔ اس گروہ کا سردار عبداللہ بن اُبَی بن سلول تھا۔ یہودیوں نے اس کو نہایت آسانی سے درپردہ ملا لیا اور اُن کے ساتھ مل کر سازش شروع کی۔ اتفاق یہ کہ عبداللہ بن اُبَی پہلے سے بھی بنی نضیر کا حلیف اور ہم پیمان تھا۔

Marfat.com

قریش نے بدر سے پہلے عبداللہ بن اُبی کو لکھا تھا کہ مسلمانوں کو نکال دو ورنہ ہم آکر تمہارا استیصال کر دیں گے۔ لیکن جب اس میں کامیابی نہیں ہوئی جس کی تفصیل اُوپر گزر چکی ہے تو بدر کے بعد انہوں نے یہود کو خط لکھا:

"تم لوگوں کے پاس اسلحہ جنگ اور قلعہ جات ہیں۔ تم ہمارے حریف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لڑو ورنہ ہم تمہارے ساتھ یہ یہ کریں گے اور کوئی چیز ہم کو تمہاری عورتوں کے کڑوں تک پہنچنے سے روک نہ سکے گی"

غرض اب حالت یہ ہو گئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم راتوں کو گھر سے نکلتے تھے تو یہودیوں کی وجہ سے جان کا خطرہ رہتا تھا۔ حضرت طلحہؓ بن براد ایک صحابی تھے۔ انہوں نے انتقال کے وقت وصیّت کی کہ اگر میں رات کے وقت مروں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر نہ کرنا اس لئے کہ یہود کی طرف سے ڈر ہے۔ ایسا نہ ہو کہ میری وجہ سے آپؐ پر حادثہ گزر جائے۔

غزوہ بنی قینقاع (شوال ۲ھ)

بدر کی فتح نے یہود کو زیادہ اندیشہ ناک کر دیا۔ ان کو اعلانیہ نظر آیا کہ اسلام ایک طاقت بنا جاتا ہے۔ اور کیونکہ قبائل یہود میں سب سے زیادہ جری اور بہادر قینقاع تھے اس لئے سب سے پہلے انہی نے اعلانِ جنگ کی جرأت کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو معاہدہ کیا تھا، سب سے پہلے انہی نے اس کی عہد شکنی کی۔

ایک اتفاقیہ سبب پیش آگیا جس نے اس آگ کو اور بھڑکا دیا۔ ایک انصاری (کی بیوی) مدینہ کے بازار میں ایک یہودی کی دکان میں (نقاب پوش) آئیں۔ یہودیوں نے ان کی بے حرمتی کی۔ ایک مسلمان یہ دیکھ کر غیرت سے بے تاب ہو گیا اور اُس نے یہودی کو مار ڈالا۔ یہودیوں نے مسلمان کو قتل کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ حالات معلوم ہوئے تو اُن کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا:

"خدا سے ڈرو! ایسا نہ ہو تم پر بھی بدر والوں کی طرح عذاب آئے"

بولے:

"ہم قریش نہیں ہیں۔ ہم سے معاملہ پڑے گا تو ہم دکھا دیں گے کہ لڑائی اس کا نام ہے۔"
چونکہ اُن کی طرف سے نقض عہد اور اعلانِ جنگ ہو گیا تھا مجبور ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑائی کی۔ وہ قلعہ بند ہو گئے۔ پندرہ دن تک محاصرہ رہا۔ بالآخر اس پر راضی ہوئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو فیصلہ کریں گے اُن کو منظور ہوگا۔ عبداللہ بن اُبی اُن کا حلیف تھا، اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ وہ جلاوطن کر دیئے جائیں۔ غرض وہ اذرعات میں جو شام کے علاقہ میں ہے جلاوطن کر دیئے گئے۔ یہ سات سو شخص تھے جن میں تین سو زرہ پوش تھے ——— یہ شوال ۲ھ کا واقعہ ہے۔

قتل کعب بن اشرف (ربیع الاول ۳ھ)

یہودیوں میں کعب بن اشرف ایک مشہور شاعر تھا۔ اس کے باپ اشرف نے جو قبیلہ طے سے تھا، مدینہ میں بنو نضیر کا حلیف ہو کر اس قدر عزت اور اعتبار پیدا کیا کہ ابو رافع بن ابی الحقیق جو یہود کا مقتدا اور تاجر الحجاز جس کا خطاب تھا اُس کی لڑکی سے شادی کی۔ کعب اُسی کے بطن سے پیدا ہوا۔ اس دوطرفہ رشتہ داری کی بنا پر کعب یہود اور عرب سے برابر کا تعلق رکھتا تھا اور شاعری کی وجہ سے قوم پر اس کا عام اثر تھا۔ رفتہ رفتہ دولت مندی کی وجہ سے تمام یہودیانِ عرب کا رئیس بن گیا۔ یہودی علماء اور پیشوایانِ مذہب کی تنخواہیں مقرر کیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے اور علمائے یہود اس سے ماہواریں لینے آئے تو اُس نے ان لوگوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق رائے دریافت کی اور جب اپنا ہم خیال بنا لیا تب ان کے مقررہ روزینے جاری کئے۔

اس کو اسلام سے سخت عداوت تھی۔ بدر کی لڑائی میں سردارانِ قریش مارے گئے تو اس کو نہایت صدمہ ہوا۔ تعزیت کے لئے مکہ گیا۔ کشتگانِ بدر کے پُر درد مرثیے جن میں انتقام کی ترغیب تھی لوگوں کو جمع کر کے نہایت درد سے پڑھتا اور روتا اور رُلاتا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ مکہ میں چالیس آدمی لے کر گیا۔ وہاں ابو سفیان سے ملا اور اُس کو

بدر کے انتقام پر برانگیختہ کیا اور ابوسفیان سب کو لے کر حرم میں آیا۔ سب نے حرم کا پردہ تھام کر معاہدہ کیا کہ بدر کا انتقام لیں گے۔ اس پر اکتفا نہ کر کے قصد کیا کہ چپکے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرا دے۔

فتنہ انگیزی کا زیادہ اندیشہ ہوا تو آپؐ نے بعض صحابہؓ سے شکایت کی اور آپؐ کی مرضی سے حضرت محمدؓ بن مسلمہ نے بمشورۂ رؤسائے اوس جا کر اس کو ربیع الاول ۳ھ میں قتل کر دیا۔

غزوۂ بنو نضیر (ربیع الاول ۴ھ)

حضرت عمروؓ بن امیہ نے قبیلہ عامر کے (جو) دو آدمی قتل کر دیئے تھے اور جن کا خوں بہا اب تک واجب الادا تھا اور جس کا ایک حصہ معاہدہ کی رُو سے یہود بنو نضیر پر واجب الادا تھا، اس کے مطالبہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے انہوں نے قبول کیا لیکن درپردہ یہ سازش کی کہ ایک شخص چپکے سے بالاخانے پر چڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر گرا دے۔ اتفاق سے اس وقت آپؐ بالاخانے کی دیوار کے سائے میں کھڑے تھے۔ عمرو بن حجاش ایک یہودی اس ارادہ سے کوٹھے پر چڑھا۔ آپؐ کو اس کے ارادہ کا حال معلوم ہو گیا اور آپ فوراً مدینہ واپس چلے آئے۔

اُوپر گزر چکا ہے کہ قریش نے بنو نضیر کو کہلا بھیجا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دو ورنہ ہم خود آ کر تمہارا استیصال کر دیں گے۔ بنو نضیر پہلے سے اسلام کے دشمن تھے۔ قریش کے پیغام نے اُن کو اور زیادہ آمادہ کیا۔ بنو نضیر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ آپؐ تیس آدمیوں کو لے کر آئیں۔ ہم بھی اپنے احبار لے کر آئیں گے۔ آپؐ کا کلام سُن کر اگر ہمارے احبار آپؐ کی تصدیق کریں گے تو ہم کو بھی کچھ عذر نہ ہو گا۔ چونکہ وہ بغاوت کی تیاری کر چکے تھے، آپؐ نے کہلا بھیجا کہ جب تک تم ایک معاہدہ نہ لکھ دو میں تم پر اعتماد نہیں کر سکتا لیکن وہ اس پر راضی نہ ہوئے۔ آپؐ یہود بنی قریظہ کے پاس تشریف لے گئے اور اُن سے تجدید معاہدہ کی درخواست کی۔ انہوں نے تعمیل کی۔ بنو نضیر کے لئے یہ نظیر موجود تھی کہ اُن کے برادرانِ دینی نے معاہدہ لکھ دیا ہے لیکن وہ کسی طرح معاہدہ کرنے پر راضی نہ ہوئے۔

Marfat.com

بالآخر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ آپ تین آدمی لے کر آئیں ہم بھی تین عالم ساتھ لے کر آتے ہیں۔ یہ علماء اگر آپ پر ایمان لائیں گے تو ہم بھی لائیں گے آپ نے منظور فرمایا لیکن راہ میں آپ کو ایک صحیح ذریعہ سے معلوم ہوا کہ یہود تلواریں باندھ کر تیار ہیں کہ جب آپ تشریف لائیں تو آپ کو قتل کر دیں۔

بنو نضیر کی سرکشی کے مختلف اسباب تھے۔ وہ نہایت مضبوط قلعوں میں پناہ گزین تھے جن کا فتح کرنا آسان نہ تھا۔ اس کے ساتھ عبداللہ بن اُبی نے کہلا بھیجا تھا کہ تم اطاعت نہ کرنا۔ بنو قریظہ تمہارا ساتھ دیں گے اور میں دو ہزار آدمی لے کر تمہاری اعانت کو آؤں گا لیکن بنو نضیر کے تمام خیالات غلط نکلے۔ بنو قریظہ نے اُن کا ساتھ نہیں دیا اور منافق علانیہ اسلام کے مقابلہ میں نہیں آ سکتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ دن تک ان کا محاصرہ کیا۔ قلعہ کے گرد جو ان کے نخلستان تھے اُن کے چند درخت کٹوا دیئے۔ بالآخر بنو نضیر اس شرط پر راضی ہوئے کہ جس قدر مال و اسباب اونٹوں پر لے جا سکیں لے جائیں اور مدینہ سے باہر نکل جائیں۔ چنانچہ سب گھروں کو چھوڑ چھوڑ کر نکل گئے۔ ان میں سے معزز رؤسا مثلاً سلام بن ابی الحقیق، کنانہ بن الربیع، حیی بن اخطب خیبر چلے گئے۔ وہاں لوگوں نے ان کا اس قدر احترام کیا کہ خیبر کا رئیس تسلیم کر لیا۔ اس واقعہ کو اس غرض سے یاد رکھنا چاہیے کہ یہ غزوۂ خیبر کی داستان کا دیباچہ ہے۔

بنو نضیر اگرچہ وطن چھوڑ کر نکلے لیکن اس شان سے نکلے کہ جشن کا دھوکا ہوتا تھا۔ اونٹوں پر سوار تھے۔ ساتھ ساتھ باجا بجتا جاتا تھا مطربہ عورتیں دف بجاتی اور گاتی تھیں۔ عروۃ بن الورد عبسی مشہور شاعر کی بیوی کو یہود نے خرید لیا تھا۔ وہ بھی ساتھ ساتھ تھی۔ اہل مدینہ کا بیان ہے کہ اس سروسامان کی سواری کبھی اُن کی نظر سے نہیں گزری تھی۔ ہتھیاروں کا ذخیرہ جو ان لوگوں نے چھوڑا اس میں پچاس زرہیں، پچاس خود اور تین سو چالیس تلواریں تھیں۔ ان کے جانے کے بعد یہ جھگڑا پیش آیا کہ انصار کی اولاد جنہوں نے یہودی مذہب اختیار کر لیا تھا اور یہودی اُن کو اتحاد مذہب کی وجہ سے ساتھ لئے جاتے تھے، انصار نے اُن کو روک لیا کہ ہم ان کو جانے نہ دیں گے۔ اس پر قرآن مجید کی یہ آیت اُتری

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ۔ یعنی مذہب میں زبردستی نہیں ہے۔

Marfat.com

غزوہ مریسیع، واقعہ افکؑ

اور

غزوہ احزابؑ

۵ھ

Marfat.com

غزوہ مریسیع یا بنی المصطلق ــــــ شعبان ۵ھ

حضرت جویریہؓ کا واقعہ ــــــــــــ

واقعہ افک ــــــــــــــــ

غزوہ احزاب ـــــــــ ذیقعد ۵ھ

بنو قریظہ کا خاتمہ ــــــــــــ

حضرت زینبؓ سے نکاح ــــــــ

واقعاتِ متفرقہ ــــــــــ ۵ھ

قریش اور یہود کی متفقہ سازش نے اب مکہ سے لے کر مدینہ تک آگ لگا دی جس قدر قبائل تھے سب نے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ سب سے پہلے انمار اور ثعلبہ نے یہ ارادہ کیا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہو گئی۔ ۱۰ محرم ۵ھ کو آپؐ مدینہ سے چار سو صحابہؓ کو لے کر نکلے اور ذات الرقاع تک تشریف لے گئے لیکن آپؐ کی آمد سن کر وہ پہاڑوں میں بھاگ گئے۔

ربیع الاول ۵ھ میں یہ خبر آئی کہ دومۃ الجندل میں کفار کی ایک عظیم الشان فوج جمع ہو رہی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار کی جمعیت لے کر مدینہ سے نکلے۔ ان کو خبر ہوئی تو وہ بھاگ گئے۔

غزوۂ مریسیع یا بنی المصطلق (شعبان ۵ھ)

خزاعہ ایک قبیلہ تھا جو قریش کا حلیف تھا اور ہم عہد تھا۔ قریش کو ایک زمانہ میں یہ خیال آیا کہ ہم ابراہیمؑ کی نسل سے ہیں اس لئے ہم کو اوروں سے ہر باب میں ممتاز ہونا چاہئے حج کا ایک بڑا رکن عرفات کے میدان میں قیام کرنا ہے لیکن چونکہ یہ میدان حرم کی حدود سے باہر ہے قریش نے یہ قاعدہ قرار دیا کہ لوگ عرفات جائیں لیکن ہم کو عرفات کے بجائے مزدلفہ میں ٹھہرنا چاہیئے جو حدود حرم کے اندر ہے۔ اسی قسم کی اور امتیازی باتیں قائم کیں۔ ان خصائص کی بنا پر اپنا لقب احمس رکھا لیکن اس قدر فیاضی کی کہ جو لوگ ان پابندیوں کو قبول کر لیتے تھے

اُن کو بھی یہ لقب دے دیتے اور اُن سے رشتہ ناطہ کرتے تھے۔ قبیلہ خزاعہ کو بھی یہ شرف عطا کیا تھا۔

خزاعہ کا ایک خاندان بنو المصطلق کہلاتا تھا۔ وہ مقام مریسیع میں جو مدینہ منورہ سے منزل ہے، آباد تھا۔ اس خاندان کا رئیس حارث بن ابی ضرار تھا۔ اُس نے قریش کے اشارہ سے یا خود مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ہوئی، تو مزید تحقیقات کے لئے حضرت زیدؓ بن خصیب کو بھیجا۔ اُنہوں نے واپس آکر خبر کی تصدیق کی، آپ نے صحابہؓ کو تیاری کا حکم دیا۔ ۲ر شعبان کو فوجیں مدینہ سے روانہ ہوئیں۔ مریسیع میں خبر پہنچی، تو حارث کی جمیعت منتشر ہوگئی اور وہ خود بھی کسی طرف نکل گیا لیکن مریسیع میں جو لوگ آباد تھے اُنہوں نے صف آرائی کی اور دیر تک جم کر تیر برساتے رہے۔ مسلمانوں نے دفعتہً ایک ساتھ حملہ کیا تو اُن کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ دس آدمی مارے گئے اور باقی گرفتار ہو گئے جن کی تعداد تقریباً چھ سو تھی۔ غنیمت میں دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں ہاتھ آئیں۔

یہ لڑائی معمولی لڑائی تھی لیکن اتفاق سے بعض شہرت پذیر واقعات ایسے پیش آئے جن کی وجہ سے اس لڑائی کا خاص عنوان قائم کیا جاتا ہے۔ اس جنگ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ غنیمت کے لالچ سے بہت سے منافقین بھی فوج میں داخل ہو گئے تھے۔ یہ بدباطن ہر موقع پر فتنہ گری کی کوشش کرتے تھے۔ ایک دن چشمہ سے پانی پینے پر ایک مہاجر اور انصاری میں جھگڑا ہو گیا۔ انصاری نے عرب کے قدیم طریقہ پر یا للانصار (انصار کی جے) کا نعرہ مارا۔ مہاجر نے بھی یا معاشر المہاجرین کے نعرہ سے جواب دیا۔ نعرے سُن کر قریش و انصار نے تلواریں کھینچ لیں اور قریب تھا کہ جنگ چھڑ جائے لیکن چند لوگوں نے بیچ بچاؤ کرا دیا۔ عبداللہ بن اُبَی جو رئیس المنافقین تھا اُس کو موقع ہاتھ آیا۔ انصار سے مخاطب ہو کر کہا:

"تم نے یہ بلا خود مول لی۔ مہاجرین کو تم نے بلا کر اتنا کر دیا کہ اب وہ خود تم سے برابر کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اب بھی موقع ہاتھ سے نہیں گیا۔ تم دست گیری سے ہاتھ اٹھا لو تو وہ خود یہاں سے نکل جائیں گے۔"

یہ واقعہ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر کہا۔ حضرت عمرؓ بھی موجود تھے

غصہ سے بیتاب ہو گئے اور عرض کی:

"کسی کو ارشاد ہو اس منافق کی گردن اڑا دے۔"

آپؐ نے فرمایا:

"کیا تم یہ چرچا پسند کرتے ہو کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھ والوں کو قتل کر دیا کرتے ہیں۔"

یہ عجیب بات ہے کہ عبداللہ بن اُبی جس درجہ کا منافق اور دشمنِ اسلام تھا اُس کے صاحبزادے کہ اُن کا نام بھی عبداللہ تھا، اسی قدر اسلام کے جاں نثار تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی کی بنا پر یہ خبر پھیل گئی تھی کہ آپؐ عبداللہ بن اُبی کے قتل کا حکم دینے والے ہیں۔ یہ سُن کر وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

"دنیا جانتی ہے کہ میں باپ کا کس قدر خدمت گزار ہوں لیکن اگر یہ مرضی ہے تو مجھی کو حکم ہو۔ میں ابھی اُس کا سر کاٹ لاتا ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ آپؐ کسی اور کو حکم دیں اور میں غیرت ومحبت کے جوش میں آ کر قاتل کو قتل کر دوں۔"

آپؐ نے اطمینان دلایا کہ قتل کے بجائے میں اُس پر مہربانی کروں گا۔ یہ ارشاد اس طرح پورا ہوا کہ جب وہ مرا تو کفن کے لئے آپؐ نے خود پیراہن مبارک عنایت فرمایا۔ جنازہ کی نماز پڑھائی۔ حضرت عمرؓ نے دامن تھام لیا کہ منافق کے جنازہ کی نماز پڑھتے ہیں لیکن دریائے کرم کا بہاؤ کون روک سکتا تھا۔

حضرت جویریہؓ کا واقعہ

لڑائی میں جو لوگ گرفتار ہوئے ان میں حضرت جویریہؓ بھی تھیں۔ حضرت جویریہؓ کا باپ (حارث) رئیس عرب تھا۔ حضرت جویریہؓ جب گرفتار ہوئیں تو حارث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا:

"میری بیٹی کنیز نہیں بن سکتی۔ میری شان اس سے بالاتر ہے۔ آپؐ اس کو آزاد کر دیں۔"

آپؐ نے فرمایا:

Marfat.com

"کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ خود جویریہؓ کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے۔"

حارث نے جا کر جویریہؓ سے کہا:

"محمدؐ نے تیری مرضی پر رکھا ہے۔ دیکھنا مجھ کو رسوا نہ کرنا۔"

اُنہوں نے کہا:

"میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنا پسند کرتی ہوں۔"

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے شادی کر لی۔

حضرت جویریہؓ سے جب آپؐ نے نکاح کیا تو تمام اسیران جنگ جو اہل فوج کے حصّہ میں گئے تھے دفعتہً رہا کر دیئے گئے۔ فوج نے کہا کہ جس خاندان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کر لی وہ غلام نہیں ہو سکتا۔

واقعۂ افک

واقعۂ افک یعنی حضرت عائشہؓ پر منافقین نے جو تہمت لگائی تھی وہ اسی لڑائی سے واپسی میں پیش آیا تھا۔ احادیث اور سِیَر کی کتابوں میں اس واقعہ کو نہایت تفصیل سے نقل کیا ہے لیکن جس واقعہ کی نسبت قرآن مجید میں صاف مذکور ہے کہ سننے کے ساتھ[1] لوگوں نے

---

[1] قصۂ افک (صاحب اصح السیر کی تحقیق کے مطابق)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ تھا کہ جب جہاد پر تشریف لے جاتے تو امہات المومنینؓ کے نام قرعہ ڈالتے۔ جس کا نام نکلتا اُس کو ساتھ لے جاتے۔ اس غزوہ میں حضرت عائشہؓ ساتھ تھیں۔ فتح کے بعد جب لوٹے تو مدینہ سے ایک منزل ادھر قیام فرمایا۔ حضرت عائشہؓ حاجت ضروری کے لیئے میدان گئیں۔ وہاں سے آئیں تو دیکھا کہ گلے میں مالا نہیں ہے۔ یہ ظفار کی ایک مالا تھی جو وہ اپنی بہن سے عاریۃً لے کر آئی تھیں۔ تلاش کے لیئے واپس تشریف لے گئیں اور ادھر قافلہ کو روانگی کا حکم ہوگیا۔ حضرت عائشہ کا ہودج اٹھانے پر جو لوگ مقرر تھے انہوں نے یہ سمجھ کر کہ آپ ہودج میں تشریف رکھتی (بقیہ حاشیہ بر ص ۲۳۳)

یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ بالکل افترا ہے اس کو تفصیل کے ساتھ لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

غزوۂ احزاب (یعنی تمام عرب کی متحدہ جنگ ذیقعدہ ۵ھ)

بنو نضیر مدینہ سے نکل کر خیبر پہنچے تو انہوں نے ایک نہایت عظیم الشان سازش شروع کی۔ ان کے رؤسا میں سے سلام بن ابی الحقیق، حیی بن اخطب، کنانہ بن الربیع وغیرہ مکہ معظمہ گئے اور قریش سے مل کر کہا:

"اگر ہمارا ساتھ دو تو اسلام کا استیصال کر دیا جا سکتا ہے۔"

قریش اس کے لئے ہمیشہ تیار تھے۔ قریش کو آمادہ کر کے یہ لوگ قبیلہ غطفان کے پاس گئے۔ اور ان کو لالچ دیا کہ خیبر کا نصف محاصل ان کو ہمیشہ دیا کریں گے (اور یہ پہلے

(بقیہ حاشیہ از ص ۲۲۲) ہیں ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر کس دیا اور قافلہ روانہ ہو گیا۔

حضرت عائشہؓ جب لوٹ کر آئیں تو قافلہ جا چکا تھا۔ آپ نے یہ سوچ کر کہ لوگ جب منزل پر پہنچ کر مجھے نہ پائیں گے تو کوئی نہ کوئی تلاش کرنے کو آئے گا۔ خدا کی مرضی پر صبر کیا اور وہیں چادر لپیٹ کر لیٹ گئیں۔ رات ابھی باقی تھی نیند آ گئی۔ حضرت صفوانؓ بن معطل جو فوج کے آخر میں تھے یہاں پہنچے تو انہوں نے دیکھ کر پہچان لیا۔ اپنے اونٹ پر بٹھایا خود اونٹ کی ڈوری پکڑ کر اور تیز قدموں سے مدینے کی طرف چلے کہ لوگوں سے جلد مل جائیں۔ دن زیادہ ہو گیا تھا۔ فوج ایک منزل پر ٹھہر کر اطمینان سے بیٹھی تھی کہ اُن کا اونٹ پہنچ گیا۔

ساری فوج میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ خصوصاً عبداللہ بن اُبی نے باتیں بنا بنا کر لوگوں میں خوب پھیلائیں۔ مدینہ پہنچ کر حضرت عائشہؓ علیل ہو گئیں اور وہاں ہر جگہ تذکرہ ہونے لگا۔ یہاں تک کہ بعض مخلص مسلمان بھی ان باتوں میں آ گئے اور منافقین کی گھڑی ہوئی باتوں کا چرچا کرنے میں نادانستہ طور پر استعمال ہونے لگے۔ ان میں سے تین بزرگوں کے نام آتے ہیں۔ دربار نبویؐ کے شاعر حضرت حسان بن ثابت (بقیہ بر ص ۲۲۴)

سے بھی تیار تھے۔ قصہ غزوہ معونہ میں یاد ہوگا کہ عامر رئیس قبیلہ نے اسی غطفان کے حملہ کی دھمکی دی تھی۔ اس لئے یہ فوراً تیار ہو گئے) بنو اسد غطفان کے حلیف تھے۔ غطفان نے ان کو کہلا بھیجا کہ تم بھی فوجیں لے کر آؤ۔ قبیلہ بنو سلیم سے قریش کی قرابت تھی۔ اس تعلق سے انہوں نے بھی ساتھ دیا۔ بنو سعد کہ قبیلہ یہود کا حلیف تھا، اس بنا پر یہود نے ان کو بھی آمادہ کیا۔ غرض تمام قبائل عرب سے لشکر گراں تیار ہو کر مدینہ کی طرف بڑھا۔ فتح الباری میں تصریح ہے کہ ان کی تعداد (دس ہزار) تھی۔

یہ لشکر تین مستقل فوجوں میں تقسیم تھا۔ غطفان کی فوجیں عینیہ بن حصن فزاری کی کمان میں تھیں جو عرب کا مشہور سردار تھا۔ بنو اسد طلیحہ کی افسری میں تھے۔ قبیلہ اشجع کا سردار مسعود بن رُخیلہ تھا۔ بنو قرۃ حارث بن عوف کے ماتحت تھے۔ حارث اور طلیحہ بعد کو مسلمان ہو گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ خبریں سُنیں تو صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمانؓ فارسی ایرانی ہونے کی وجہ سے خندق کے طریقہ سے واقف تھے۔ انہوں نے رائے دی کہ کھلے میدان میں نکل کر مقابلہ کرنا مصلحت نہیں۔ ایک محفوظ مقام میں لشکر جمع کیا جائے اور گرد

(بقیہ حاشیہ از صفحہ ۲۲۳) حضرت صدیقؓ کی خالہ کے رشتہ دار مسطح بن اثاثہ اور ام المومنین حضرت زینبؓ بنت جحش کی بہن حمنہ بنت جحش۔ حضرت عائشہؓ کو اس چرچے کا کوئی علم نہ تھا۔ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کوئی تذکرہ فرمایا اور نہ ہی اُن کے والدین نے اُن سے ذکر کرنا مناسب سمجھا البتہ حضرت عائشہؓ نے محسوس کیا کہ بیماری کے عالم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لُطف وکرم اُن پر اتنا نہیں ہے جتنا پہلے ہوا کرتا تھا۔ کچھ عرصے کے بعد حضرت عائشہ نے ایک دن مسطح بن اثاثہ کی ماں کی زبانی یہ خبر سُن لی۔ انہیں اس کا سخت رنج ہوا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر اپنے والدین کے گھر چلی گئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان افواہوں کی وجہ سے بڑے کبیدہ خاطر تھے اور اکثر تنہا اور ملول رہتے تھے۔ (بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۲۲۵)

خندق کھود لی جائے۔ تمام لوگوں نے اس رائے کو پسند کیا اور خندق کھودنے کے آلات مہیا کئے گئے۔

مدینہ میں تین جانب مکانات اور نخلستان کا سلسلہ تھا جو شہر پناہ کا کام دیتا تھا۔ صرف شامی رُخ کھلا ہوا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہزار صحابہؓ کے ساتھ شہر سے باہر نکل کر اسی مقام میں خندق کی تیاریاں شروع کیں۔ یہ ذیقعدہ کی ۸ تاریخ تھی۔

(بقیہ حاشیہ از ۲۳۴) خاندانِ صدیق پر بھی یہ دور انتہائی ابتلا اور سخت پریشانی کا دور تھا۔ حضرت عائشہؓ رو رو کر نڈھال ہوتیں تو صدیق اکبرؓ روتے اور فرماتے "بیٹی صبر کر اور دیکھ خدا کیا حکم کرتا ہے"۔

اسی طرح پورا ایک مہینہ گزر گیا۔ ایک دن یکایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کے گھر میں تشریف لے آئے۔ آپؐ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: "اے عائشہؓ! مجھ کو تیرے متعلق یہ یہ باتیں معلوم ہوئی ہیں۔ اگر تو پاک ہے تو خداوند کریم خود تجھے ان سے بری فرما دے گا اور اگر تو گناہ میں مبتلا ہو گئی ہے تو خدا سے معافی طلب کر، توبہ کر اور خدا کی طرف رجوع کر۔ کیونکہ جب بندہ اپنے گناہ کا اعتراف کرتا ہے اور توبہ کرتا ہے تو خداوند کریم اس کے گناہ کو بخش دیتا ہے۔" حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں "مجھ کو اطمینان تھا۔ میں سمجھتی تھی کہ میں پاک ہوں۔ ضرور خداوند کریم اپنے رسولؐ پر حق ظاہر کرے گا۔ مگر میں اپنے کو ہرگز اس لائق نہیں سمجھتی تھی کہ میری برأت میں قرآن پاک کی آیتیں نازل ہوں گی۔ میں سمجھتی تھی کہ خواب میں یا کسی اور طرح حضورؐ کو آگاہ کر دیا جائے گا۔" ابھی ان حضرت عائشہ صدیقہؓ کی موجودگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کے آثار شروع ہوئے۔ پسینہ چہرۂ اقدس پر سے موتیوں کی طرح بہنے لگا۔ ام المومنینؓ نے حضورؐ کے سر کے نیچے تکیہ رکھ دیا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو اپنی بے گناہی کا یقین تھا۔ اس لئے انہیں اس بات کا اطمینان تھا کہ خداوند کریم حق ظاہر فرمائے گا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سے یہ کیفیت ہٹی تو آپؐ نے فرمایا:

(بقیہ حاشیہ بر ۲۳۶)

Marfat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدود خود قائم کئے۔ داغ بیل ڈال کر دس دس آدمیوں پر دس دس گز زمین تقسیم کی۔ خندق کا عمق پانچ گز رکھا گیا۔ بیس دن میں تین ہزار متبرک ہاتھوں سے انجام پائی۔

یاد ہوگا کہ جب مسجد نبویؐ بن رہی تھی تو سرور دو جہاں مزدوروں کی صورت میں تھے۔ آج بھی وہی عبرت انگیز منظر ہے۔ جاڑے کی راتیں ہیں۔ تین تین دن کا فاقہ ہے۔ مہاجرین اور انصار اپنی پیٹھوں پر مٹی لاد لاد کر پھینکتے ہیں اور جوش محبت میں ہم آواز ہو کر کہتے ہیں ؎

نحن الذی بایعوا محمدًا علی الجہاد ما بقینا ابدا

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی مٹی پھینک رہے ہیں شکم مبارک پر گرد اٹ گئی ہے اسی حالت میں یہ رجز زبان پر ہے ؎

وَاللہِ لولا اللہ ما اھتدینا وَلا تصدّقنا ولا صلّینا

پتھر کھودتے کھودتے اتفاقاً ایک سخت چٹان آگئی۔ کسی کی ضرب کام نہیں دیتی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ تین دن کا فاقہ تھا اور پیٹ پر پتھر بندھا ہوا تھا آپؐ نے دست مبارک سے پھاوڑا مارا تو چٹان ایک تودۂ خاک تھی۔

سلع کی پہاڑی کو پشت پر رکھ کر صف آرائی کی گئی۔ مستورات شہر کے محفوظ قلعوں میں بھیج دی گئیں اور چونکہ بنو قریظہ کے حملہ کا اندیشہ تھا اس لئے حضرت سلمہؓ بن اسلم ۲۰۰ آدمیوں کے ساتھ متعین کئے گئے کہ ادھر سے حملہ نہ ہونے پائے۔

بنو قریظہ کے یہود اب تک الگ تھے لیکن بنو نضیر نے ان کو ملا لینے کی کوشش کی۔ حیی بن اخطب (حضرت صفیہؓ کا باپ) خود قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس گیا۔ اُس نے ملنے سے انکار کیا۔ حیی نے کہا:

(بقیہ حاشیہ از ص ۲۳۵) اے عائشہؓ! تجھ کو بشارت ہو۔ خدا نے تجھ کو تہمت سے پاک کیا۔ تیری پاکی کی گواہی دی اور تیری شان میں قرآن پاک کی آیتیں نازل کیں۔"

(مرتب)

"میں فوجوں کا دریائے بے کراں لایا ہوں۔ قریش اور تمام عرب امنڈ آیا ہے اور ایک محمدؐ کے خون کا پیاسا ہے۔ یہ موقع ہاتھ سے دینے کے قابل نہیں۔ اب اسلام کا خاتمہ ہے۔"

کعب اب بھی راضی نہ تھا۔ اُس نے کہا:

"میں نے محمدؐ کو ہمیشہ صادق الوعد پایا ہے۔ اُن سے عہد شکنی کرنا خلافِ مروّت ہے۔"

لیکن حیی کا جادو رائیگاں نہیں جا سکتا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حال معلوم ہوا تو تحقیق اور اتمام حجت کے لئے سعدؓ بن معاذ اور حضرت سعدؓ بن عبادہ کو بھیجا اور فرمایا کہ در حقیقت بنو قریظہ نے معاہدہ توڑ دیا ہو تو وہاں سے آکر اس خبر کو مبہم لفظوں میں بیان کرنا کہ لوگوں میں بے دلی نہ پھیلنے پائے۔ دونوں صاحبوں نے بنو قریظہ کا معاہدہ یاد دلایا تو انہوں نے کہا:

"ہم نہیں جانتے کہ محمدؐ کون ہیں اور معاہدہ کیا چیز ہے۔"

غرض بنو قریظہ نے اس بے شمار فوج میں اور اضافہ کر دیا۔ قریش، یہود اور قبائل عرب کی دس ہزار فوجیں تین حصوں میں تقسیم ہو کر مدینہ کے تین طرف اس زور و شور سے حملہ آور ہوئیں کہ مدینہ کی زمین دہل گئی۔

اس معرکہ کی تصویر خود اللہ تعالیٰ نے کھینچی ہے:۔

"جب کہ دشمن اوپر کی طرف اور نشیب کی طرف سے آچڑھے اور جب آنکھیں ڈگنے لگیں اور کلیجے منہ میں آگئے اور تم خدا کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے تب مسلمانوں کی جانچ کا وقت آگیا اور وہ بڑے زور کے زلزلے میں ڈال دیئے گئے۔" (سورۂ احزاب)

فوج اسلام میں منافقوں کی تعداد بھی شامل تھی جو بظاہر مسلمانوں کے ساتھ تھے ـــــ لیکن موسم کی سختی، رسد کی قلت، متواتر فاقے، راتوں کی بے خوابی، بے شمار فوجوں کا ہجوم ایسے واقعات تھے جنہوں نے ان کا پردہ فاش کر دیا۔ آآ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگنی شروع کی کہ ہمارے گھر محفوظ نہیں۔ ہم کو شہر میں واپس چلے جانے کی اجازت دی جائے۔

Marfat.com

لیکن جاں نثارانِ اسلام کا طلائے اخلاص اسی کسوٹی پر آزمانے کے قابل تھا:

"جب مسلمانوں نے قبائل کی فوجیں دیکھیں تو بول اٹھے کہ یہ وہی ہے جس کا وعدہ خدا نے اور اُس کے رسولؐ نے کیا تھا اور خدا اور اُس کا رسولؐ دونوں سچے تھے اور اس بات نے اُن کے یقین اور اطاعت کو اور بھی بڑھا دیا۔" (احزاب ۲)

قریباً ایک مہینہ تک اس سختی سے محاصرہ قائم رہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ پر تین تین فاقے گزر گئے۔ ایک دن صحابہؓ نے بے تاب ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے شکم کھول کر دکھائے کہ پتھر بندھے ہیں لیکن جب آپؐ نے شکم مبارک کھولا تو ایک کے بجائے دو پتھر تھے۔ محاصرہ اس قدر شدید اور پرخطر ہو گیا تھا کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے خطاب کر کے فرمایا کہ کوئی ہے جو باہر نکل کر محاصرین کی خبر لائے؟ تین دفعہ آپؐ نے یہ الفاظ فرمائے لیکن حضرت زبیرؓ کے سوا اور کوئی صدا نہیں آئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی موقع پر حضرت زبیرؓ کو حواری کا لقب دیا۔

محاصرین نے ادھر تو خندق کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ ادھر دوسری سمت اس غرض سے مدینہ پر حملہ کرنا چاہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے اہل و عیال یہیں قلعوں میں پناہ گزین تھے۔

محاصرین خندق کو عبور نہیں کر سکتے تھے اس لئے دُور سے تیر اور پتھر برساتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کے مختلف حصّوں پر فوجیں تقسیم کر دی تھیں جو محاصرین کے حملوں کا مقابلہ کرتی تھیں۔ ایک حصّہ خود آپؐ کے اہتمام میں تھا۔

محاصرہ کی سختی دیکھ کر آپؐ کو خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ انصار ہمّت ہار جائیں۔ اس لئے آپ نے غطفان سے اس شرط پر معاہدہ کرنا چاہا کہ مدینہ کی پیداوار کا ایک ثلث ان کو دے دیا جائے حضرت سعدؓ بن عبادہ اور حضرت سعدؓ بن معاذ کو جو روسائے انصار تھے بلا کر مشورہ کیا۔ دونوں نے عرض کی کہ اگر یہ خدا کا حکم ہے تو انکار کی مجال نہیں لیکن اگر رائے ہے تو یہ عرض ہے کہ کفر کی حالت میں بھی کوئی شخص ہم سے خراج مانگنے کی جرأت نہ کر سکا اور اب تو اسلام نے ہمارا پایہ بہت بلند کر دیا ہے۔ یہ استقلال دیکھ کر آپؐ کو اطمینان ہوا۔ حضرت سعدؓ نے معاہدہ کا

غذ ہاتھ میں لے کر تمام عبارت مٹا دی اور کہا:

"ان لوگوں سے جو بن آئے کر دکھائیں"

اب مشرکوں کی طرف سے حملہ کا یہ انتظام کیا گیا کہ قریش کے مشہور جنرل یعنی ابو سفیان، خالد بن ولید، عمرو بن العاص، ضرار ابن الخطاب، ہبیرہ کا ایک ایک دن مقرر ہوا۔ ہر جنرل اپنی باری کے دن پوری فوج کو لے کر لڑتا تھا۔ خندق کو عبور نہیں کر سکتے تھے لیکن خندق کا عرض چونکہ زیادہ نہ تھا اس لئے باہر سے تیر اور پتھر برساتے تھے۔

چونکہ اس طریقہ میں کامیابی نہیں ہوئی اس لئے قرار پایا کہ اب عام حملہ کیا جائے۔ تمام فوجیں یکجا ہوئیں۔ قبائل کے تمام سردار آگے آگے تھے۔ خندق ایک جگہ سے اتفاقاً کم عریض تھی۔ یہ موقع حملہ کے لئے انتخاب کیا گیا۔ عرب کے مشہور بہادروں یعنی ضرار، ہبیرہ، نوفل، عمرو بن عبدود نے خندق کے اس کنارے سے گھوڑوں کو مہمیز کیا تو اُڑ کر پار تھے۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور بہادر عمرو بن عبدود تھا۔ وہ ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا۔ جنگ بدر میں زخمی ہو کر واپس چلا گیا تھا اور قسم کھائی تھی کہ جب تک انتقام نہ لوں گا بالوں میں تیل نہ ڈالوں گا۔ اس وقت اس کی عمر نوّے برس تھی۔ تاہم سب سے پہلے وہی آگے بڑھا اور عرب کے دستور کے مطابق پکارا:

"مقابلہ کو کون آتا ہے؟"

حضرت علیؓ نے اٹھ کر کہا:

"میں ——!"

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا کہ عمرو بن عبدود ہے۔ حضرت علیؓ بیٹھ گئے لیکن عمرو کی آواز کا اور کسی طرف سے جواب نہیں آتا تھا۔ عمرو دوبارہ پکارا اور پھر وہی صرف ایک صدا جواب میں تھی۔ تیسری دفعہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ عمرو ہے تو حضرت علیؓ نے عرض کی:

"ہاں میں جانتا ہوں کہ یہ عمرو ہے۔"

غرض آپؐ نے اجازت دی۔ خود دستِ مبارک سے تلوار عنایت کی۔ سر پر عمامہ باندھا۔

Marfat.com

عمرو کا قول تھا کہ کوئی شخص دنیا میں اگر مجھ سے تین باتوں کی درخواست کرے تو ایک ضرور قبول کروں گا۔ حضرت علیؓ نے عمرو سے پوچھا کہ کیا واقعی یہ تیرا قول ہے۔ پھر حسب ذیل گفتگو ہوئی:

حضرت علیؓ ـــــ میں درخواست کرتا ہوں کہ تو اسلام لا۔

عمرو ـــــ یہ نہیں ہو سکتا۔

حضرت علیؓ ـــــ لڑائی سے واپس چلا جا۔

عمرو ـــــ میں خاتونانِ قریش کا طعنہ نہیں سن سکتا۔

حضرت علیؓ ـــــ مجھ سے معرکہ آرا ہو۔

عمرو ہنسا اور کہا:

"مجھ کو امید نہ تھی کہ آسمان کے نیچے یہ درخواست بھی میرے سامنے پیش کی جائے گی"

حضرت علیؓ پیادہ تھے۔ عمرو کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا۔ گھوڑے سے اتر آیا اور پہلے تلوار گھوڑے کے پاؤں پر ماری کہ کونچیں کٹ گئیں۔ پھر پوچھا:

"تم کون ہو؟"

آپ نے نام بتایا۔ اُس نے کہا:

"میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا"

آپ نے فرمایا:

"ہاں ـــ لیکن میں چاہتا ہوں"

عمرو اب غصّہ سے بے تاب تھا۔ پرتلے سے تلوار نکالی اور آگے بڑھ کر وار کیا۔ حضرت علیؓ نے سپر پر روکا لیکن تلوار سپر میں ڈوب کر نکل آئی اور پیشانی پر لگی۔ گو زخم کاری نہ تھا تاہم یہ طغرا آپ کی پیشانی پر یادگار رہ گیا۔ قاموس میں لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کو ذوالقرنین بھی کہتے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی پیشانی پر دو زخموں کے نشان تھے۔ ایک عمرو کے ہاتھ کا اور ایک ابن ملجم کا۔ دشمن کا وار ہو چکا تو حضرت علیؓ نے وار کیا۔ اُن کی تلوار شانہ کاٹ کر نیچے اتر آئی۔ ساتھ ہی حضرت علیؓ نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور فتح کا اعلان ہو گیا۔ عمرو کے بعد ضرار اور ہبیرہ نے حملہ کیا لیکن جب ذوالفقار کا ہاتھ بڑھا تو پیچھے ہٹنا پڑا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ضرار کا تعاقب کیا۔

Marfat.com

مزار نے مڑ کر برچھے کا وار کرنا چاہا لیکن ۔ ہملہ لیا اور کہا:

"عمرؓ ۔۔۔! اس احسان کو یاد رکھنا۔"

نوفل بھاگتے ہوئے خندق میں گرا۔ صحابہؓ نے تیر مارنے شروع کئے ۔ اُس نے کہا:

"مسلمانو ۔۔۔! میں شریفانہ موت چاہتا ہوں۔"

حضرت علیؓ نے درخواست منظور کی اور خندق میں اتر کر تلوار سے مارا کہ شریفوں کے شایان تھا۔

حملہ کا یہ دن بہت سخت تھا۔ تمام دن لڑائی رہی ۔ کفار ہر طرف سے تیر اور پتھروں کا مینہ برسا رہے تھے اور ایک دم کے لئے یہ بارش تھمنے نہ پاتی تھی۔ یہی دن ہے جس کا ذکر احادیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متصل چار نمازیں قضا ہوئیں ۔ متصل تیر اندازی اور سنگ باری سے جگہ سے ہٹنا ناممکن تھا۔

مستورات جس قلعہ میں تھیں بنو قریظہ کی آبادی سے متصل تھا ۔ یہودیوں نے یہ دیکھ کر کہ تمام جمیعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے قلعہ پر حملہ کیا ۔ ایک یہودی قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ گیا اور قلعہ پر حملہ کرنے کا موقع ڈھونڈ رہا تھا کہ حضرت صفیہؓ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپی) نے دیکھ لیا ۔ مستورات کی حفاظت کے لئے حضرت حسان (شاعر) متعین کر دیئے گئے تھے ۔ حضرت صفیہؓ نے اُن سے کہا کہ اتر کر اس کو قتل کر دو ورنہ یہ جا کر دشمنوں کو پتہ دے گا۔

حضرت حسان کو ایک عارضہ ہو گیا تھا جس نے اُن میں اس قدر جبن پیدا کر دیا تھا کہ وہ لڑائی کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتے تھے ۔ اس بنا پر اپنی معذوری ظاہر کی اور کہا کہ میں اس کام کا ہوتا تو یہاں کیوں ہوتا ۔ حضرت صفیہؓ نے خیمہ کی ایک چوب اکھاڑ لی اور اتر کر یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ سر پھٹ گیا ۔ حضرت صفیہؓ چلی آئیں اور حسان سے کہا:

"ہتھیار اور کپڑے چھین لاؤ۔"

حسان نے کہا:

"جانے بھی دیجئے، مجھ کو اس کی ضرورت نہیں۔"

حضرت صفیہؓ نے کہا:

Marfat.com

"اچھا جاؤ، اس کا سر کاٹ کر قلعہ کے نیچے پھینک دو کہ یہودی مرعوب ہو جائیں"۔
لیکن یہ خدمت بھی حضرت صفیہؓ ہی کو انجام دینا پڑی۔ یہودیوں کو یقین ہوا کہ قلعہ میں کچھ فوج متعین ہے۔ اس خیال سے پھر انہوں نے حملہ کی جرأت نہ کی۔

محاصرہ کو جس قدر طول ہوتا جاتا تھا، محاصرہ کرنے والے ہمت ہارتے جاتے تھے دس ہزار آدمیوں کو رسد پہنچانا آسان کام نہ تھا۔ پھر باوجود سردی کے موسم کے اس زور کی ہوا چلی کہ طوفان آگیا۔ خیموں کی طنابیں اکھڑ اکھڑ گئیں۔ کھانے کے دیگچے چولہوں پر الٹ الٹ جاتے تھے۔ اس واقعہ نے فوجوں سے بڑھ کر کام کیا۔

نعیم بن مسعود اشجعی ایک غطفانی رئیس تھے۔ قریش اور یہود دونوں ان کو مانتے تھے وہ اسلام لاچکے تھے لیکن کفار کو ابھی اس کا علم نہ تھا۔ انہوں نے قریش اور یہود سے الگ الگ جاکر اس قسم کی باتیں کیں جن سے دونوں میں پھوٹ پڑ گئی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ کتاب المغازی باب غزوۂ خندق اور البدایہ والنہایہ ابن کثیر میں موسیٰ بن عقبیٰ کی ایک روایت ہے۔ اس کی رو سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بنو قریظہ نے اس جنگ میں شرکت اسی شرط کے ساتھ کی تھی کہ قریش ضمانت کے طور پر اپنے کچھ معزز آدمی بنو قریظہ کے سپرد کریں گے لیکن انہوں نے اپنی یہ شرط پوری نہیں کی اور اس لئے اُن کے دل میں قریش کی طرف سے بے اطمینانی پیدا ہوئی اور اُنہوں نے خفیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شرط کے ساتھ مصالحت کا پیغام بھیجا کہ بنو نضیر کو جو خیبر کو جلاوطن کر دیئے گئے تھے پھر مدینہ آنے کی اجازت دے دی جائے۔ نعیم بن مسعود اشجعی جو اسی موقع پر مسلمان ہونے آئے تھے ایک ایسے آدمی تھے جو پیٹ کے ہلکے تھے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے دانستہ راز کے طور پر بنو قریظہ کے اس مخفی پیغام کا ذکر فرما دیا۔ اُنہوں نے جاکر یہ قریش تک پہنچا دیا۔ اس سے قریش کو بنو قریظہ سے بدگمانی پیدا ہو گئی اور اس طرح قریش اور بنو قریظہ کے اتفاق کا رشتہ ٹوٹ گیا۔)

بہرحال موسم کی سختی، محاصرہ کا امتداد، آندھی کا زور، رسد کی قلت، یہود کی علیحدگی، تمام اسباب ایسے جمع ہو گئے تھے کہ قریش کے پائے ثبات اب ٹھہر نہیں سکتے تھے۔ ابوسفیان

نے فوج سے کہا:

"رسد ختم ہو چکی۔ موسم کا یہ حال ہے کہ یہود نے ساتھ چھوڑ دیا۔ اب محاصرہ بے کار ہے۔"

یہ کہہ کر طبل رحیل بجنے کا حکم دیا۔ غطفان بھی اس کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ بنو قریظہ محاصرہ چھوڑ کر اپنے قلعوں میں چلے آئے اور مدینہ کا افق ۲۰۔۲۲ دن تک غبار آلود رہ کر صاف ہو گیا۔

اس معرکہ میں فوج اسلام کا جانی نقصان کم ہوا لیکن انصار کا سب سے بڑا بازو ٹوٹ گیا یعنی حضرت سعدؓ بن معاذ جو قبیلہ اوس کے سردار تھے زخمی ہوئے اور پھر جانبر نہ ہو سکے ان کے زخم کھانے کا واقعہ مؤثر اور عبرت انگیز ہے۔

حضرت عائشہ جس قلعہ میں پناہ گزیں تھیں حضرت سعدؓ بن معاذ کی ماں بھی وہیں ان کے ساتھ تھیں۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ میں قلعہ سے نکل کر باہر پھر رہی تھی۔ عقب سے پاؤں کی آہٹ معلوم ہوئی۔ مڑ کر دیکھا تو سعدؓ ہاتھ میں حربہ لیے جوش کی حالت میں بڑی تیزی سے بڑھے جا رہے ہیں اور یہ شعر زبان پر ہے:-

"ذرا ٹھہر جا تا کہ لڑائی میں ایک اور شخص پہنچ جائے۔ وقت جب آ گیا تو موت سے کیا ڈر۔"

حضرت سعدؓ کی ماں نے سنا تو پکاریں:

"بیٹا دوڑ کر جا، تو نے دیر لگا دی۔"

سعدؓ کی زرہ اس قدر چھوٹی تھی کہ ان کے دونوں ہاتھ باہر تھے۔ حضرت عائشہؓ نے سعدؓ کی ماں سے کہا، کاش سعدؓ کی زرہ لمبی ہوتی۔ اتفاق یہ کہ ابن العرقہ نے تاک کر کھلے ہاتھ پر تیر مارا جس سے اکحل کی رگ کٹ گئی۔ خندق کا معرکہ ہو چکا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے لیے مسجد کے صحن میں ایک خیمہ کھڑا کرایا اور اُن کی تیمارداری شروع کی۔ اس لڑائی میں رفیدہ ایک خاتون شریک تھیں جو اپنے پاس دوائیں رکھتی تھیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ یہ خیمہ انہی کا تھا اور وہ علاج کی نگران تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دستِ مبارک میں مشقص لے کر داغا لیکن پھر ورم کر آیا۔ دوبارہ داغا لیکن پھر فائدہ نہ ہوا کئی دن کے بعد یعنی بنو قریظہ کی

Marfat.com

ہلاکت کے بعد زخم کھل گیا اور انہوں نے وفات پائی۔

بنو قریظہ کا خاتمہ

اُوپر گزر چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آغاز قیام میں یہود کے ساتھ معاہدہ کیا تھا اور اُن کو جان و مال و مذہب ہر چیز میں امن و آزادی بخشی لیکن جب قریش نے ان کو تحریص و تہدید کا خط لکھا تو وہ آمادۂ بغاوت ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے تجدید معاہدہ کرنی چاہی، بنو نضیر نے انکار کیا اور جلا وطن کر دیے گئے لیکن بنو قریظہ نے نئے سرے سے معاہدہ کر لیا۔ چنانچہ ان کو امن دے دیا گیا۔

بنو نضیر جب جلا وطن ہوئے تو اُن کے رئیس الاعظم حیی بن اخطب، ابو رافع، سلام بن ابی الحقیق خیبر میں جا کر آباد ہوئے اور وہاں ریاستِ عام حاصل کر لی۔ جنگ احزاب ان ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔ قریظہ نے احزاب میں علانیہ شرکت کی اور شکست کھا کر ہٹ آئے تو اسلام کے سب سے بڑے دشمن حیی بن اخطب کو ساتھ لائے۔

اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ ان کا آخری فیصلہ کیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب سے فارغ ہو کر حکم دیا کہ ابھی لوگ ہتھیار نہ کھولیں اور قریظہ کی طرف بڑھیں۔ قریظہ اگر صلح و آشتی سے پیش آتے تو قابل اطمینان تصفیہ کے بعد اُن کو امن دیا جاتا لیکن وہ مقابلہ کا فیصلہ کر چکے تھے۔ فوج سے آگے بڑھ کر جب حضرت علیؓ اُن کے قلعوں کے پاس پہنچے تو انہوں نے علانیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) گالیاں دیں۔ غرض ان کا محاصرہ کیا گیا اور تقریباً ایک مہینہ محاصرہ رہا۔ بالآخر انہوں نے درخواست پیش کی کہ حضرت سعدؓ بن معاذ جو فیصلہ کریں ہم کو منظور ہے۔

حضرت سعدؓ بن معاذ اور اُن کا قبیلہ اوس قریظہ کا حلیف اور ہم عہد تھا۔ عرب میں یہ تعلق ہم نسبی سے بڑھ کر تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی درخواست منظور کی۔

قرآن مجید میں جب تک کوئی خاص حکم نہیں آتا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم توراۃ کے احکام کی پابندی فرماتے تھے۔ چنانچہ اکثر مسائل مثلاً قبلۂ نماز، رجم، قصاص بالمثل وغیرہ وغیرہ میں

Marfat.com

جب تک خاص وحی نہیں آئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توراۃ ہی کی پابندی فرمائی۔ حضرت سعدؓ نے جو فیصلہ کیا یعنی یہ کہ لڑنے والے قتل کئے جائیں، عورتیں اور بچے قید ہوں، مال و اسباب غنیمت قرار دیا جائے، توراۃ کے مطابق تھا۔ احادیث میں مذکور ہے کہ سعدؓ نے جب یہ فیصلہ دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے یہ آسمانی فیصلہ کیا۔ یہ اسی توراۃ کے حکم کی طرف اشارہ تھا۔ یہودیوں کو جب یہ حکم سنایا گیا تو جو فقرے اُن کی زبان سے نکلے اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ خود بھی اسی فیصلہ کو حکمِ الٰہی کے موافق سمجھتے تھے۔

حیّی بن اخطب جو ان تمام فتن کا بانی تھا مقتل میں لایا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اُس نے نظریں اٹھا کر دیکھا اور یہ فقرے کہے:-

"ہاں خدا کی قسم! مجھ کو اس کا افسوس نہیں کہ میں نے کیوں تیری عداوت کی لیکن بات یہ ہے کہ جو شخص خدا کو چھوڑ دیتا ہے خدا بھی اُس کو چھوڑ دیتا ہے۔ لوگو! خدا کے حکم کی تعمیل میں کچھ مضائقہ نہیں۔ یہ ایک حکم الٰہی تھا۔ یہ لکھا ہوا تھا۔ ایک سزا تھی جو خدا نے بنو اسرائیل پر لکھی تھی۔"

مقتولین کی تعداد ارباب سیرؒ نے چھ سو سے زیادہ بیان کی ہے لیکن صحاح میں چار سو ہے۔ ان میں صرف ایک عورت تھی اور وہ اس قصاص میں ماری گئی تھی کہ اس نے قلعہ پر سے ایک پتھر گرا کر ایک مسلمان (خلاد) کو قتل کر دیا تھا۔ اس عورت نے جس جرأت اور دلیری سے جان دی، سنن ابوداؤد میں حسب ذیل حیرت انگیز طریقہ سے مذکور ہے:-

اُس کو معلوم ہو چکا تھا کہ مقتولین کی فہرست میں اُس کا نام بھی ہے۔ قتل گاہ میں مجرم آتے اور عدم کو روانہ ہوتے جاتے تھے۔ ایک ایک کا نام پکارا جاتا تھا اور یہ ہوش رُبا صدا بار بار اُس کے کانوں میں آتی تھی۔ لیکن وہ بے تکلف حضرت عائشہؓ سے باتیں کرتی جاتی اور بات بات پر ہنستی جاتی۔ دفعتہً قاتل نے اُس کا نام پکارا۔ وہ بے تکلف اٹھ کھڑی ہوئی۔ حضرت عائشہؓ نے پوچھا:

"کہاں ــ؟"

Marfat.com

بولی:

"میں نے ایک جرم کیا تھا اُس کی سزا اٹھانے جاتی ہوں"
خوشی خوشی قتل گاہ میں آئی اور تلوار کے نیچے سر رکھ دیا۔ حضرت عائشہؓ جب اس واقعہ
کو بیان کرتی تھیں تو نہایت حیرت کے لہجہ میں بیان کرتی تھیں۔

حضرت زینبؓ سے نکاح

اس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ سے نکاح کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زیدؓ کو جو آپؐ کے آزاد کردہ غلام تھے تبنیٰ بنا لیا تھا۔ جب وہ سن بلوغ کو پہنچے تو آپؐ نے اُن کی شادی حضرت زینبؓ سے کرنی چاہی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپھیری بہن تھیں۔ (ان کی ماں امیمہ عبدالمطلب کی بیٹی تھیں) لیکن چونکہ وہ غلام رہ چکے تھے اس لئے حضرت زینبؓ کو یہ نسبت گوارا نہ تھی۔ لیکن بالآخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیل ارشاد کے لحاظ سے راضی ہو گئیں۔ قریباً ایک سال تک حضرت زیدؓ کے نکاح میں رہیں لیکن دونوں میں ہمیشہ شکر رنجی رہتی تھی۔ یہاں تک کہ زیدؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر شکایت کی اور اُن کو طلاق دینا چاہی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بار بار اُن کو سمجھاتے تھے کہ طلاق نہ دیں۔ لیکن کسی طرح صحبت برآ نہ ہو سکے اور آخر حضرت زیدؓ نے اُن کو طلاق دے دی۔ حضرت زینبؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بہن تھیں اور آپؐ ہی کی تربیت میں پلی تھیں۔ آپؐ کے فرمانے سے اُنہوں نے یہ رشتہ منظور کر لیا تھا جو اُن کے نزدیک اُن کے خلافِ شان تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو مساواتِ اسلامی قائم کرنا چاہتے تھے اس میں آزاد و غلام کی کوئی تمیز نہ تھی۔ بہر حال جب وہ مطلقہ ہو گئیں تو آپؐ نے اُن کی دلجوئی کے لئے خود اُن سے نکاح کر لینا چاہا۔ لیکن عرب میں اس وقت تبنیٰ اصلی بیٹے کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے عام لوگوں کے خیال سے آپؐ تامل فرماتے تھے۔ لیکن چونکہ یہ محض جاہلیت کی رسم تھی اور اس کا مٹانا مقصود تھا اس لئے یہ آیت نازل ہوئی۔

"اور تم اپنے دل میں وہ بات چھپاتے ہو جس کو خدا ظاہر کر دینے والا ہے۔

Marfat.com

اور تم لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ ڈرنا خدا سے چاہیئے۔"

(احزاب ــــ ۵)

غرض آپؐ نے حضرت زینبؓ سے نکاح کر لیا اور جاہلیت کی ایک قدیم رسم کہ متبنیٰ اصلی بیٹے کا حکم رکھتا ہے مٹ گئی۔ اس پر منافقوں اور بدگویوں نے طعنے دیئے لیکن امر حق کے اجراء میں مطاعن کا آماجگاہ بننا لازمی ہے۔

واقعاتِ متفرقہ (۵ھ)

اس سال کی تاریخ مذہبی میں سب سے اہم واقعات عورتوں کے متعلق متعدد اصلاحی احکام کا نزول ہے۔ اب تک مسلمان عورتیں عام جاہلانہ طریق سے چلتی پھرتی تھیں اور اسی قسم کے لباس و زیور پہنتی تھیں۔ اب حکم ہوا کہ شریف عورتیں گھر سے نکلیں تو ایک بڑی چادر اوڑھ کر گھونگٹ نکال لیا کریں جس سے منہ بھی چھپ جائے۔ آنچل سینہ پر ڈال کر چلیں۔ پاؤں جھٹک جھٹک کر نہ چلیں۔ پردہ کی اوٹ سے بولیں۔ تصنع اور بناؤ کی بولی نہ بولیں۔ ازواج مطہراتؓ کے لئے غیر مردوں کے سامنے آنا قطعاً ممنوع ہوا۔

منہ بولے لڑکے کی بیوی سے جاہلیت میں بیاہ ناجائز تھا۔ اس رسم کی اصلاح بھی اسی سال ہوئی۔ زنا کی سزا سو کوڑے بھی اسی سال نازل ہوئی۔ عفیف عورتوں پر الزام لگانا جاہلیت کا ایک معمولی فعل تھا اور ان کمزوروں کے پاس اس حملہ کو روکنے کی کوئی قانونی سپر نہ تھی۔ اس سال حد قذف نازل ہوئی جس کی رُو سے بغیر شہادت کے تہمت تہام جرم قرار دیا گیا بصورت عدم وجود شہادت لعان کا طریقہ بتایا گیا یعنی زن و شوہر دونوں اپنی سچائی اور فریق ثانی کی دروغ گوئی کا بہ حلف اظہار کریں اور اس کے بعد ان میں تفرقہ کرا دیا جائے۔

عرب میں ایک قسم کی طلاق جاری تھی جس کو ظہار کہتے تھے۔ اس سال اس قسم کی طلاق غیر مؤثر قرار دی گئی اور اس کے لئے کفارہ مقرر کیا گیا۔

Marfat.com

پانی نہ ملنے کی حالت میں تیمم کی مشروعیت بھی اسی سال کا حکم ہے۔ بروایت صحیح نماز خوف کا حکم قرآن مجید میں اسی سال نازل ہوا۔

صلح حدیبیہ اور بیعتِ رضوان

(ذیقعد سنہ ۶ھ)

Marfat.com

مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ایک کنواں ہے جس کو حدیبیہ کہتے ہیں۔ گاؤ
بھی اسی کنوئیں کے نام سے مشہور ہو گیا۔ چونکہ معاہدہ صلح یہیں لکھا گیا اس لئے اس وا
کو صلح حدیبیہ کہتے ہیں۔ تاریخ اسلام میں یہ واقعہ نہایت اہم یعنی اسلام کی تمام آئند
کامیابیوں کا دیباچہ ہے اور اسی بنا پر باوجود اس کے کہ صرف ایک صلح کا معاہدہ تھا
صلح بھی بظاہر مغلوبانہ تھی تاہم خدا نے قرآن مجید میں اس کو فتح کا لقب دیا ہے۔

مسلمان بہ جبر مکہ سے نکالے گئے تھے لیکن یہ خیال اُن کے دل سے نہیں گیا تھا او
جا سکتا تھا کہ کعبہ پر ان کا بھی کم از کم اسی قدر حق ہے جس قدر اور قبائل کا ہے۔ اس کے س
مکہ سے مسلمانوں کو گوناگوں تعلقات تھے۔ وہ ان کا قدیم اور محبوب وطن تھا۔ مکہ کی یاد ایک
پھانس تھی جو ہر وقت اُن کے کلیجے میں کھٹکتی رہتی تھی۔ حضرت بلالؓ مکہ میں اس قدر ستائے گ
تھے تاہم اُن کو جب مکہ یاد آتا تو روتے تھے۔ اکثر مہاجرین جان بچا کر نکل آئے تھے لیک
خاندان اور بال بچے وہیں رہ گئے تھے۔ اسلام کے فرائض چہارگانہ میں حج کعبہ ایک رکن عظ
ہے۔

غرض مختلف اسباب تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کا ارادہ کیا اور اس غرض
سے کہ قریش کو کوئی اور احتمال نہ ہو عمرہ کا احرام باندھا اور قربانی کے اونٹ ساتھ لئے
یہ بھی حکم دیا کہ کوئی شخص ہتھیار باندھ کر نہ آئے۔ صرف تلوار جو عرب میں سفر کا ضروری
سمجھی جاتی تھی پاس رکھ لی جائے۔ اس میں بھی یہ شرط ہے کہ نیام میں بند ہو۔

چونکہ مہاجرین عموماً اور اکثر انصار اس سعادت کے منتظر تھے، چودہ سو شخص اس سفر

ہمرکاب ہوئے۔ مقام ذوالحلیفہ میں پہنچ کر قربانی کی ابتدائی رسمیں ادا ہوگئیں۔ یعنی قربانی کے اونٹ ساتھ تھے، ان کی گردنوں میں قربانی کی علامت کے طور پر لوہے کے نعل لگا دیئے گئے احتیاط کے لئے قبیلۂ خزاعہ کا ایک شخص جس کے اسلام لانے کا حال قریش کو معلوم نہ تھا پہلے بھیج دیا گیا کہ قریش کے ارادہ کی خبر لائے۔ جب قافلہ عسفان کے قریب پہنچا اس نے آکر خبر دی کہ قریش نے تمام قبائل (احابیش) کو یکجا کر کے کہہ دیا ہے کہ محمدؐ مکہ میں کبھی نہیں آسکتے۔

غرض قریش نے بڑے زور شور سے مقابلہ کی تیاری کی۔ قبائل متحدہ کے پاس پیغام بھیجا۔ وہ جمعیت عظیم لے کر آئے۔ مکہ سے باہر بلدح ایک مقام پر فوجیں فراہم ہوئیں۔ خالد بن ولید جواب تک اسلام نہیں لائے تھے، دو سو سوار لے کر، جن میں ابوجہل کا بیٹا عکرمہ بھی تھا، مقدمۃ الجیش کے طور پر آگے بڑھے اور غمیم تک پہنچ گئے جو رابغ اور جحفہ کے درمیان ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریش نے خالد کو طلیعہ بنا کر بھیجا ہے اور وہ مقام غمیم تک آگئے ہیں، اس لئے کترا کر داہنی طرف سے چلو۔ فوج اسلام جب غمیم کے قریب پہنچ گئی تو خالد کے گھوڑوں کی گرد اڑتی نظر آئی۔ وہ گھوڑا اڑاتے ہوئے گئے اور قریش کو خبر کی کہ لشکر اسلام غمیم تک آگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور حدیبیہ میں پہنچ کر مقام کیا۔ یہاں پانی کی قلت تھی۔ ایک کنواں تھا وہ پہلی ہی آمد میں ختم ہوگیا۔ اعجاز نبویؐ سے اس میں اس قدر پانی آگیا کہ سب سیراب ہوگئے۔

قبیلہ خزاعہ نے اب تک اسلام نہیں قبول کیا تھا لیکن اسلام کے حلیف اور رازدار تھے۔ قریش اور عام کفار جو منصوبے اسلام کے خلاف کیا کرتے تھے وہ ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے مطلع کر دیا کرتے تھے۔ اس قبیلے کے رئیس اعظم بدیل بن ورقاء تھے (فتح مکہ میں اسلام لائے) ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا معلوم ہوا تو چند آدمی ساتھ لے کر بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

"قریش کی فوجوں کا سیلاب آرہا ہے وہ آپؐ کو کعبہ میں نہ جانے دیں گے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"قریش سے جا کر کہہ دو کہ ہم عمرہؓ کی غرض سے آئے ہیں، لڑنا مقصود نہیں۔ جنگ نے قر
کی حالت زار کر دی ہے اور اُن کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔ اُن کے لئے یہ بہتر ہے کہ ایک
معیّن کے لئے معاہدۂ صلح کریں اور مجھ کو عرب کے ہاتھ میں چھوڑ دیں۔ اس پر بھی اگر وہ راضی نہ
تو اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں یہاں تک لڑوں گا کہ میری گردن الگ ہو جا
اور خدا کو جو فیصلہ کرنا ہو کر دے۔"

بدیل نے جا کر قریش سے کہا:

"میں محمدؐ کے پاس سے پیغام لے کر آیا ہوں۔ اجازت دو تو کہوں۔"

چند شریر بول اٹھے۔

"ہم کو محمدؐ کے پیغام سننے کی ضرورت نہیں۔"

لیکن سنجیدہ لوگوں نے اجازت دی۔ بدیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شرطیں بیا
کیں۔ عروہ بن مسعود ثقفی نے اٹھ کر کہا:

"کیوں قریش کیا میں تمہارا باپ اور تم میرے بچے نہیں؟"

بولے،

"ہاں ــــ!"

عروہ نے کہا:

"میری نسبت تم کو کوئی بدگمانی تو نہیں؟"

سب نے کہا، "نہیں ــــ!"

عروہ نے کہا:

"اچھا ــ تو مجھ کو اجازت دو کہ میں خود جا کر معاملہ طے کر دوں۔ محمدؐ نے معقول شرط

ؓ عمرہ، گویا ایک چھوٹا سا حج ہے جس میں حج کی اکثر رسمیں ادا کی جاتی ہیں یعنی اس میں حرم سے باہر میقات سے احرام باندھ کر صرف صفا اور مروہ کے درمیان سعی اور کعبہ کا طواف کیا جاتا ہے اور بال منڈوائے یا کتروائے جاتے ہیں۔ (س)

Marfat.com

پیش کی ہیں۔"

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ قریش کا پیغام سنایا اور کہا:

"محمدؐ! فرض کرو کہ تم نے قریش کا استیصال کر دیا تو کیا اس کی کوئی اور بھی مثال ہے کہ کسی نے اپنی قوم کو خود برباد کر دیا ہو۔ اس کے سوا اگر لڑائی کا رُخ بدلا تو تمہارے ساتھ جو یہ بھیڑ ہے گرد کی طرح اڑ جائے گی۔"

حضرت ابوبکرؓ کو اس بدگمانی پر اس قدر غصہ آیا کہ گالی دے کر کہا:

"کیا ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔"

عروہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

"یہ کون ہے؟"

آپؐ نے فرمایا ——— "ابوبکر!"

عروہ نے کہا:

"میں ان کی سخت کلامی کا جواب دیتا لیکن ان کا ایک احسان میری گردن پر ہے جس کا بدلہ میں ابھی تک ادا نہیں کر سکا۔"

عروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بے تکلفانہ طریقے سے گفتگو کر رہا تھا اور جیسا کہ عرب کا قاعدہ ہے کہ بات کرتے کرتے مخاطب کی داڑھی پکڑ لیتے ہیں، وہ ریش مبارک پر بار بار ہاتھ ڈالتا تھا۔ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ جو ہتھیار لگائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر کھڑے تھے اس جرأت کو گوارا نہ کر سکے۔ عروہ سے کہا:

"اپنا ہاتھ ہٹا لے ورنہ یہ ہاتھ بڑھ کر واپس نہ جا سکے گا۔"

عروہ نے حضرت مغیرہؓ کو پہچانا اور کہا:

"او دغا باز ——— ! کیا میں تیری دغابازی کے معاملہ میں تیرا کام نہیں کر رہا ہوں۔"

حضرت مغیرہؓ نے چند آدمی قتل کر دیئے تھے جن کا خوں بہا عروہ نے اپنے پاس سے ادا کیا تھا۔

عروہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کی حیرت انگیز عقیدت کا جو منظر

Marfat.com

دیکھا، اُس نے اُس کے دل پر عجیب اثر کیا۔ قریش سے جا کر کہا:

"میں نے قیصر و کسریٰ و نجاشی کے دربار دیکھے ہیں۔ یہ عقیدت اور وارفتگی کہیں نہیں دیکھی (صلی اللہ علیہ وسلم) بات کرتے ہیں تو سناٹا چھا جاتا ہے۔ کوئی شخص اُن کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتا۔ وہ وضو کرتے ہیں تو پانی جو گرتا ہے، اُس پر خلقت ٹوٹ پڑتی ہے۔ بلغم یا تھوک گرتا ہے تو عقیدت کیش ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں اور چہرہ اور ہاتھوں میں مل لیتے ہیں۔"

چونکہ معاملہ ناتمام رہ گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خراش بن امیہ کو قریش کے پاس بھیجا لیکن قریش نے اُن کی سواری کے اونٹ کو جو خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کا تھا، مار ڈالا۔ اور خود اُن پر بھی یہی گزرنے والی تھی لیکن قبائل متحدہ کے لوگوں نے بچا لیا اور وہ کسی طرح جان بچا کر چلے آئے۔

اب قریش نے ایک دستہ بھیجا کہ مسلمانوں پر حملہ آور ہو لیکن یہ لوگ گرفتار کر لئے گئے۔ گو یہ سخت شرارت تھی لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن عفو اس سے زیادہ وسیع تھا۔ آپ نے سب کو چھوڑ دیا اور معافی دے دی۔

بیعتِ رضوان

بالآخر آپؐ نے گفتگوئے صلح کے لئے حضرت عمرؓ کو انتخاب کیا لیکن انہوں نے معذرت کی کہ قریش میرے سخت دشمن ہیں اور مکہ میں میرے قبیلہ کا ایک شخص بھی نہیں کہ مجھ کو بچا سکے۔ آپؐ نے حضرت عثمانؓ کو بھیجا۔ وہ اپنے ایک عزیز (ابان بن سعید) کی حمایت میں مکہ گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنایا۔ قریش نے ان کو نظر بند کر لیا۔ لیکن عام طور پر یہ خبر مشہور ہو گئی کہ وہ قتل کر ڈالے گئے۔ یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپؐ نے فرمایا:

"عثمانؓ کے خون کا قصاص لینا فرض ہے۔"

یہ کہہ کر آپؐ نے ایک ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہؓ سے جاں نثاری کی بیعت لی۔ تمام صحابہؓ نے جن میں زن و مرد دونوں شامل تھے، ولولہ انگیز جوش کے ساتھ دستِ مبارک پر جاں نثاری کا عہد کیا۔ یہ تاریخِ اسلام کا ایک مہتم بالشان واقعہ ہے۔ اس بیعت کا

Marfat.com

نام بیعتِ رضوانؓ ہے لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ وہ خبر صحیح نہ تھی۔

قریش نے سہیل بن عمرو کو سفیر بنا کر بھیجا۔ وہ نہایت فصیح و بلیغ مقرر تھے (چنانچہ لوگوں نے اُن کو خطیب قریش کا خطاب دیا تھا) قریش نے اُن سے کہہ دیا کہ صلح اس شرط پر ہو سکتی ہے کہ محمدؐ اس سال واپس چلے جائیں۔

سہیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دیر تک صلح کی شرائط پر گفتگو رہی۔ بالآخر چند شرطوں پر اتفاق ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو بلا کر حکم دیا کہ معاہدہ کے الفاظ قلمبند کریں۔ حضرت علیؓ نے عنوان پر بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھا۔

عرب کا قدیم طریقہ تھا کہ خطوط کی ابتداء میں باسمک اللّٰھُمَّ لکھتے تھے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے وہ آشنا نہ تھے۔ اس بنا پر سہیل بن عمرو نے کہا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بجائے وہی قدیم الفاظ لکھے جائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمایا۔ آگے کا فقرہ تھا۔ ھٰذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ یعنی وہ معاہدہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلیم کیا سہیل نے کہا:

"اگر ہم آپؐ کو پیغمبر ہی تسلیم کرتے تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا۔ آپؐ صرف اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھوائیں۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"گو تم تکذیب کرتے ہو لیکن خدا کی قسم! میں خدا کا پیغمبر ہوں۔"

یہ کہہ کر آپؐ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ اچھا خالی میرا نام لکھو۔ حضرت علیؓ سے زیادہ کون فرماں گزار ہو سکتا تھا لیکن عالم محبت میں ایسے مقام بھی پیش آتے ہیں جہاں فرمانبرداری سے انکار کرنا پڑتا ہے۔ حضرت علیؓ نے کہا:

"میں ہرگز آپؐ کا نام نہ مٹاؤں گا۔"

آپؐ نے فرمایا:

"اچھا مجھ کو دکھاؤ میرا نام کہاں ہے۔"

Marfat.com

حضرت علیؓ نے اس جگہ پر انگلی رکھ دی۔ آپؐ نے رسول اللہ کا لفظ مٹا دیا۔ شرائط صلح یہ تھیں:۔

۱۔ مسلمان اس سال واپس چلے جائیں۔

۲۔ اگلے سال آئیں اور صرف تین دن قیام کر کے چلے جائیں۔

۳۔ ہتھیار لگا کر نہ آئیں۔ صرف تلوار ساتھ لائیں۔ وہ بھی نیام میں اور نیام بھی جلبان (تھیلہ وغیرہ) میں۔

۴۔ مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں اور مسلمانوں میں سے کوئی مکہ میں رہ جانا چاہے تو اس کو نہ روکیں۔

۵۔ کافروں یا مسلمانوں میں سے کوئی شخص اگر مدینہ جائے تو واپس کر دیا جائے لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ جائے تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔

۶۔ قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں معاہدہ میں شریک ہو جائیں

یہ شرطیں بظاہر مسلمانوں کے سخت خلاف تھیں۔ اتفاق یہ کہ عین اس وقت جب کہ معاہدہ لکھا جا رہا تھا سہیل کے صاحبزادے (حضرت ابو جندل) جو اسلام لا چکے تھے اور مکہ میں کافروں نے ان کو قید کر رکھا تھا اور طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے۔ کسی طرح بھاگ کر پاؤں میں بیڑیاں پہنے ہوئے آئے اور سب کے سامنے گر پڑے۔ سہیل نے کہا:

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صلح کی تعمیل کا یہ پہلا موقع ہے۔ اس (ابو جندلؓ) کو شرائط صلح کے مطابق مجھ کو واپس دے دو۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ابھی معاہدہ قلمبند نہیں ہو چکا۔"

سہیل نے کہا:

"تو ہم کو صلح بھی منظور نہیں۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اچھا۔ ان کو یہیں رہنے دو۔"

Marfat.com

سہیل نے نامنظور کیا۔ آپؐ نے چند دفعہ اصرار کیا لیکن سہیل کسی طرح راضی نہ ہوا۔ مجبوراً حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیم کرنا پڑا۔ ابو جندل کو کافروں نے اس قدر مارا تھا کہ ان کے جسم پر نشان تھے۔ مجمع کے سامنے تمام زخم دکھائے اور کہا:

"برادرانِ اسلام! کیا پھر مجھ کو اسی حالت میں دیکھنا چاہتے ہو۔ میں اسلام لا چکا ہوں۔ کیا پھر مجھ کو کافروں کے ہاتھ میں دیتے ہو؟"

تمام مسلمان تڑپ اٹھے۔ حضرت عمرؓ ضبط نہ کر سکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہا:

"یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپؐ پیغمبر برحق نہیں ہیں؟"

آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"ہاں ہوں ——!"

حضرت عمرؓ نے کہا:

"کیا ہم حق پر نہیں ——؟"

آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"ہاں! ہم حق پر ہیں۔"

حضرت عمرؓ نے کہا:

"تو ہم دین میں یہ ذلت کیوں گوارا کریں؟"

آپؐ نے فرمایا:

"میں خدا کا پیغمبر ہوں اور خدا کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ خدا میری مدد کرے گا۔"

حضرت عمرؓ نے کہا:

"کیا آپؐ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم لوگ کعبہ کا طواف کریں گے۔"

آپؐ نے فرمایا:

"لیکن یہ تو نہیں کہا تھا کہ اسی سال کریں گے۔"

حضرت عمرؓ اٹھ کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور وہی گفتگو کی۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا

Marfat.com

"وہ پیغمبر خدا ہیں۔ جو کچھ کرتے ہیں۔ خدا کے حکم سے کرتے ہیں۔"

حضرت عمرؓ کو اپنی ان گستاخانہ معروضات کا جو بے اختیاری میں ان سے سرزد ہ
تمام عمر سخت رنج رہا اور اس کے کفارہ کے لئے انہوں نے نمازیں پڑھیں، روزے رکھے
کی، غلام آزاد کئے۔ اس حالت کا گوارا کرنا گو صحابہؓ کی اطاعت شعاری کا سخت خطرناک ا
تھا۔ ایک طرف (ظاہر میں) اسلام کی توہین ہے۔ حضرت ابوجندلؓ بیڑیاں پہنے چودہ
جاں نثارانِ اسلام سے استغاثہ کرتے ہیں۔ سب کے دل جوش سے لبریز ہیں۔ اور اگر رسو
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذرا ایماء ہو جائے تو تلوار فیصلہ قاطع کے لئے موجود ہے۔ دوسر
معاہدہ پر دستخط ہو چکے ہیں اور ایفائے عہد کی ذمہ داری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و
نے حضرت ابوجندلؓ کی طرف دیکھا اور فرمایا:

"ابوجندل! صبر اور ضبط سے کام لو۔ خدا تمہارے لئے اور مظلوموں کے لئے کوئی
نکالے گا۔ صلح اب ہو چکی اور ہم ان لوگوں سے بدعہدی نہیں کر سکتے۔"

غرض حضرت ابوجندلؓ کو اسی طرح پابہ زنجیر واپس جانا پڑا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ لوگ یہیں قربانی کریں لیکن لوگ اس قدر دل شکستہ
تھے کہ ایک شخص بھی نہ اٹھا۔ یہاں تک کہ تین دفعہ بار بار کہنے پر بھی ایک شخص آمادہ نہ ہوا۔ آنحضر
صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لے گئے اور ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے شکایت کی۔ انہ
نے کہا، آپ کسی سے کچھ نہ فرمائیں بلکہ باہر نکل کر خود قربانی کریں اور احرام اتارنے کے لئے
بال منڈوائیں۔ آپ نے باہر آ کر خود قربانی کی اور بال منڈوائے۔ اب جب لوگوں کو یقین
گیا کہ اس فیصلہ میں تبدیلی نہیں ہو سکتی تو سب نے قربانیاں کیں اور احرام اتارا۔

صلح کے بعد تین دن تک آپ نے حدیبیہ میں قیام فرمایا۔ پھر روانہ ہوئے تو راہ میں
سورۃ اتری۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا (فتح۔۱) ہم نے تجھ کو کھلی ہوئی فتح عنایت کی۔

تمام مسلمان جس چیز کو شکست سمجھتے تھے خدا نے اس کو فتح کہا۔ آنحضرت صلی اللہ
وسلم نے حضرت عمرؓ کو بلا کر فرمایا کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ انہوں نے تعجب سے پو

Marfat.com

کہ کیا یہ فتح ہے۔ ارشاد ہوا کہ ہاں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عمرؓ کو تسکین ہو گئی اور مطمئن ہو گئے نتائج مابعد نے راز سربستہ کی عقدہ کشائی کی۔

اب تک مسلمان اور کفار ملتے جلتے نہ تھے۔ اب صلح کی وجہ سے آمدورفت شروع ہوئی خاندانی اور تجارتی تعلقات کی وجہ سے کفار مدینہ میں آتے۔ مہینوں قیام کرتے اور مسلمانوں سے ملتے جلتے تھے۔ باتوں باتوں میں اسلامی مسائل کا تذکرہ آتا رہتا تھا۔ اس کے ساتھ ہر مسلمان اخلاص، حسن عمل، نیکوکاری، پاکیزہ اخلاقی کی ایک زندہ تصویر تھا۔ جو مسلمان مکہ جاتے تھے ان کی صورتیں یہی مناظر پیش کرتی تھیں۔ اس سے خود بخود کفار کے دل اسلام کی طرف کھنچتے آتے تھے۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ اس معاہدہ صلح سے لے کر فتح مکہ تک اس قدر کثرت سے لوگ اسلام لائے کہ کبھی نہیں لائے تھے۔ حضرت خالدؓ (فاتح شام) اور حضرت عمرو بن عاص (فاتح مصر) کا اسلام بھی اسی زمانہ کی یادگار ہے۔

معاہدہ صلح میں یہ جو شرط تھی کہ جو مسلمان مکہ سے چلا جائے ▪ پھر مکہ واپس کر دیا جائے گا، اس میں صرف مرد داخل تھے، عورتیں نہ تھیں۔ عورتوں کے متعلق خاص یہ آیت اتری:

"مسلمانو! جب تمہارے پاس عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو اُن کو جانچ لو۔ خدا اُن کے ایمان کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اب اگر تم کو معلوم ہو کہ وہ مسلمان ہیں تو اُن کو کافروں کے ہاں واپس نہ بھیجو۔ نہ وہ عورتیں کافروں کے قابل ہیں اور نہ کافر اُن عورتوں کے قابل ہیں۔ اور ان عورتوں پر اُن لوگوں نے جو خرچ کیا ہو وہ تم اُن کو دے دو اور تم ان سے شادی کر سکتے ہو بشرطیکہ ان کے مہر ادا کر دو اور کافرہ عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ رکھو۔" (ممتحنہ ــــ ۲)

جو مسلمان مکہ میں مجبوری سے رہ گئے تھے چونکہ کفار اُن کو سخت تکلیفیں دیتے تھے اس لئے وہ بھاگ بھاگ کر مدینہ آتے تھے۔ سب سے پہلے حضرت عتبہؓ بن اسید (ابو بصیر) بھاگ کر مدینہ آئے۔ قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو شخص بھیجے کہ ہمارا آدمی واپس کر دیجیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عتبہؓ سے فرمایا:

"واپس جاؤ۔"

Marfat.com

عتبہؓ نے عرض کیا:

"کیا آپؐ مجھ کو کافروں کے پاس بھیجتے ہیں کہ مجھ کو کفر پر مجبور کریں۔"

آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"خدا اس کی کوئی تدبیر نکالے گا۔"

حضرت عتبہؓ مجبوراً دو کافروں کی حراست میں واپس گئے لیکن مقام ذوالحلیفہ پہنچ کر انہوں نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا اور دوسرا شخص جو بچ رہا اُس نے مدینہ آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی۔ ساتھ ہی ابو بصیرؓ بھی پہنچے اور عرض کی:

"آپؐ نے عہد کے موافق اپنی طرف سے مجھ کو واپس کر دیا۔ اب آپؐ پر کوئی ذمّہ داری نہیں۔"

یہ کہہ کر مدینہ سے چلے گئے اور مقام عیص میں جو سمندر کے کنارے ذو مروۃ کے پاس ہے، رہنا اختیار کیا۔ مکّہ کے بے کس اور ستم رسیدہ لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ جان بچانے کا ایک ٹھکانا پیدا ہو گیا ہے تو چوری چھپے بھاگ کر یہاں آنے لگے۔ چند روز کے بعد اچھی خاصی جمعیت ہو گئی اور اب ان لوگوں نے اتنی قوت حاصل کر لی کہ قریش کا کاروانِ تجارت جو شام کو جایا کرتا تھا اس کو روک لیتے تھے۔ ان حملوں میں جو مال غنیمت مل جاتا تھا وہ ان کی معاش کا سہارا تھا۔ قریش نے مجبور ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھ بھیجا کہ معاہدہ کی اس شرط سے ہم باز آتے ہیں۔ اب جو مسلمان چاہے مدینہ جا کر آباد ہو سکتا ہے ہم اس سے تعرض نہ کریں گے۔ آپؐ نے آوارہ وطن مسلمانوں کو لکھ بھیجا کہ یہاں چلے آؤ۔ چنانچہ ابو جندل اور اُن کے ساتھی مدینہ میں آباد ہو گئے اور کاروانِ قریش کا راستہ بدستور کھل گیا۔

مستورات میں سے حضرت ام کلثومؓ جو رئیس مکّہ (عقبہ بن ابی معیط) کی صاحب زادی تھیں اور مسلمان ہو چکی تھیں، مدینہ ہجرت کر کے آئیں لیکن ان کے ساتھ ان کے دونوں بھائی عمارۃ اور ولید بھی آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ان کو واپس دے دیجئے آپؐ نے منظور نہیں فرمایا۔ صحابہؓ میں سے جن لوگوں کی ازواج مکّہ میں رہ گئی تھیں اور اب تک کافرہ تھیں، صحابہؓ نے اُن کو طلاق دے دی۔

سلاطین کو اسلام کی دعوت

(آخر ۶ھ یا شروع ۷ھ)

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ

Marfat.com

حدیبیہ کی صلح سے کسی قدر اطمینان نصیب ہوا تو وقت آیا کہ اسلام کا پیغام تمام دنیا کے کانوں میں پہنچا دیا جائے۔ اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن تمام صحابہؓ کو جمع کیا اور خطبہ دیا:۔

"ایہا الناس ـــ! خدا نے مجھ کو تمام دنیا کے لئے رحمت اور پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ دیکھو! حوارئین عیسیٰؑ کی طرح اختلاف نہ کرنا۔ جاؤ میری طرف سے پیغام حق ادا کرو۔"

اس کے بعد آپؐ نے قیصر روم، شہنشاہِ عجم، عزیزِ مصر اور رؤسائے عرب کے نام دعوت اسلام کے خطوط ارسال فرمائے۔ جو لوگ خطوط لے کر گئے اُن کی تفصیل یہ ہے:۔

(حضرت) دحیۃ کلبیؓ ـــ قیصر روم

(حضرت) عبداللہؓ بن حذافہ سہمی ـــ خسرو پرویز کجکلاہِ ایران

(حضرت) حاطبؓ بن (ابی) بلتعہ ـــ عزیزِ مصر

(حضرت) عمروؓ بن امیہ ـــ نجاشی بادشاہِ حبش

(حضرت) سلیطؓ بن عمر بن عبدِ شمس ـــ رؤسائے یمامہ

(حضرت) شجاعؓ بن وہب الاسدی ـــ رئیس حدودِ شام حارث غسانی

ایرانیوں نے چند برس پہلے بلادِ شام پر حملہ کر کے رومیوں کو شکست دی تھی جس کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت غلبت الروم میں ہے۔ ہرقل نے ان کے انتقام کے لئے بڑے

سروسامان سے فوجیں تیار کیں اور ایرانیوں پر حملہ کر کے ان کو سخت شکست دی تھی۔ اس کا شکرانہ ادا کرنے کے لئے وہ حمص سے بیت المقدس آیا تھا اور اس شان سے آیا تھا کہ جہاں چلتا تھا زمین پر فرش اور فرش پر پھول بچھائے جاتے تھے۔

شام میں عرب کا جو خاندان قیصر کے زیر حکومت رہا کرتا تھا وہ غسانی خاندان تھا اور اس کا پایہ تخت بصریٰ تھا جو دمشق کے علاقہ میں ہے اور آج کل حوران کہلاتا ہے۔ اس زمانہ میں اس خاندان کا تخت نشین حارث غسانی تھا۔ حضرت دحیہ کلبیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک یہیں بصریٰ میں حارث غسانی کو لا کر دیا۔ اس نے قیصر کے پاس بیت المقدس میں بھیج دیا۔ قیصر کو خط ملا تو اس نے حکم دیا کہ عرب کا کوئی شخص مل سکے تو لاؤ۔ اتفاق یہ کہ ابوسفیانؓ تجارِ عرب کے ساتھ غزہ میں مقیم تھے۔ قیصر کے آدمی اُن کو غزہ سے جا کر لائے۔ قیصر نے بڑے سامان سے دربار منعقد کیا۔ خود تاج شاہی پہن کر تخت پر بیٹھا۔ تخت کے چاروں طرف بطارقہ قیس اور رہبان کی صفیں قائم کیں۔ اہل عرب کی طرف مخاطب ہو کر کہا:

"تم میں سے اس مدعی نبوت کا رشتہ دار کون ہے؟"

ابوسفیان نے کہا:

"میں ——"

پھر حسب ذیل گفتگو ہوئی:—

قیصر —— مدعیٔ نبوت کا خاندان کیسا ہے؟

ابوسفیان۔ شریف ہے۔

قیصر —— اس خاندان میں کسی اور نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا؟

ابوسفیان۔ نہیں۔

قیصر —— اس خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟

ابوسفیان۔ نہیں۔

قیصر —— جن لوگوں نے یہ مذہب قبول کیا ہے وہ کمزور لوگ ہیں یا صاحب اثر؟

ابوسفیان۔ کمزور لوگ ہیں۔

Marfat.com

قیصر —— اس کے پیرو بڑھ رہے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں؟

ابوسفیان۔ بڑھتے جاتے ہیں۔

قیصر —— کبھی تم لوگوں کو اس کی نسبت جھوٹ کا بھی تجربہ ہوا ہے؟

ابوسفیان۔ نہیں۔

قیصر —— وہ کبھی عہد و اقرار کی خلاف ورزی بھی کرتا ہے؟

ابوسفیان۔ اب تک تو نہیں کی۔ لیکن اب جو نیا معاہدہ صلح ہے۔ اس میں دیکھیں وہ عہد پر قائم رہتا ہے یا نہیں۔

قیصر —— تم لوگوں نے اس سے کبھی جنگ بھی کی؟

ابوسفیان۔ ہاں!

قیصر —— نتیجۂ جنگ کیا رہا؟

ابوسفیان۔ کبھی ہم غالب آئے اور کبھی وہ۔

قیصر —— کیا سکھاتا ہے؟

ابوسفیان۔ کہتا ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو۔ کسی اور کو خدا کا شریک نہ بناؤ، نماز پڑھو، پاکدامنی اختیار کرو، سچ بولو، صلۂ رحم کرو۔

اس گفتگو کے بعد قیصر نے مترجم کے ذریعہ سے کہا کہ تم نے اس کو شریف النسب بتایا پیغمبر ہمیشہ اچھے خاندانوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ تم نے کہا کہ اس کے خاندان سے کسی اور نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ خاندانی خیال کا اثر ہے۔ تم تسلیم کرتے ہو کہ اس خاندان میں کوئی بادشاہ نہ تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ اس کو بادشاہت کی ہوس ہے۔ تم مانتے ہو کہ اس نے کبھی جھوٹ نہیں کہا۔ جو شخص آدمیوں سے جھوٹ نہیں بولتا وہ خدا پر کیونکر جھوٹ باندھ سکتا ہے۔ تم کہتے ہو کہ کمزوروں نے پیروی کی ہے۔ پیغمبروں کے ابتدائی پیرو ہمیشہ غریب ہی لوگ ہوتے ہیں۔ تم نے تسلیم کیا کہ اس کا مذہب ترقی کرتا جاتا ہے۔ سچے مذہب کا یہی حال ہے کہ بڑھتا جاتا ہے۔ تم تسلیم کرتے ہو کہ اس نے کبھی فریب نہیں کیا۔ پیغمبر کبھی فریب نہیں کرتے۔ تم کہتے ہو کہ وہ نماز اور تقویٰ اور عفاف کی ہدایت کرتا ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو میری قدم گاہ تک اس

Marfat.com

کا قبضہ ہو جائے گا۔ مجھ کو یہ ضرور خیال تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا۔ میں اگر وہاں جا سکتا تو خود اُس کے پاؤں دھوتا۔

اس گفتگو کے بعد حکم دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پڑھا جائے فرمانِ رسالت کے الفاظ یہ تھے:۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے جو خدا کا بندہ اور رسول ہے، یہ خط ہرقل کے نام ہے جو روم کا رئیس اعظم ہے۔ اس کو سلامتی ہو جو ہدایت کا پیرو ہے۔ اس کے بعد میں تجھ کو اسلام کی دعوت کی طرف بلاتا ہوں۔ اسلام لا تو سلامت رہے گا۔ خدا تجھ کو دُگنا اجر دے گا اور اگر تو نے نہ مانا تو اہل ملک کا گناہ تیرے اوپر ہوگا۔ اے اہل کتاب ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہم خدا کے سوا اور کسی کو نہ پوجیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو (خدا کو چھوڑ کر) خدا نہ بنائے۔ اور تم نہیں مانتے تو گواہ رہو کہ ہم مانتے ہیں۔"

قیصر نے ابوسفیان سے جو گفتگو کی تھی اس سے بطارقہ اور اہل دربار سخت برہم ہو چکے تھے۔ نامۂ مبارک کے پڑھے جانے پر اور بھی برہم ہوئے۔ یہ حالت دیکھ کر قیصر نے اہل عرب کو دربار سے اٹھا دیا اور گو اُس کے دل میں نورِ اسلام آچکا تھا لیکن تاج و تخت کی تاریکی میں وہ روشنی بجھ کر رہ گئی۔

خسرو پرویز شہنشاہ ایران کے نام جو نامۂ مبارک حضرت عبداللہ بن حذافہ لے کر گئے تھے، یہ تھا:۔

"محمد رسول اللہ کی طرف سے کسریٰ رئیس فارس کے نام۔ سلام ہے اُس شخص پر جو ہدایت کا پیرو ہو اور خدا اور پیغمبر خدا پر ایمان لائے اور یہی گواہی دے کہ خدا صرف ایک خدا ہے اور یہ کہ خدا نے مجھ کو تمام دنیا کا پیغمبرؐ کر کے بھیجا ہے تاکہ وہ ہر زندہ شخص کو خدا کا خوف دلائے۔ تو اسلام قبول کر تو سلامت رہے گا ورنہ مجوسیوں کا وبال تیری گردن پر ہوگا۔"

Marfat.com

خسرو پرویز بڑی شوکت وشان کا بادشاہ تھا۔ اس کی سلطنت میں دربار کو جو عظمت و جلال حاصل ہوا کبھی نہیں ہوا تھا۔ عجم کا طریقہ یہ تھا کہ سلاطین کو جو خطوط لکھنے جاتے ان میں عنوان پر پہلے بادشاہ کا نام ہوتا تھا۔ نامۂ مبارک میں پہلے خدا کا نام اور پھر عرب کے دستور کے موافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تھا۔ خسرو نے اس کو اپنی تحقیر سمجھا اور بولا کہ میرا غلام ہو کر مجھ کو یوں لکھتا ہے۔ پھر نامۂ مبارک کو چاک کر ڈالا لیکن چند روز کے بعد خود سلطنت عجم کے پُرزے اڑ گئے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ نامۂ مبارک پہنچنے کے بعد خسرو پرویز نے گورنر یمن کو جس کا نام باذان تھا فرمان بھیجا کہ کسی شخص کو حجاز بھیجو کہ اس نئے مدعی نبوت کو پکڑ کر میرے دربار میں لائے۔ باذان نے دو شخصوں کو جن میں سے ایک کا نام بابویہ اور دوسرے کا نام خرخسرہ تھا مدینہ منورہ روانہ کیا۔ ان دونوں نے بارگاہِ رسالت میں آکر عرض کی کہ شہنشاہ عالم (کسریٰ) نے تم کو بلایا ہے۔ اگر تعمیل حکم نہ کرو گے تو وہ تم کو اور تمہارے ملک کو برباد کر دے گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم واپس جاؤ اور کہہ دینا کہ اسلام کی حکومت کسریٰ کے پایۂ تخت تک پہنچے گی۔ یہ لوگ پیغام پہنچا کر یمن میں آئے تو خبر آئی کہ شیرویہ (خسرو پرویز کا بیٹا) نے خسرو پرویز کو قتل کر ڈالا۔

نجاشی (بادشاہ حبش) کو آپؐ نے دعوتِ اسلام کا جو خط بھیجا، اُس کے جواب میں اُس نے عریضہ بھیجا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ خدا کے سچے پیغمبر ہیں۔ حضرت جعفر طیارؓ جو ہجرت کر کے حبش چلے گئے تھے یہیں موجود تھے۔ نجاشی نے اُن کے ہاتھ پر بیعت اسلام کی۔ ابن اسحٰق نے روایت کی ہے کہ نجاشی نے اپنے بیٹے کو ساٹھ مصاحبوں کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں عرض

ل ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی تحقیق کے مطابق اصل خط ایک جھلی پر ہے اور اب بھی دمشق میں ایک صاحب کے پاس محفوظ ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس خط کو خود حاصل کیا اور انگلستان اور فرانس کے متعدد محققین سے اس کے متعلق رائیں لیں۔ حسب توقع محققین کسی ایک رائے پر متفق نہیں ہو سکے تاہم ڈاکٹر حمید اللہ اس خط کو اصلی سمجھتے ہیں۔ ملاحظہ ہو آنحضرتؐ کی سیاسی زندگی مصنفہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ باب اصلی مکتوب نبویؐ بنام نجاشی۔ (مرتب)

Marfat.com

نیاز کے لیے بھیجا لیکن جہاز سمندر میں ڈوب گیا اور یہ سفارت ہلاک ہوئی۔

عام ارباب سیر لکھتے ہیں کہ نجاشی نے ۹ھ میں وفات پائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف رکھتے تھے اور یہ خبر سن کر آپؐ نے غائبانہ اس کے جنازے کی نماز پڑھائی۔

جو لوگ ہجرت کر کے حبش چلے گئے تھے ان میں حضرت ام حبیبہؓ (حضرت امیر معاویہؓ کی بہن) بھی تھیں۔ ان کے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کو لکھ بھیجا کہ ام حبیبہؓ کو شادی کا پیغام سنا دو اور میرے پاس بھیج دو۔ نجاشی نے خالدؓ بن سعید ابن العاص کو مقرر کیا۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایجاب و قبول ادا کیا۔ نجاشی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مہر ادا کیا جس کی تعداد چار سو اشرفیاں تھیں۔ نکاح کے بعد حضرت ام حبیبہؓ جہاز میں بیٹھ کر روانہ ہوئیں اور مدینہ کی بندرگاہ میں اتریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خیبر میں تشریف رکھتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر نجاشی کے حالات حضرت ام حبیبہؓ سے پوچھا کرتے تھے۔

عزیز مصر مقوقس کو آپؐ نے جو خط لکھا تھا اُس کے جواب میں اُس نے عربی زبان میں یہ خط لکھا:-

"محمد بن عبداللہ کے نام مقوقس رئیس قبط کی طرف سے سلام علیک کے بعد۔ میں نے آپؐ کا خط پڑھا اور اس کا مضمون اور مطلب سمجھا۔ مجھ کو اس قدر معلوم تھا کہ ایک پیغمبر آنے والے ہیں لیکن یہ سمجھتا تھا کہ وہ شام میں ظہور کریں گے۔ میں نے آپؐ کے قاصد کی عزت کی اور دو لڑکیاں بھیجتا ہوں جن کی قبطیوں (مصر کی قوم) میں بہت عزت کی جاتی ہے۔ اور میں آپؐ کے لئے کپڑا اور سواری کا ایک خچر بھیجتا ہوں۔"

بایں ہمہ عزیز مصر اسلام نہیں لایا۔ دو لڑکیاں جو بھیجی تھیں ان میں ایک ماریہ قبطیہ تھیں جو حرم نبوی میں داخل ہوئیں۔ دوسری سیرین تھیں جو حضرت حسانؓ کی ملک میں آئیں۔ خچر کا نام دُلدل تھا۔ جس کا ذکر اکثر حدیث کی کتابوں میں آتا ہے۔ جنگ حنین میں آپؐ اسی پر سوار تھے۔ طبری نے لکھا ہے کہ ماریہ اور سیرین حقیقی بہنیں تھیں اور حضرت حاطبؓ بن بلتعہ جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقوقس کے پاس خط دے کر بھیجا تھا، ان کی تعلیم سے دونوں خاتونیں خدمت نبویؐ میں پہنچنے

Marfat.com

سے پہلے اسلام قبول کر چکی تھیں۔

روٴسائے عرب کو جو خط لکھے گئے تھے اُن کے بھی جواب مختلف آئے ہوذہ ابن علی رئیس یمامہ نے لکھا:

"تم جو باتیں کہتے ہو وہ نہایت اچھی ہیں۔ اگر حکومت میں کچھ میرا بھی حصہ ہو تو میں تمہاری امداد کے لئے تیار ہوں"

اسلام ہوسِ ملک کے لئے نہیں آیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا:

"زمین کا ایک ٹکڑا بھی ہو تو میں نہ دوں گا"

حارث غسانی جو حدود شام کا رئیس تھا اور رومیوں کے ماتحت اطراف کے عربوں پر حکومت کرتا تھا، خط پڑھ کر برہم ہوا اور فوج کو تیاری کا حکم دیا۔ مسلمان اس جرم کی پاداش میں ہر وقت اس کے حملہ کے منتظر رہتے تھے اور آخر موتہ اور تبوک وغیرہ کی لڑائیاں پیش آئیں۔

واقعاتِ متفرقہ (۶ھ)

حدیبیہ کی صلح کو خدا نے فتح کہا ہے لیکن اجسام کی نہیں قلوب کی۔ اسلام کو اپنی اشاعت کے لئے امن درکار تھا اور وہ اس صلح سے حاصل ہو گیا۔ اس صلح کو خود دشمن فتح سمجھتے تھے۔ قریش اور مسلمانوں میں اب تک جو معرکے ہوئے فوجی حیثیت سے قریش کی صف میں ہر جگہ خالدؓ بن ولید کا نام ممتاز نظر آتا ہے۔ جاہلیت میں رسالہ کی افسری ان ہی کے سپرد تھی۔ اُحد میں قریش کے اکھڑے ہوئے پاؤں انہی کی کوشش سے سنبھلے تھے۔ حدیبیہ کے موقع پر قریش کا طلایہ انہی کی زیر افسری نظر آیا تھا۔ لیکن قریش کا یہ سپہ سالار اعظم بھی آخر اسلام کے حملہ کاری سے نہ بچ سکا۔

صلح حدیبیہ کے بعد حضرت خالدؓ نے مکہ سے نکل کر مدینہ کا رُخ کیا۔ راستہ میں حضرت عمروؓ بن العاص ملے۔ پوچھا:

"کدھر کا قصد ہے؟"

بولے:

"اسلام لانے جاتا ہوں۔ آخر کب تک؟"

Marfat.com

حضرت عمروؓ بن العاص نے کہا:

"ہمارا بھی یہی ارادہ ہے"

دونوں صاحب ایک ساتھ بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہو کر اسلام سے مشرف ہوئے اور اب وہ جوہر جو اسلام کی مخالفت میں صرف ہو رہا تھا اسلام کی محبت میں صرف ہونے لگا۔

فتح مکہ میں حضرت خالدؓ جب ایک مسلمان دستہ کے افسر بن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گزرے تو آپؐ نے پوچھا:

"کون ہے — ؟"

لوگوں نے کہا:

"خالد ہیں — !

آپؐ نے فرمایا:

"خدا کی تلوار ہے!"

غزوۂ موتہ میں جب حضرت جعفرؓ، حضرت زیدؓ بن حارثہ اور حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کے بعد حضرت خالدؓ نے علم اپنے ہاتھ میں لیا تو مسلمان خطرہ سے باہر تھے۔

عہدِ خلافت میں ایک (خالدؓ) نے شام کا ملک قیصر سے چھین لیا اور دوسرا (عمروؓ بن العاص) مصر کا فاتح ہوا۔

Marfat.com

Marfat.com

خیبر

(آخر سنہ ۶ھ یا اوائل سنہ ۷ھ)

Marfat.com

تقسیم زمین

ملکی حالت اور احکام فقہی

ادائے عمرہ

خیبر غالباً عبرانی لفظ ہے جس کے معنی قلعہ کے ہیں ۔ یہ مقام مدینہ منورہ سے آٹھ منزل پر ہے یورپین سیاحوں میں ڈاؤٹی کئی مہینہ تک یہاں ۱۸۷۷ء میں مقیم رہا ۔ اُس نے مدینہ سے اس مقام کا فاصلہ دو سو میل لکھا ہے ۔ وہ نخلستان جس کے کنارہ پر خیبر ہے نہایت زرخیز ہے ۔ یہاں یہود نے مضبوط متعدد قلعے بنائے تھے ۔ جن میں سے بعض کے آثار اب تک باقی ہیں ۔

عرب میں یہودی قوت کا یہ سب سے بڑا مرکز تھا ۔ مدینہ سے جب سے رؤسا ئے بنو نضیر جلا وطن ہو کر خیبر میں آباد ہوئے تو انہوں نے تمام عرب کو اسلام کی مخالفت پر برانگیختہ کر دیا جس کا پہلا مظہر احزاب کا معرکہ تھا ۔ ان رؤسا میں سے حیی بن اخطب جنگ قریظہ میں قتل ہوا جس کے بعد ابورافع سلام بن ابی الحقیق اس کا جانشین ہوا ۔ یہ بہت بڑا تاجر اور صاحب اثر تھا ۔ قبیلہ غطفان جو عرب کا بہت بڑا صاحب اثر قبیلہ تھا ان کی آبادی خیبر سے متصل تھی اور ہمیشہ سے یہود خیبر کے حلیف اور ہم عہد تھے ۔ سنہ ۶ ھ میں سلام نے خود جا کر قبیلہ غطفان اور اُن کے آس پاس کے قبیلوں کو اسلام کے مقابلہ کے لئے آمادہ کیا ۔ یہاں تک کہ ایک عظیم الشان فوج لے کر مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کیں ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبریں معلوم ہوئیں تو آپؐ کے ایما سے (رمضان سنہ ۶ ھ میں) حضرت عبداللہؓ بن عتیک ایک خزرجی انصاری کے ہاتھ سے اپنے قلعہ خیبر میں سوتا ہوا مارا گیا ۔ سلام کے بعد یہودیوں نے اسیر بن رزام کو مسند ریاست پر بٹھایا ۔ اُس نے قبائل یہود کو جمع کر کے تقریر کی اور کہا:

"میرے پیشروؤں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں جو تدبیریں اختیار کیں وہ غلط

نہیں۔ صحیح تدبیر یہ ہے کہ خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دارالریاست پر حملہ کیا جائے اور یہی طریقہ اختیار کروں گا۔"

اس غرض سے اُسیر نے غطفان اور دیگر قبائل میں دورہ کیا اور ایک فوج گراں تیار کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبریں پہنچیں تو آپ نے اس افواہ پر اعتماد نہیں کیا بلکہ حضرت عبداللہ بن رواحہ کو بھیجا کہ خود خیبر جا کر اصل واقعہ کی تحقیق کریں۔ چنانچہ وہ چند آدمیوں کو لے کر خیبر گئے اور چھپ کر خود اسیر کی زبانی اُس کے مشورے اور تدبیریں سنیں۔ یہ حالات آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کئے۔ آپؐ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو تیس آدمی دے کر خیبر روانہ کیا۔ ان لوگوں نے اُسیر سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس لئے بھیجا ہے کہ تم اگر آجاؤ تو خیبر کی حکومت تم کو دے دی جائے۔ چنانچہ وہ تیس آدمی لے کر خیبر سے نکلا اور احتیاط کی بنا پر یہ مخلوط قافلہ اس طرح چلا کہ دو دو شخص ہمرکاب چلتے تھے جن میں ایک یہودی دوسرا مسلمان ہوتا تھا۔ قرقرہ پہنچ کر اُسیر کے دل میں بدگمانی پیدا ہوئی۔ اُس نے ہاتھ بڑھا کر حضرت عبداللہ بن انیس کی تلوار چھیننا چاہی۔ انہوں نے کہا،

"او دشمن خدا! بدعہدی کرنی چاہتا ہے۔"

یہ کہہ کر سواری بڑھائی اور جب اُسیر زد میں آگیا تو تلوار ماری کہ اُس کی ران کٹ گئی وہ گھوڑے سے گرا۔ گرتے گرتے اُس نے حضرت عبداللہؓ کو زخمی کیا۔ اب مسلمان پیش دستی کرکے یہود پر ٹوٹ پڑے۔ نتیجۂ جنگ یہ تھا کہ یہود میں ایک کے سوا کوئی نہ بچا۔ یہ انیرس[6] یا محرم سنہ ۶ھ کا واقعہ ہے۔

خیبر اب اسلام کا سب سے بڑا حریف اور اسلام کے لئے سب سے زیادہ خطرناک تھا۔ ان لوگوں نے مکہ جا کر قریش کے ذریعہ سے تمام عرب میں بغاوت کی ایک عالمگیر جنبش پیدا کردی۔ جس نے واقعۂ احزاب میں مرکز اسلام (مدینہ منورہ) کو متزلزل کردیا تھا۔ یہ کوشش اگرچہ ناکام رہی لیکن جو دست و بازو کام کر رہے تھے اب بھی موجود تھے۔

جن لوگوں نے جنگ احزاب برپا کرائی تھی ان میں زیادہ باا‌ثر ابن ابی الحقیق کا خاندان تھا جو قبیلہ بنی نضیر سے تھا اور مدینہ سے جلاوطن ہوکر آیا تھا۔ اُس نے خیبر کے مشہور قلعہ قموص پر

Marfat.com

قبضہ کیا تھا۔ سلام بن ابی الحقیق جس کا ذکر ابھی اوپر گزر چکا ہے اسی خاندان کا رئیس تھا۔ اس کے قتل کے بعد اس کا بھتیجا کنانہ بن الربیع بن ابی الحقیق خاندان کی ریاست پر ممتاز ہوا۔

خیبر کے یہود اُدھر تو غطفان سے اسلام کے مقابلہ کے لئے سازش کر رہے تھے اِدھر مدینہ کے منافقین ان کو مسلمانوں کی خبریں پہنچاتے رہتے تھے اور ان کو ہمت دلاتے رہتے تھے کہ مسلمان تم سے سر بر نہیں ہو سکتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ ان لوگوں سے معاہدہ ہو جائے اس بنا پر آپؐ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو بھیجا تھا۔ لیکن اُدھر تو یہود خود سخت دل اور بدگمان قوم تھی اِدھر منافقین ان کو ابھارتے تھے۔ اسی زمانہ میں راس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول نے اہل خیبر کے پاس کہلا بھیجا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں لیکن تم ان سے نہ ڈرنا۔ ان کی ہستی کیا ہے۔ مٹھی بھر آدمی ہیں جن کے پاس ہتھیار تک نہیں۔ یہود نے یہ سُن کر کنانہ اور ہودہ ابن قیس کو غطفان کے پاس بھیجا کہ ہمارے ساتھ مل کر مدینہ پر حملہ کرو تو ہم نخلستان کی نصف پیداوار تم کو دیں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ غطفان نے اس کو منظور کیا۔

غطفان کا ایک قوت ور قبیلہ بنو فزارہ تھا۔ ان کو جب یہ معلوم ہوا کہ خیبر والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں تو وہ خود خیبر میں آئے کہ ہم تمہارے شریک ہو کر لڑیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ معلوم ہوا تو آپؐ نے بنو فزارہ کو خط لکھا کہ تم خیبر والوں کی مدد سے باز آؤ۔ خیبر فتح ہو جائے گا تو تم کو بھی حصہ دیا جائے گا لیکن بنو فزارہ نے انکار کیا۔

ذی قرد (محرم ۷ھ)

غطفان کی شرکت جنگ کا دیباچہ یہ تھا کہ ذی قرد کی چراگاہ پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنیوں کی چراگاہ تھی (اس قبیلہ کے چند آدمیوں نے بہ سرداری عبدالرحمن بن عیینہ) چھاپا مارا۔ اور بیس اونٹنیاں پکڑ کر لے گئے۔ حضرت ابوذرؓ کے صاحبزادے کو جو اونٹنیوں کی حفاظت پر متعین تھے قتل کر دیا اور ان کی بیوی کو گرفتار کر کے لے گئے۔ مسلمانوں نے جب تعاقب کیا تو وہ

درہ میں گھس گئے۔ وہاں عیینہ بن حصن جو قبائل غطفان کا سپہ سالار تھا ان کی امداد کو موجود تھا
میں حضرت سلمہؓ بن الاکوع ایک مشہور قدرانداز صحابی تھے۔ سب سے پہلے ان کو اس غارت
کی خبر معلوم ہوئی۔ انہوں نے واصباحاہ کا نعرہ مارا اور دوڑ کر حملہ آوروں کو جا لیا۔ وہ او
کو پانی پلا رہے تھے۔ سلمہؓ نے تیر برسانے شروع کئے۔ حملہ آور بھاگ نکلے۔ انہوں نے تع
کیا اور لڑ بھڑ کر تمام اونٹنیاں چھڑا لائے۔ دربار نبوتؐ میں آکر عرض کی کہ میں دشمنوں کو پیا
کر آیا ہوں۔ اگر سو آدمی مل جائیں تو ایک ایک کو گرفتار کر لاتا ہوں۔ آپؐ نے رحمت عالم
لحاظ سے فرمایا:

ملکت فاسجح

قابو پا جاؤ تو عفو سے کام لو۔

اس واقعہ کے تین دن بعد خیبر کی جنگ پیش آئی۔

خیبر کا غزوہ اور غزوات کی بہ نسبت ایک امتیاز خاص رکھتا ہے اور اگرچہ ارباب سیر
نظر اس نکتہ پر نہیں پڑی کہ اس امتیاز کے اسباب کیا تھے تاہم واقعہ کی حیثیت سے امتیاز
ان کی زبان سے بھی بلا قصد نکل گئے ہیں۔ سب سے مقدم یہ کہ جب آپؐ نے خیبر کا قصد کیا
اعلان عام کر دیا۔

"ہمارے ساتھ صرف وہ لوگ آئیں جو طالب جہاد ہیں۔"

اب تک جو لڑائیاں وقوع میں آئیں محض دفاعی تھیں۔ یہ پہلا غزوہ ہے جس میں غیر مسلم
رعایا بنائے گئے اور طرز حکومت کی بنیاد قائم ہوئی۔ اسلام کا اصلی مقصد تبلیغ دعوت ہے
اب اگر کوئی قوم اس دعوت کی سد راہ نہ ہو تو اسلام کو نہ تو اس سے جنگ ہے نہ اس کے
رعایا بنانے کی ضرورت ہے۔ صرف معاہدہ صلح کافی ہے جس کی بہت سی مثالیں اسلام میں موجو
ہیں۔ لیکن جب کوئی قوم خود اسلام کی مخالفت پر کمربستہ ہو اور اس کو مٹا دینا چاہے تو اسلام کو
مدافعت کے لئے تلوار ہاتھ میں لینا پڑتی ہے اور اس کو اپنے زیر اثر رکھنا پڑتا ہے۔ خیبر اس
قاعدہ کے موافق اسلام کا پہلا مفتوحہ ملک تھا۔

ایک مدت تک لوگ جہاد کو عرب کے قدیم طریقہ کے موافق معاش کا ذریعہ سمجھتے رہے
اس لڑائی (خیبر) تک بھی یہ غلط فہمی رہی۔ یہ پہلا غزوہ ہے جس میں یہ پردہ اٹھا دیا گیا اور

Marfat.com

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ اس لڑائی میں صرف لوگ شریک ہوں جن کا مقصد ہو اور اعلائے کلمۃ اللہ ہو۔

غرض آپؐ غطفان اور یہود کے حملہ کی مدافعت کے لئے مدینہ سے محرم ۷ھ میں حضرت سباع بن عرفطہ غفاری کو مدینہ کا افسر مقرر کر کے روانہ ہوئے۔ ازواج مطہرات میں سے حضرت ام سلمہؓ ساتھ تھیں۔ فوج کی تعداد ۱۶۰۰ تھی۔ جن میں ۲۰۰ سوار اور باقی پیدل تھے۔ اس وقت تک لڑائیوں میں علم کا رواج نہ تھا۔ چھوٹی چھوٹی جھنڈیاں ہوتی تھیں۔ یہ پہلا موقع تھا کہ آپؐ نے علم تیار کروائے۔ دو حضرت حبابؓ بن منذر اور حضرت سعدؓ بن عبادہ کو عنایت ہوئے اور ایک علم نبویؐ جس کا پھریرا حضرت عائشہؓ کی چادر سے تیار ہوا تھا جناب امیرؓ کو مرحمت ہوا فوج جب روانہ ہوئی تو حضرت عامر بن الاکوع جو مشہور شاعر تھے، یہ رجز پڑھتے ہوئے آگے چلے۔

اے خدا۔ اگر تو ہدایت نہ کرتا تو ہم ہدایت نہ پاتے
نہ خیرات کرتے نہ روزے رکھتے
ہم تجھ پر فدا ہوں ہم جو احکام نہیں بجا لائے
اُن کو معاف کر دے اور ہم پر تسلی نازل کر
ہم جب فریاد میں پکارے جاتے ہیں تو پہنچ جاتے ہیں
اور جب مڈبھیڑ ہو تو ہم کو ثابت قدم رکھ۔
لوگوں نے پکار کر ہم سے استغاثہ چاہا ہے۔

راہ میں ایک میدان آیا۔ صحابہ نے تکبیر کے نعرے بلند کئے۔ چونکہ تعلیم اور تلقین کا سلسلہ ہر وقت جاری رہتا تھا اور بات بات میں نکات شریعت کی تعلیم ہوتی رہتی تھی۔ ارشاد ہوا کہ آہستہ! کیونکہ کسی بہرے اور دور از نظر کو نہیں پکار رہے ہو۔ تم جس کو پکارتے ہو وہ تمہارے پاس ہی ہے۔

اس غزوہ میں چند خاتونیں بھی اپنی خواہش سے فوج کے ساتھ ہو لی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپؐ نے اُن کو بلا بھیجا اور غضب کے لہجہ میں فرمایا:

Marfat.com

"تم کس کے ساتھ آئیں اور کس کے حکم سے آئیں؟"

بولیں:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اس لئے آئی ہیں۔ کہ چرخ کات کر کچھ پیدا کریں اور اس کام میں مدد دیں گے۔ ہمارے پاس زخمیوں کے لئے دوائیں بھی ہیں۔ اس کے علاوہ تیر اٹھا کر لائیں گی۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح کے بعد جب مال غنیمت تقسیم کیا تو ان کا بھی حصہ لیکن یہ حصہ کیا تھا؟ زر و جواہر نہ تھے، مال و اسباب نہ تھا، درہم و دینار نہ تھے بلکہ صرف کھجوریں تھیں۔ تمام مجاہدین کو یہی ملا تھا اور ان پردہ نشینوں نے بھی یہی پایا تھا۔

حدیث اور سیرت کی تمام کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اکثر غزوات میں مستورات رہتی تھیں، جو زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں اور پیاسوں کو پانی پلاتی تھیں۔ جنگ اُحد میں حضرت عائشہ کا مشک میں پانی بھر بھر کر لانا اور زخمیوں کو پلانا اوپر گزر چکا ہے لیکن یہ امر کہ عورتیں میدان سے تیر اٹھا اٹھا کر بھی لاتی اور مجاہدین کو دیتی تھیں صرف ابوداؤد نے ذکر کیا ہے لیکن سند متصل سے ذکر کیا ہے اس لئے شک کی گنجائش نہیں۔ یوں بھی عرب کی مستورات سے کم سے کم یہی توقع کی جاسکتی ہے۔

چونکہ معلوم تھا کہ غطفان اہل خیبر کی مدد کو آئیں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام رجیع میں فوجیں اتاریں جو غطفان اور خیبر کے بیچ میں ہے۔ اسباب باربرداری، خیمہ اور خرگاہ اور مستورات یہاں چھوڑ دی گئیں اور فوجیں خیبر کی طرف بڑھیں۔ غطفان یہ سن کر کہ اسلامی فوجیں خیبر کی طرف بڑھ رہی ہیں ہتھیار سج کر نکلے لیکن آگے بڑھ کر جب ان کو معلوم ہوا کہ خود ان کا گھر خطرے میں ہے، تو واپس چلے گئے۔

خیبر میں چھ[1] قلعے تھے، سالم — قموص — نطاۃ — قصارہ — شق — مربطہ اور ہیبا

---

[1] صاحب اصح السیر قاموس کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ خیبر آٹھ قلعوں کا مجموعہ تھا، النطاۃ الشق، الناعم ایک جانب تھے اور الکتیبہ، الوطیح، السلالم دوسری جانب تھے (بقیہ بر ص ۲۷۹)

Marfat.com

کہ یعقوبی نے تصریح کی ہے ان میں بیس ہزار سپاہی موجود تھے۔ ان سب میں قموص نہایت مضبوط اور محفوظ قلعہ تھا۔ مرحب عرب کا مشہور پہلوان جو ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا اسی قلعہ کا رئیس تھا۔ ابن ابی الحقیق کا خاندان جس نے مدینہ سے جلا وطن ہو کر خیبر کی ریاست حاصل کر لی تھی یہیں رہتا تھا۔

لشکر اسلام جب خیبر کے قریب یعنی مقام صہبا میں پہنچا تو نمازِ عصر کا وقت آچکا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں ٹھہر کر نمازِ عصر ادا کی۔ پھر کھانا طلب فرمایا۔ رسد کا ذخیرہ صرف ستو تھے۔ وہی آپؐ نے بھی پانی میں گھول کر نوش فرمائے۔ رات ہوتے ہوتے فوج اسلام خیبر کے سواد میں پہنچ گئی۔ عمارتیں نظر آئیں تو آپؐ نے صحابہؓ سے ارشاد فرمایا کہ ٹھہر جاؤ۔ پھر خدا تعالیٰ کا نام لے کر یہ دعا مانگی :-

"اے خدا ــــ ! ہم تجھ سے اس گاؤں کی اور گاؤں والوں کی اور گاؤں کی چیزوں کی بھلائی چاہتے ہیں اور ان سب کی برائیوں سے پناہ مانگتے ہیں۔"

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ یہ آپؐ کا معمول تھا۔ یعنی جب کسی مقام میں داخل ہوتے تھے تو پہلے یہ دُعا مانگ لیتے تھے۔ چونکہ سنت نبویؐ یہ تھی کہ رات کو کسی مقام پر حملہ نہیں کیا جاتا تھا۔ اس لئے یہ رات یہیں بسر کی۔ صبح کو خیبر میں داخلہ ہوا۔ یہودیوں نے مستورات کو ایک محفوظ مقام میں پہنچا دیا۔ رسد اور غلّہ قلعہ ناعم میں یکجا کیا اور فوجیں قلعہ نطاۃ اور قموص میں فراہم کیں۔ سلام بن مشکم نضیری بیمار تھا تاہم اُس نے سب سے زیادہ حصّہ لیا اور خود قلعہ نطاۃ میں آکر فوج میں شرکت کی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود جنگ نہ تھا لیکن جب یہود نے بڑے سرو سامان کے ساتھ جنگ کی تیاری کی تو آپ نے صحابہؓ کو مخاطب کر کے وعظ فرمایا اور جہاد کی ترغیب دی۔ سب سے پہلے قلعہ ناعم پر فوجیں بڑھیں۔ حضرت محمودؓ بن سلمہ نے بڑی دلیری سے حملہ کیا

(بقیہ حاشیہ از صفحہ ۲۷۸) اس کے علاوہ سب سے مستحکم قلعہ القموص، جو ابی الحقیق کا قلعہ تھا اور النطاۃ کے پاس قلعہ صعب بن معاذ تھا۔ آگے چل کر مولانا شبلی بھی ساتویں قلعہ کا نام لیتے ہیں۔ (مرتب)

Marfat.com

اور دیر تک لڑتے رہے لیکن چونکہ سخت گرمی تھی تھک کر دم لینے کے لئے قلعہ کی دیوار کے سایہ میں بیٹھ گئے۔ کنانہ بن الربیع نے قلعہ کی فصیل سے چکی کا پاٹ ان کے سر پر گرایا جس کے صدمہ سے وفات پائی لیکن قلعہ بہت جلد فتح ہو گیا۔

ناعم کے بعد اور قلعے با آسانی فتح ہوتے گئے لیکن قلعہ قموص مرحب کا تخت گاہ تھا۔ اس مہم پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو بھیجا لیکن دونوں ناکام واپس آئے۔ جب مہم میں زیادہ دیر ہوئی تو ایک دن شام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "کل میں اس شخص کو علم دوں گا جس کے ہاتھ پر خدا فتح دے گا اور جو خدا اور خدا کے رسولؐ کو چاہتا ہے اور خدا اور خدا کا رسولؐ بھی اس کو چاہتے ہیں۔" یہ رات نہایت امید اور انتظار کی رات تھی۔ صحابہ نے تمام رات اس بے قراری میں کاٹی کہ دیکھئے یہ تاج فخر کس کے ہاتھ آتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے قناعت پسندی اور بلند نظری کی بنا پر کبھی حکومت اور سروری کی تمنا نہیں کی لیکن جیسا کہ صحیح مسلم باب فضائل علیؓ میں مذکور ہے اُن کو خود اعتراف ہے کہ اس موقع کی تمنا میں اُن کی خود داری بھی قائم نہ رہ سکی۔

صبح کو دفعۃً یہ آواز کانوں میں آئی کہ علیؓ کہاں ہیں؟ یہ بالکل غیر متوقع آواز تھی کیونکہ جناب موصوف کی آنکھوں میں آشوب تھا اور سب کو معلوم تھا کہ وہ جنگ سے معذور ہیں۔ غرض حسب طلب وہ حاضر ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا اور دُعا فرمائی۔ جب ان کو علم عنایت ہوا تو انہوں نے عرض کی کہ "کیا یہود کو لڑ کر مسلمان بنا لیں؟" ارشاد ہوا کہ "بہ نرمی اُن پر اسلام کو پیش کرو۔ اگر ایک شخص بھی تمہاری ہدایت سے اسلام لائے، تو سُرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔"

لیکن یہود اسلام یا صلح کے قبول کرنے پر راضی نہیں ہو سکتے تھے۔ مرحب قلعہ سے یہ رجز پڑھتا ہوا باہر نکلا۔

"خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں
دلیر ہوں، تجربہ کار ہوں، سلاح پوش ہوں۔"

مرحب کے سر پر یمنی زرد رنگ کا مغفر اور اُس کے اوپر سنگی خود تھا۔ قدیم زمانہ میں گول

Marfat.com

تر پیچ سے خالی کر لیتے تھے۔ یہی خود کہلاتا تھا۔

مرحب کے جواب میں حضرت علیؓ نے یہ رجز پڑھا:

"میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام شیر رکھا تھا

میں شیر نیستاں کی طرح مہیب اور بدمنظر ہوں"

مرحب بڑے طمطراق سے آیا لیکن حضرت علیؓ نے اس زور سے تلوار ماری کہ سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک اتر آئی اور ضربت کی آواز فوج تک پہنچی۔ غرض یہ قلعہ قموص بیس دن کے محاصرے کے بعد فتح ہوگیا۔ ان معرکوں میں ۹۳ یہود مارے گئے جن میں حارث، مرحب، اسیر، یاسر، عامر زیادہ مشہور ہیں۔ صحابہ میں پندرہ بزرگوں نے شہادت حاصل کی۔

فتح کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند روز خیبر میں قیام کیا۔ اگرچہ یہود کو کامل امن وامان دیا گیا اور ان کے ساتھ ہر طرح کی مراعات کی گئیں تاہم اُن کا طرزِ عمل مفسدانہ اور باغیانہ رہا چنانچہ یہ تھا کہ ایک دن زینب نے جو سلام بن مشکم کی بیوی اور مرحب کی بھاوج تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چند صحابہؓ کے ساتھ دعوت کی۔ آپؐ نے فرطِ کرم سے قبول فرمایا۔ زینب نے کھانے میں زہر ملا دیا تھا۔ آپؐ نے ایک لقمہ کھا کر ہاتھ کھینچ لیا لیکن حضرت بشرؓ بن براء نے پیٹ بھر کر کھایا اور زہر کے اثر سے بالآخر ہلاک ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب کو بلا کر پوچھا۔ اُس نے جرم کا اقبال کر لیا۔ یہود نے کہا:

"ہم نے اس لئے زہر دیا کہ اگر آپؐ پیغمبر ہیں تو زہر خود اثر نہ کرے گا اور پیغمبر نہیں ہیں تو ہم کو آپؐ کے ہاتھ سے نجات مل جائے گی"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اپنی ذات کے لئے کسی سے انتقام نہیں لیتے تھے۔ اس بنا پر آپؐ نے زینب سے تعرض نہیں فرمایا لیکن جب دو تین دن کے بعد حضرت بشرؓ زہر کے اثر سے انتقال کر گئے تو وہ قصاص میں قتل کر دی گئی۔

کنانہ بن الحقیق کو اس شرط پر امان دی گئی تھی کہ کسی قسم کی بدعہدی اور خلاف بیانی نہیں کرے گا بلکہ ایک روایت میں ہے کہ اُس نے یہ بھی منظور کیا تھا کہ اگر اس کے خلاف اُس نے کچھ کیا تو وہ قتل کا مستحق ہوگا۔ کنانہ نے بدعہدی کی اور جو امن اُس کو دیا گیا تھا ٹوٹ گیا۔ کنانہ نے محمودؓ بن مسلمہ

Marfat.com

کو قتل کیا تھا۔ اب اُس کے قصاص میں وہ قتل کر دیا گیا۔ طبری میں تصریح ہے:۔

"پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کنانہ کو محمدؓ ابن مسلمہ کے حوالے کیا۔ اُنہوں نے اپنے بھائی محمودؓ بن مسلمہ کے قصاص میں اس کو قتل کر دیا۔"

ایک دن صحابہؓ میں سے حضرت عبدؓ اللہ بن سہیل اور حضرت محیصہؓ قحط سالی کے زمانہ میں خیبر گئے۔ یہود نے حضرت عبدؓ اللہ کو دھوکا سے قتل کر کے ایک نہر میں ڈال دیا۔ حضرت محیصہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر واقعہ بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم قسم کھا سکتے ہو کہ یہودیوں نے قتل کیا۔ عرض کیا کہ حضور وہ تو پچاس مسلمانوں کو قتل کر کے بھی جھوٹی قسم کھا لیں گے۔ غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے تعرض نہیں کیا اور بیت المال سے مقتولوں کا خون بہا دلا دیا۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں یہود نے حضرت عبدؓ اللہ بن عمرؓ کو سوتے میں کوٹھے پر سے گرا دیا کہ ان کا ہاتھ اور پاؤں ٹوٹ گیا۔ اس طرح ہمیشہ فساد انگیزیاں کرتے رہتے تھے مجبور ہو کر حضرت عمرؓ نے ان کو شام کے اضلاع میں جلاوطن کر دیا۔ صحیح بخاری میں ہے۔

"پھر جب حضرت عمرؓ نے یہ ارادہ کر لیا تو ابوالحقیق کا ایک بیٹا ان کے پاس آیا اور کہا کہ امیرالمومنین! آپ ہم کو نکالتے ہیں حالانکہ ہم کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے رہنے دیا تھا اور خراج پر معاملہ کیا تھا۔"

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں تصریح کی ہے کہ یہ وہی کنانہ ابن ابی الحقیق کا بھائی تھا۔

Marfat.com

تقسیمِ زمین

فتح کے بعد زمین مفتوحہ پر قبضہ کر لیا گیا۔ خیبر کی زمین دو برابر حصّوں میں تقسیم کی گئی نصف بیت المال، مہمانی اور سفارت وغیرہ کے مصارف کے لئے خاص کر لیا گیا۔ باقی نصف مجاہدین پر جو اس غزوہ میں شریک تھے مساوی حصّوں میں تقسیم کیا گیا۔ کل فوج کی تعداد چودہ سو تھی۔ دو سو سوار تھے۔ سواروں کو گھوڑوں کے مصارف کے لئے پیدل سے دُگنا ملتا تھا۔ اس بنا پر یہ تعداد اٹھارہ سو کے برابر تھی۔ اس حساب سے کل جائداد کے اٹھارہ سو حصّے کئے گئے اور ہر مجاہد کے حصّہ میں ایک حصّہ آیا۔ جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عام مجاہدین کے برابر ایک ہی حصّہ ملا۔

لیکن یہود نے درخواست کی کہ زمین ہمارے قبضہ میں رہنے دی جائے ہم پیداوار کا نصف حصّہ ادا کریں گے۔ یہ درخواست منظور ہوئی۔ بٹائی کا وقت آتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن رواحہ کو بھیجتے تھے۔ وہ غلہ کو دو حصّوں میں تقسیم کر کے یہود سے کہتے تھے کہ اس میں سے جو حصّہ چاہو لے لو۔ یہود اس عدل پر متحیر ہو کر کہتے تھے کہ زمین اور آسمان ایسے ہی عدل سے قائم ہیں۔

عام روایت ہے کہ مالِ غنیمت میں سے خمس کے علاوہ ایک حصّہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص طور پر کر لیا جاتا تھا جس کو صفی کہتے ہیں۔ اس بنا پر حضرت صفیہؓ زوجہ کنانہ بن الربیع کو آپ نے لے لیا اور آزاد کر کے اُن سے نکاح کر لیا۔

Marfat.com

ملکی حالت اور احکامِ فقہی

خیبر کی فتح سے اسلام کی ملکی اور سیاسی حالت کا نیا دور شروع ہوتا ہے۔ اسلام کے حقیقی دشمن صرف دو تھے — مشرکین اور یہود۔ عیسائی اگرچہ عرب میں موجود تھے لیکن وہ کچھ زور اور اثر نہیں رکھتے تھے۔ مشرکین اور یہود اگرچہ مذہباً باہم مختلف تھے لیکن سیاسی اسباب کی بنا پر ان میں اتحاد پیدا ہو گیا تھا۔ مدینہ کے یہود عموماً انصار کے حلیف تھے۔ اسی طرح خیبر کے یہود غطفان کے حلیف تھے۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کے لئے مکہ اور مدینہ کے مشرکین اور منافقین سب مل کر کنفس واحدۃ ہو گئے۔ خیبر کی فتح کے بعد یہود کی قوت بالکل ٹوٹ گئی اور مشرکین کا ایک بازو جاتا رہا۔ اب تک اسلام چاروں طرف سے نرغہ کی حالت میں تھا اس بنا پر بجز عقائد اور ضروری عبادات کے شریعت کے اور احکام کی تاسیس و تعلیم کا موقع نہ تھا۔ خیبر کی فتح نے ادھر تو یہود کی فتنہ انگیزیوں سے نجات ملی، اُدھر حدیبیہ کی صلح سے مشرکین کی طرف سے فی الجملہ اطمینان حاصل ہوا۔ اس بنا پر اب مسلمان جدید فقہی احکام کی تعمیل کے قابل ہو چکے تھے۔

ارباب سیر نے غزوہ خیبر کے تذکرہ میں عموماً ذکر کیا ہے کہ اس موقع پر متعدد جدید فقہی احکام نازل ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی تبلیغ کی۔ اُن کی تفصیل یہ ہے :-

۱۔ پنجہ دار پرند حرام ہو گئے۔

۲۔ درندہ جانور حرام کر دیئے گئے۔

۳۔ گدھا اور خچر حرام کر دیا گیا۔

۴۔ اب تک معمول تھا کہ لونڈیوں سے فوراً تمتع جائز سمجھا جاتا تھا۔ اب استبراء کی قید ہو گئی

یعنی اگر وہ حاملہ ہے تو وضع حمل تک ورنہ ایک مہینہ تک تمتع جائز نہیں۔

۵۔ چاندی سونے کا بہ تفاضل ذاتنا کہ ضرورت سے زیادہ ہوا ور فالتو بچ جائے خریدنا حرام ہوا۔

۶۔ بعض روایتوں میں ہے کہ متعہ بھی اسی غزوہ میں حرام ہوا۔

وادی القریٰ اور فدک

تیما اور خیبر کے درمیان ایک وادی ہے جس میں بہت سی بستیاں آباد ہیں۔ اس کو وادی القریٰ کہتے ہیں۔ قدیم زمانہ میں عاد و ثمود یہاں آباد تھے۔ یاقوت نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ عاد و

۱؎ متن میں فدک کا ذکر موجود نہیں۔ صاحب اصح السیر کی تحقیق کے مطابق جنگ خیبر کے بعد جب خیبر کی اس نواحی بستی والوں کو خیبر کے معاملہ کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہلا بھیجا کہ ہم بھی خیبر کی شرائط پر صلح کرنے کو تیار ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمایا اور اس بستی سے متعلق زمین کا نصف حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک قرار پایا کیونکہ اس کے حصول کے لئے جنگ نہیں ہوئی تھی اس لئے ان زمینوں کو خیبر کی زمینوں کی طرح لشکریوں میں تقسیم نہیں کیا گیا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب یہودیوں کو حجاز سے جلاوطن کیا گیا تو خیبر کی پوری زمین کی کوئی قیمت ادا نہیں کی گئی لیکن اس کے برعکس فدک کی آدھی زمین کی قیمت اہل فدک کو ادا کی گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خاص زمینوں کی آمدنی میں سے ازواج مطہرات کے نفقات پر خرچ فرماتے تھے اور جو باقی بچ جاتا تھا اُسے ملت کی بہبود پر خرچ کیا جاتا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں حضرت فاطمہؓ نے جن زمینوں میں سے اپنا حصہ طلب کیا ان میں سے فدک کی زمینیں بھی تھیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ یہ زمین ملکیت نہیں ہو سکتی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ انبیاء کا ترکہ وراثت میں نہیں ملتا۔ وہ جو کچھ چھوڑیں صدقہ ہے۔ جس جس کا نفقہ اس میں مقرر ہے (بقیہ بر صفحہ ۲۸۶)

Marfat.com

ثمود کے آثارات اب بھی باقی ہیں۔ اسلام سے پہلے ان بستیوں میں یہود آکر آباد ہوئے اور زراعت و آب رسانی کو بہت ترقی دی اور اب یہ یہود کا مخصوص مرکز بن گیا تھا۔ خیبر کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی القریٰ کا رُخ کیا لیکن لڑنا مقصود نہ تھا مگر یہود پہلے سے تیار تھے۔ اُنہوں نے فوراً تیر اندازی شروع کر دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا محمل آپؐ کے غلام (حضرت مُدعم) اتار رہے تھے کہ ایک تیر آیا اور وہ جاں بحق ہوئے۔ جنگ شروع ہو گئی لیکن تھوڑے سے مقابلہ کے بعد یہود نے سپر ڈال دی اور خیبر کی شرائط کے موافق صلح ہو گئی۔

(بقیہ حاشیہ از صفحہ ۲۸۵) وہ اسی طرح رہے گا اور جس جس کام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے صرف فرماتے تھے یہ انہی کاموں پر صرف ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے بھی اپنے زمانے میں انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ کہا تھا اور انہیں تقسیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ (مرتب)

Marfat.com

ادائے عمرہ

صلح حدیبیہ میں قریش سے معاہدہ ہوا تھا کہ اگلے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکّہ میں آکر عمرہ ادا کریں گے اور تین دن قیام کر کے واپس چلے جائیں گے۔ اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال عمرہ ادا کرنا چاہا اور اعلان کرا دیا کہ جو لوگ واقعی حدیبیہ میں شریک تھے اُن میں سے کوئی رہ نہ جائے۔ چنانچہ بجز ان لوگوں کے جو اس اثنا میں مر چکے تھے سب نے یہ سعادت حاصل کی۔

معاہدہ میں شرط تھی کہ مسلمان مکّہ میں آئیں تو ہتھیار ساتھ نہ لائیں۔ اس لئے اسلحہ جنگ بطن یا جج میں جو مکّہ سے آٹھ میل ادھر ہے چھوڑ دیئے گئے اور دو سو سواروں کا ایک دستہ اسلحہ کی حفاظت کے لئے متعین کر دیا گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لبیک کہتے ہوئے حرم کی طرف بڑھے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ اونٹ کی مہار تھامے ہوئے آگے آگے یہ رجز پڑھتے ہوئے جاتے تھے:۔

"کافرو! سامنے سے ہٹ جاؤ۔ آج جو تم نے اترنے سے روکا تو ہم تلوار کا وار کریں گے۔ وہ وار جو سر کو خواب گاہ سر سے الگ کر دے اور دوست کے دل سے دوست کی یاد بھلا دے۔"

صحابہ کا جم غفیر ساتھ تھا اور برسوں کی دیرینہ تمنّا۔ اور فرض مذہبی بڑے جوش کے ساتھ ادا ہو رہا تھا۔ اہل مکّہ کا خیال تھا کہ مسلمانوں کو مدینہ کی آب و ہوا نے کمزور کر دیا ہے۔ اس بنا پر آپ نے حکم دیا کہ لوگ طواف کے تین پہلے پھیروں میں اکڑتے ہوئے چلیں۔ عربی زبان میں اس کو "رمل" کہتے ہیں۔ چنانچہ آج تک یہ سنت باقی ہے۔

اہل مکہ نے اگرچہ چاروناچار عمرہ کی اجازت دے دی تھی تاہم اُن کی آنکھیں منظر کے دیکھنے کی تاب نہیں لا سکتی تھیں۔ رؤسائے قریش نے عموماً شہر خالی کر دیا پہاڑوں پر چلے گئے۔ تین دن کے بعد حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہا کہ "محمدؐ سے کہ کہ شرط پوری ہو چکی۔ اب مکہ سے نکل جائیں" حضرت علیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ سے عرض کی۔ آپؐ اسی وقت روانہ ہو گئے۔ چلتے وقت حضرت حمزہؓ کی صغیر السن صاحبزادی امامہؓ جو مکہ میں رہ گئی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چچا چچا کہتی دوڑی آئیں حضرت علیؓ نے ہاتھوں میں اٹھا لیا لیکن حضرت جعفرؓ (حضرت علیؓ کے بھائی) اور زیدؓ نے اپنے دعوے پیش کئے۔ حضرت جعفرؓ کہتے تھے کہ یہ میرے چچا کی لڑکی ہے۔ زیدؓ کہتے تھے کہ حمزہؓ میرے مذہبی بھائی تھے۔ اس رشتہ سے یہ میری بھتیجی ہے۔ حضرت علیؓ کا دعویٰ تھا کہ میری ہمشیرہ بھی ہے اور پہلے میری ہی گود میں آئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کے دعوے مساوی الدرجہ دیکھ کر ان کو اسماءؓ کی گود میں دیا۔ وہ امامہ کی خالہ تھیں پھر فرمایا کہ خالہ ماں کے برابر ہوتی ہے۔

Marfat.com

غزوہ موتہ

جمادی الاوّل ــــــ ۸ھ

Marfat.com

موتہ شام میں ایک مقام کا نام ہے جو بلقار سے اس طرف ہے۔ عرب میں جو مشرقی تلواریں مشہور ہیں وہ یہیں بنتی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ بصریٰ یا قیصر روم کے نام ایک خط لکھا تھا۔ عرب اور شام کے سرحدی علاقوں میں جو عرب رؤسا حکمران تھے ان میں ایک شرجیل بن عمرو بھی تھا جو اسی علاقہ بلقار کا رئیس اور قیصر کا ماتحت تھا۔ یہ عربی خاندان ایک مدت سے عیسائی تھا اور شام کے سرحدی مقامات میں حکمران تھا۔ یہ خط حارث بن عمیر لے کر گئے تھے شرجیل نے ان کو شہید کر دیا۔ اس کے قصاص کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہزار فوج تیار کر کے شام کی طرف روانہ کی۔ زیدؓ بن حارثہ کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے، سپہ سالاری ملی۔ اور ارشاد ہوا کہ اگر ان کو دولت شہادت نصیب ہو، تو جعفر طیارؓ اور وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ فوج کے سردار ہوں۔ حضرت زیدؓ غلام تھے گو آزاد ہو چکے تھے۔ حضرت جعفر طیارؓ، حضرت علیؓ کے حقیقی بھائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرب خاص تھے۔ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ معزز انصاری اور مشہور شاعر تھے۔ اس بنا پر لوگوں کو تعجب ہوا کہ حضرت جعفر و حضرت عبداللہ بن رواحہ کے ہوتے ہوئے حضرت زیدؓ کو افسر کرنا کس بنا پر ہے۔ چنانچہ لوگوں میں چرچے ہوئے لیکن اسلام جس مساوات عام کے قائم کرنے کے لئے آیا تھا۔ اس کے لئے اسی قسم کا ایثار درکار تھا۔ حضرت اسامہؓ کی مہم میں جس میں تمام مہاجرین کو شرکت کا حکم ہوا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی زیدؓ کے صاحبزادے حضرت اسامہؓ کو فوج کا افسر مقرر کیا تھا۔ اس وقت بھی لوگوں میں چرچے ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو خطبہ دیا اور فرمایا کہ "تم لوگوں نے ان کے باپ کی افسری پر بھی اعتراض کیا تھا

حالانکہ یقیناً وہ افسری کے قابل تھے۔"

گو یہ مہم قصاص لینے کی غرض سے تھی لیکن چونکہ تمام مہمات کا اصل محور تبلیغ اسلام تھا، ارشاد ہوا کہ پہلے اُن کو دعوتِ اسلام دی جائے۔ اگر وہ اسلام قبول کریں تو جنگ کی ضرورت نہیں۔ یہ بھی حکم ہوا کہ اظہارِ ہمدردی کے لئے اس مقام پر جانا جہاں حارث بن عمیرؓ نے ادائے فرض میں جان دی ہے۔ ثنیۃ الوداع تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود فوج کی مشایعت کے لئے تشریف لے گئے۔ صحابہؓ نے پکار کر دعا کی کہ خدا سلامت اور کامیاب لائے۔

فوج مدینہ سے روانہ ہوئی تو جاسوسوں نے شرحبیل کو خبر دی جس نے مقابلہ کے لئے کم و بیش ایک لاکھ فوج تیار کی۔ ادھر خود قیصر روم ہرقل قبائل عرب کی بے شمار فوج لے کر مآب میں خیمہ زن ہوا جو بلقاء کے اضلاع میں ہے۔ حضرت زیدؓ نے یہ حالات سُن کر چاہا کہ ان واقعات سے دربار رسالتؐ کو اطلاع دی جائے اور حکم کا انتظار کیا جائے۔ لیکن حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نے کہا ہمارا اصل مقصد فتح نہیں بلکہ دولت شہادت ہے جو ہر وقت حاصل ہو سکتی ہے۔ غرض یہ مختصر گروہ آگے بڑھا اور ایک لاکھ فوج پر حملہ آور ہوا۔ حضرت زیدؓ برچھیاں کھا کر شہید ہوئے ان کے بعد حضرت جعفرؓ نے علم ہاتھ میں لیا۔ گھوڑے سے اُتر کر پہلے خود اپنے گھوڑے کے پاؤں پر تلوار ماری کہ اُس کی کونچیں کٹ گئیں۔ پھر اس بے جگری سے لڑے کہ تلواروں سے چور ہو کر گر پڑے۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرو کا بیان ہے کہ میں نے ان کی لاش دیکھی تھی۔ تلواروں اور برچھیوں کے نوّے زخم تھے لیکن سب کے سب سامنے کی جانب تھے۔ پشت نے یہ داغ نہیں اٹھایا تھا۔ حضرت جعفرؓ کے بعد عبداللہؓ بن رواحہ نے علم ہاتھ میں لیا اور وہ بھی دادِ شجاعت دے کر شہید ہوئے۔ اب حضرت خالدؓ سردار بنے اور نہایت بہادری سے لڑے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آٹھ تلواریں اُن کے ہاتھ سے ٹوٹ ٹوٹ کر گریں لیکن ایک لاکھ سے تین ہزار کا کیا مقابلہ تھا۔ بڑی کامیابی یہی تھی کہ فوجوں کو دشمن کی زد سے بچا لائے۔ جب یہ شکست خوردہ فوج مدینہ کے قریب پہنچی اور اہل شہر ان کی مشایعت (استقبال؟) کو نکلے تو لوگ غمخواری کے بجائے ان کے چہروں پر خاک پھینکتے تھے کہ او فراریو! تم خدا کی راہ سے بھاگ آئے۔

(حاشیہ بر صفحہ ۲۰۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کا سخت صدمہ ہوا۔ حضرت جعفرؓ سے آپ کو خاص محبت تھی۔ اُن کی شہادت کا نہایت قلق تھا۔ آپ مسجد میں جاکر غمزدہ بیٹھے۔ اسی حالت میں ایک شخص نے آکر کہا کہ جعفرؓ کی مستورات رو رہی ہیں اور ماتم کر رہی ہیں۔ آپؐ نے منع کرا بھیجا وہ گئے اور واپس آکر کہا کہ میں نے منع کیا لیکن وہ باز نہیں آتیں۔ آپؐ نے دوبارہ بھیجا۔ وہ پھر گئے اور واپس آکر عرض کی کہ ہم لوگوں کی نہیں چلتی۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ "اُن کے منہ میں خاک بھر دو"۔ یہ واقعہ حضرت عائشہؓ سے صحیح بخاری میں منقول ہے۔ صحیح بخاری میں یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اُس شخص سے کہا کہ "خدا کی قسم! تم یہ نہ کرو گے (منہ میں خاک ڈالنا) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف سے نجات نہ ملے گی"۔

لہ (مصنف نے ابن اسحاق کی روایت پر اعتماد کرکے اس فوج کو شکست خوردہ لکھا ہے اور اُن کی واپسی پر ان سب کو بلا امتیاز فراری ہونے کا مستحق ظاہر کیا ہے۔ لیکن جیسا کہ صحیح بخاری غزوہ مُوتہ میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ازروئے وحی فرمایا کہ پھر اللہ کی ایک تلوار یعنی خالدؓ سیف اللہ نے مسلمانوں کے علم کو اپنے ہاتھ میں لیا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنے دشمن پر غلبہ دیا (فتح اللہ علیہم) ارباب سیر اور اہل روایت اور شراح حدیث اس غلبہ یا فتح کی تشریح میں مختلف ہیں۔ ایک فریق کا بیان ہے کہ مسلمانوں کو پوری فتح حاصل ہوئی۔ دوسرے کا خیال ہے کہ مسلمانوں کا غلبہ اور فتح یہ ہے کہ مسلمان اس قلت تعداد اور کفار اپنی کثرت کے باوجود تھک کر غیر منفصل جنگ کی صورت میں ایک دوسرے کے مقابلہ سے ہٹ آئے۔ تیسرا فریق یہ ظاہر کرتا ہے کہ مسلمانوں کو فتح کفار کے ایک خاص دستہ کے مقابلہ میں حاصل ہوئی اور اس سے مال غنیمت بھی حاصل کیا۔ چوتھا بیان یہ ہے کہ مسلمانوں کا غلبہ یہ ہے کہ حضرت خالدؓ کی قیادت میں اتنے بڑے لشکر کے حملوں کو روک دیا اور بہ سلامت پیچھے ہٹ آئے۔ اس مقام پر فتح الباری، روض الانف، سہیلی اور البدایہ ابن کثیر ملاحظہ کرنا چاہیے۔ اس طرح مسلمانوں کی جس فوج کو اپنے اُوپر فراری ہونے کا گمان تھا یا مسلمانوں نے اُن کو فراری کہا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو تسلی دی کہ نہیں فراری نہیں بلکہ پھر دوبارہ حملہ کرنے کی نیت سے پیچھے ہٹ آنے والے ہیں اس کی مخاطب پوری اسلامی فوج نہیں بلکہ ان کی فوج کا ایک خاص دستہ تھا جو جلدی کرکے پہلے مدینہ چلا آیا تھا۔) (حاشیہ سید سلیمان ندوی)

Marfat.com

فتح مکہ

رمضان سنہ ھ مطابق جنوری سنہ ۶۳۰ء

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝

Marfat.com

خطبۂ فتح

اشتہاریانِ قتل

خزائنِ حرم

فتحِ مکہ اور بت شکنی

Marfat.com

صلح حدیبیہ کی بنا پر قبائل عرب میں خزاعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف ہو گئے تھے اور ان کے حریف بنو بکر نے قریش سے مخالفت کا معاہدہ کر لیا تھا۔ ان دونوں حریفوں میں مدت سے لڑائیاں چلی آتی تھیں۔ اسلام کے ظہور نے عرب کو ادھر متوجہ کیا تو وہ لڑائیاں رک گئیں اور اب تک رکی رہیں۔ کیونکہ قریش اور عرب کا سارا زور اسلام کے مقابلہ میں صرف ہو رہا تھا۔ صلح حدیبیہ نے لوگوں کو مطمئن کیا، تو بنو بکر سمجھے کہ اب انتقام کا وقت آ گیا۔ دفعتہً وہ خزاعہ پر حملہ آور ہوئے اور رؤسائے قریش نے علانیہ اُن کو مدد دی۔ عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو وغیرہ نے راتوں کو صورتیں بدل کر بنو بکر کے ساتھ تلواریں چلائیں۔ خزاعہ نے مجبور ہو کر حرم میں پناہ لی۔ بنو بکر رک گئے کہ حرم کا احترام ضرور ہے لیکن ان کے رئیس اعظم نوفل نے کہا یہ موقع پھر کبھی ہاتھ نہیں آ سکتا۔ غرض عین حدود حرم میں خزاعہ کا خون بہایا گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے کہ دفعتاً یہ صدا بلند ہوئی:۔

"اے خدا! میں محمدؐ کو وہ معاہدہ یاد دلاؤں گا جو ہمارے اور اُن کے قدیم خاندان میں ہوا ہے۔ اے پیغمبرؐ خدا ہماری اعانت کر اور خدا کے بندوں کو بلا، سب اعانت کے لئے حاضر ہوں گے۔"

معلوم ہوا کہ خزاعہ کے چالیس ناقہ سوار جن کا پیشرو عمرو بن سالم ہے فریاد لے کر آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعات سنے تو آپ کو سخت رنج ہوا۔ تاہم آپ نے قریش کے پاس قاصد بھیجا اور تین شرطیں پیش کیں کہ ان میں سے کوئی منظور کی جائے۔

۱۔ مقتولوں کا خون بہا دیا جائے۔

Marfat.com

۲- قریش بنو بکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں۔

۳- اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

قرطہ بن عمر نے قریش کی زبان سے کہا کہ صرف تیسری شرط منظور ہے لیکن قاصد کے چلے جانے کے بعد قریش کو ندامت ہوئی۔ انہوں نے ابو سفیان کو سفیر بنا کر بھیجا کہ حدیبیہ کے معاہدہ کی تجدید کرا لائیں۔ ابو سفیان نے مدینہ آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درخواست کی۔ بارگاہِ رسالت ﷺ سے کچھ جواب نہ ملا۔ ابو سفیان نے حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کو بیچ میں ڈالنا چاہا لیکن سب نے کانوں پر ہاتھ رکھا۔ ہر طرف سے مجبور ہو کر جناب فاطمہ زہراؓ کے پاس آیا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ پانچ برس کے بچے تھے۔ ابو سفیان نے اُن کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"اگر یہ بچہ اتنا زبان سے کہہ دے کہ میں نے دونوں فریقوں میں بیچ بچاؤ کرایا تو آج سے عرب کا سردار پکارا جائے گا۔"

جناب سیدہ نے فرمایا:

"بچوں کو ان معاملات میں کیا دخل۔"

بالآخر ابو سفیان نے حضرت علیؓ کے ایما سے مسجد نبوی میں جا کر اعلان کر دیا کہ "میں نے معاہدہ حدیبیہ کی تجدید کر دی۔"

ابو سفیان نے مکہ میں جا کر لوگوں سے یہ واقعہ بیان کیا تو سب نے کہا، "یہ نہ صلح ہے کہ ہم اطمینان سے بیٹھ جائیں نہ جنگ ہے کہ لڑائی کا سامان کیا جائے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی تیاریاں کیں۔ اتحادی قبائل کے پاس قاصد بھیجے کہ تیار ہو کر آئیں۔ احتیاط کی گئی کہ اہل مکہ کو خبر نہ ہونے پائے۔

حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ ایک معزز صحابی تھے۔ انہوں نے قریش کو مخفی خط لکھ بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ہو گئی۔ حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت مقدادؓ اور حضرت ابو مرثد غنوی کو بھیجا کہ قاصد سے خط چھین لائیں۔ خط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا تو تمام لوگوں کو حاطبؓ کے افشائے راز پر حیرت ہوئی۔ حضرت عمرؓ بے تاب ہو گئے اور عرض

Marfat.com

کی کہ حکم ہو تو ان کی گردن اڑا دوں"۔

لیکن جبین رحمت پر شکن نہ تھی، ارشاد ہوا:

"عمرؓ ـــــ! تم کو کیا معلوم ہے کہ خدا نے اہل بدر کو مخاطب کر کے کہہ دیا ہو کہ تم سے مواخذہ نہیں ہے"۔

حضرت حاطبؓ کے عزیز و اقارب اب تک مکہ میں تھے اور ان کا کوئی حامی نہ تھا۔ اس لئے انہوں نے قریش پر احسان رکھنا چاہا کہ اس کے صلہ میں اُن کے عزیزوں کو ضرر نہ پہنچائیں گے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہی عذر پیش کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرما لیا۔

غرض ۱۰۔ رمضان ۸ھ کو کوکبۂ نبویؐ نہایت عظمت و شان سے مکہ معظمہ کی طرف بڑھا۔ دس ہزار آراستہ فوجیں رکاب میں تھیں۔ قبائل عرب راہ میں آکر ملتے جاتے تھے۔ مرالظہران پہنچ کر لشکر نے پڑاؤ ڈالا اور فوجیں دُور دُور تک پھیل گئیں۔ یہ مقام مکہ سے ایک منزل یا اس سے بھی کم فاصلہ پر ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تمام فوج نے الگ الگ آگ روشن کی جس سے تمام صحرا وادیٔ ایمن بن گیا۔ فوج کی آمد کی بھنک قریش کے کانوں میں پڑ چکی تھی۔ تحقیق کے لئے انہوں نے حکیم بن حزام (حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے) ابوسفیان اور بدیل بن ورقہ کو بھیجا۔ خیمۂ نبویؐ کی دربانی پر جو دستہ متعین تھا اس نے ابوسفیان کو دیکھ لیا۔ حضرت عمرؓ جذبۂ انتقام کو ضبط نہ کر سکے۔ تیز قدمی سے آگے بڑھے اور بارگاہِ رسالتؐ میں آکر عرض کی کہ کفار کے استیصال کا وقت آگیا لیکن حضرت عباسؓ نے جاں بخشی کی درخواست کی۔ حضرت عمرؓ نے دوبارہ عرض کیا۔ حضرت عباسؓ نے کہا:

"عمرؓ! اگر یہ شخص تمہارے قبیلہ کا آدمی ہوتا تو تم اس قدر سخت دلی نہ کرتے"۔

حضرت عمرؓ نے کہا:

"آپ یہ نہ فرمائیں، آپ جس دن اسلام لائے تھے، مجھ کو جو مسرت ہوئی تھی خود میرا باپ خطاب اسلام لاتا تو مجھ کو اس قدر خوشی نہ ہوتی"۔

Marfat.com

ابوسفیان کے تمام پچھلے کارنامے اب سب کے سامنے تھے اور ایک ایک چیز اُن کے قتل کی دعویدار تھی۔ اسلام کی عداوت، مدینہ پر بار بار حملہ، قبائل عرب کا اشتعال، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خفیہ قتل کرانے کی سازش، ان میں سے ہر چیز اُس کے خون کی قیمت بن سکتی تھی۔ لیکن ان سب سے بالاتر ایک اور چیز (عفو نبوی) تھی۔ اُس نے ابوسفیان کے کان میں آہستہ سے کہا کہ "خوف کا مقام نہیں"۔

صحیح بخاری میں ہے کہ گرفتار ہونے کے ساتھ ابوسفیان نے اسلام قبول کر لیا لیکن طبری وغیرہ میں اس اجمال کی تفصیل میں حسب ذیل مکالمہ لکھا ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم —— کیوں ابوسفیان کیا اب بھی تم کو یقین نہیں آیا کہ خدا کے سوا اور کوئی معبود نہیں؟

ابوسفیان —— کوئی اور خدا ہوتا تو آج ہمارے کام آتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — کیا اس میں کچھ شک ہے کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں؟

ابوسفیان —— اس میں تو ذرا شبہ ہے۔

بہرحال ابوسفیان نے اسلام کا اظہار کیا اور اس وقت گو ان کا ایمان متزلزل تھا لیکن مؤرخین لکھتے ہیں کہ بالآخرہ وہ سچے مسلمان بن گئے۔ چنانچہ غزوہ طائف میں اُن کی ایک آنکھ شہید ہوئی اور یرموک میں وہ بھی جاتی رہی۔

لشکر اسلام جب مکّہ کی طرف بڑھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ سے ارشاد فرمایا کہ ابوسفیان کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر کھڑا کر دو کہ افواج الٰہی کا جلال آنکھوں سے دیکھیں۔ کچھ دیر کے بعد دریائے اسلام میں تلاطم شروع ہوا۔ قبائل عرب کی موجیں جوش مارتی ہوئی بڑھیں۔ سب سے پہلے غفار کا پرچم نظر آیا۔ پھر جہینہ (سعد بن) ہذیم سلیم ہتھیاروں میں ڈوبے ہوئے تکبیر کے نعرے مارتے ہوئے نکل گئے۔ ابوسفیان ہر دفعہ مرعوب ہو ہو جاتے تھے۔ سب کے بعد انصار کا قبیلہ اس سروسامان سے آیا کہ آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ ابوسفیان نے متحیر ہو کر پوچھا، یہ کون لشکر ہے؟ حضرت عباسؓ نے نام بتایا۔ دفعتاً سردار فوج حضرت سعد بن عبادہ ہاتھ میں علم لئے ہوئے برابر سے گزرے اور ابوسفیان کو دیکھ کر پکار اٹھے۔

الیوم یوم الملحمۃ الیوم تستحل الکعبۃ۔ — آج گھمسان کا دن ہے۔ آج کعبہ حلال کر دیا جائے گا۔

سب سے آخیر میں کوکبۂ نبویؐ نمایاں ہوا جس کے پرتو سے سطح خاک پر نور کا فرش بچھا جاتا تھا۔ حضرت زبیر بن العوام علم بردار تھے۔ ابوسفیان کی نظر جمال مبارک پر پڑی تو پکار اٹھے کہ حضورؐ نے سنا عبادہ کیا کہتے ہوئے گئے۔

ارشاد ہوا:

"عبادہ نے غلط کہا، آج کعبہ کی عظمت کا دن ہے۔"

یہ کہہ کر حکم دیا کہ فوج کا علم عبادہ سے لے کر اُن کے بیٹے کو دے دیا جائے۔

مکہ پہنچ کر آپؐ نے حکم دیا کہ علم نبویؐ مقام حجون پر نصب کیا جائے۔ حضرت خالدؓ کو حکم ہوا کہ فوجوں کے ساتھ بالائی حصّہ کی طرف آئیں۔

اعلان کر دیا گیا کہ جو شخص ہتھیار دے گا یا ابوسفیان کے ہاں پناہ لے گا یا دروازہ بند کرلے گا (یا خانہ کعبہ میں داخل ہو جائے گا) اس کو امن دیا جائے گا تاہم قریش کے ایک گروہ نے مقابلہ کا قصد کیا اور خالدؓ کی فوج پر تیر برسائے۔ چنانچہ تین صاحب (یعنی کرزؓ بن جابر فہری، حضرت حبیشؓ بن اشعر اور حضرت سلمہؓ بن المیلاد) نے شہادت پائی۔ حضرت خالدؓ نے مجبور ہو کر حملہ کیا۔ یہ لوگ تیرہ لاشیں چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تلواروں کا چمکنا دیکھا تو حضرت خالدؓ سے بازپرس کی لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ ابتدا مخالفین نے کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "قضائے الٰہی یہی تھی۔"

لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ حضورؐ قیام کہاں فرمائیں گے؟ کیا اپنے قدیم مکان میں؟ شریعت میں مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا۔ ابوطالب (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم) نے جب انتقال کیا تھا تو اُن کے صاحبزادے عقیل اس وقت کافر تھے۔ اس لئے وہی وارث ہوئے۔ انہوں نے یہ مکانات ابوسفیان کے ہاتھ بیچ ڈالے تھے۔ اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "عقیل نے گھر کہاں چھوڑا کہ اس میں اترو دن۔ اس لئے مقام خیف میں ٹھہروں گا جہاں قریش نے ہمارے خلاف کفر کی تائید پہ باہم عہد و پیمان

کیا تھا۔

خدا کی شان حرم محترم جو خلیل بُت شکن کی یادگار تھا اس کے آغوش میں ۳۶۰ بت جاگزیں تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک کو لکڑی کی نوک سے ٹھوکے دیتے جاتے اور پڑھتے جاتے :۔

جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ (جاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ) إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا

حق آگیا اور باطل مٹ گیا اور باطل مٹنے ہی کی چیز ہے۔

عین کعبہ کے اندر بہت سے بُت تھے جن کو قریش خدا مانتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں داخل ہونے سے پہلے حکم دیا کہ سب نکلوا دیئے جائیں۔ حضرت عمرؓ نے اندر جا کر جس قدر تصویریں تھیں وہ بھی مٹا دیں۔ حرم ان آلائشوں سے پاک ہو چکا تو آپ نے عثمان بن طلحہ سے جو کعبہ کے کلید بردار تھے کنجی طلب کی اور دروازہ کھلوایا۔ آپ حضرت بلال اور حضرت طلحہؓ کے ساتھ اندر داخل ہوئے اور نماز ادا کی۔

خطبۂ فتح

شہنشاہی اسلام کا یہ پہلا دربار عام تھا۔ خطبۂ سلطنت یعنی بارگاہِ احدیت کی تقریر خلافتِ الٰہی کے منصب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا کی جس کا خطاب صرف اہل عرب سے نہیں بلکہ تمام عالم سے تھا :۔

"ایک خدا کے سوا اور کوئی خدا نہیں ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اُس نے اپنا وعدہ سچا کیا۔ اُس نے اپنے بندہ کی مدد کی اور تمام جتھوں کو تنہا توڑ دیا۔ ہاں تمام مفاخر، تمام انتقامات، خوں بہائے قدیم، تمام خوں بہا سب میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ صرف حرم کعبہ کی تولیت اور حجاج کی آب رسانی اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اے قوم قریش! اب جاہلیت کا غرور اور نسبت کا افتخار خدا نے مٹا دیا۔ تمام لوگ آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے ہیں۔"

Marfat.com

پھر قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:۔

"لوگو۔۔۔! میں نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہارے قبیلے اور خاندان بنائے کہ آپس میں ایک دوسرے سے پہچان لیے جاؤ۔ لیکن خدا کے نزدیک شریف وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو۔ خدا دانا اور واقف کار ہے خدا اور (اس کے رسولؐ نے) شراب کی خرید و فروخت حرام کر دی"

عرب میں دستور تھا کہ کوئی شخص کسی کو قتل کر دیتا تھا تو اس کے خون کا انتقام اپنا خاندانی فرض قرار پا جاتا تھا یعنی اگر اس وقت قاتل ہاتھ نہ آ سکا تو خاندانی دفتر میں مقتول کا نام لکھ لیا جاتا تھا اور سینکڑوں برس گزرنے کے بعد بھی انتقام کا فرض ادا کیا جاتا تھا۔ قاتل اگر مر چکا ہے تو اس کے خاندان یا قبیلہ کے آدمی کو قتل کرتے تھے۔ اس طرح خون بہا کا مطالبہ بھی آباً عن جدٍ چلا آتا تھا۔ یہ خون کا انتقام عرب میں سب سے بڑے فخر کی بات تھی۔ اس طرح اور بہت سی لغو باتیں مفاخر قومی میں داخل ہو گئی تھیں۔ اسلام ان سب کے مٹانے کے لیے آیا تھا اور اس بنا پر آپؐ نے اس طریق انتقام اور خون بہا اور نیز اور تمام غلط مفاخر کی نسبت فرمایا کہ "میں نے ان کو پاؤں سے کچل دیا"

عرب اور تمام دنیا میں نسل اور قوم و خاندان کے امتیاز کی بنا پر ہر قوم میں فرق مراتب قائم کیے گئے تھے۔ جس طرح ہندوؤں نے چار ذاتیں قائم کیں اور شودر کو وہ درجہ دیا جو جانوروں کا درجہ ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ بندش کر دی کہ وہ کبھی اپنے رتبہ سے ایک ذرہ آگے نہ بڑھنے پائے۔ اسلام کا سب سے بڑا احسان، جو اس نے تمام دنیا پر کیا، مساوات عام قائم کرنا تھا۔ یعنی عرب و عجم، شریف و رذیل، شاہ و گدا سب برابر ہیں۔ ہر شخص ترقی کر کے ہر انتہائی درجہ پر پہنچ سکتا ہے۔ اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی آیت پڑھی اور پھر توضیح فرمائی کہ "تم سب اولادِ آدم ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے"

خطبہ کے بعد آپؐ نے مجمع کی طرف دیکھا تو جبارانِ قریش سامنے تھے۔ ان میں وہ حوصلہ مند بھی تھے جو اسلام کے مٹانے میں سب کے پیش رو تھے۔ وہ بھی تھے جن کی زبانیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گالیوں کے بادل برسایا کرتی تھیں۔ وہ بھی تھے جن کی تیغ و

Marfat.com

سنان نے پیکرِ قدسی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گستاخیاں کی تھیں۔ وہ بھی تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ میں کانٹے بچھائے تھے۔ وہ بھی تھے جو وعظ کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایڑیوں کو لہولہان کر دیا کرتے تھے۔ وہ بھی تھے جن کی تشنہ لبی خون کے سوا کسی چیز سے بجھ نہیں سکتی تھی۔ وہ بھی تھے جن کے حملوں کا سیلاب مدینہ کی دیواروں آ آکر ٹکراتا تھا۔ وہ بھی تھے جو مسلمانوں کو جلتی ہوئی ریگ پر لٹا کر اُن کے سینوں پر آتشیں مہریں لگایا کرتے تھے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی طرف دیکھا اور خوف انگیز لہجہ میں پوچھا:

"تم کو کچھ معلوم ہے میں تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟"

یہ لوگ اگرچہ ظالم تھے، شقی تھے، بے رحم تھے لیکن مزاج شناس تھے، پکار اٹھے کہ تو شریف بھائی ہے اور شریف برادر زادہ ہے۔"

ارشاد ہوا،

"تم پر کچھ الزام نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔"

کفار نے تمام مہاجرین کے مکانات پر قبضہ کر لیا تھا۔ اب وہ وقت آگیا تھا کہ اُن کے حقوق دلائے جاتے۔ لیکن آپ نے مہاجرین کو حکم دیا کہ وہ بھی اپنی مملوکات دست بردار ہو جائیں۔

نماز کا وقت آیا تو حضرت بلالؓ نے بام کعبہ پر چڑھ کر اذان دی۔ وہی سرکش جو اسیرِ دام ہو چکے تھے، اُن کی آتشِ غیرت ابھی مشتعل تھی۔ عتاب بن اسید نے کہا:

"خدا نے میرے باپ کی عزت رکھ لی کہ اس آواز کے سننے سے پہلے اُس کو دنیا سے اٹھا لیا۔"

ایک اور سردار قریش نے کہا:

"اب جینا بیکار ہے۔"

مقام صفا میں آپ ایک بلند مقام پر بیٹھے۔ جو لوگ اسلام قبول کرنے آتے تھے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے تھے۔ مردوں کی باری ہو چکی تو مستورات آئیں۔ عورتوں

بیعت لینے کا طریقہ یہ تھا کہ اُن سے ارکانِ اسلام اور محاسنِ اخلاق کا اقرار لیا جاتا تھا پھر پانی کے ایک لبریز پیالہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دستِ مبارک ڈبو کر نکال لیتے تھے۔ آپ کے بعد عورتیں اسی پیالہ میں ہاتھ ڈالتی تھیں اور بیعت کا معاہدہ پختہ ہو جاتا تھا۔

ان مستورات میں ہند بھی آئی۔ یہ وہی ہند ہے جو رئیس العرب عتبہ کی بیٹی اور امیر معاویہؓ کی ماں تھی۔ حضرت حمزہؓ کو اسی نے قتل کرایا تھا اور ان کا سینہ چاک کر کے کلیجہ چبا گئی تھی۔ وہ نقاب پہن کر آئی۔ شریف عورتیں عموماً نقاب پہنتی تھیں۔ لیکن اس وقت یہ غرض بھی تھی کہ کوئی اس کو پہچاننے نہ پائے۔ بیعت کے وقت اُس نے (نہایت دلیری اور گستاخی) سے باتیں کیں جو حسب ذیل ہیں :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔

ہند — یہ اقرار آپؐ نے مردوں سے تو نہیں لیا لیکن بہر حال ہم کو منظور ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — چوری نہ کرنا۔

ہند — میں اپنے شوہر (ابو سفیان) کے مال میں سے دو چار آنے کبھی لے لیا کرتی ہوں معلوم نہیں یہ بھی جائز ہے یا نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — اولاد کو قتل نہ کرنا۔

ہند — ہم نے تو اپنے بچوں کو پالا تھا۔ بڑے ہوئے تو جنگ[1] بدر میں آپؐ نے ان کو مار ڈالا۔ اب آپؐ اور وہ باہم سمجھ لیں۔

رؤسائے عرب میں دس شخص تھے جو قریش کے سرتاج تھے۔ ان میں صفوان بن امیہ جدہ بھاگ گئے۔ عمیر بن وہب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کی کہ رئیس عرب مکہ سے جلا وطن ہوا جاتا ہے۔ آپؐ نے علامت امان کے طور پر اپنا عمامہ عنایت کیا۔ عمیر جدہ پہنچ کر ان کو واپس لائے حنین کے معرکہ تک یہ اسلام نہیں لائے۔ (بعد کو مسلمان ہو گئے۔)

---

[1] جنگ بدر میں ہند کے لڑکے کافروں کے ساتھ شریک ہو کر لڑے تھے اور لڑ کر مارے گئے تھے۔ (مؤلف)

Marfat.com

عبداللہ بن زبعریٰ عرب کے مشہور شاعر جو پہلے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجویں کہا کرتے تھے اور قرآن مجید پر نکتہ چینیاں کرتے تھے نجران بھاگ گئے لیکن پھر آکر اسلام لا ابوجہل کے بیٹے عکرمہ یمن چلے گئے لیکن ان کی حرم (ام حکیم رضی) نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے امان لی اور جاکر یمن سے لائیں۔ یہ واقعہ ابوجہل سے کہنے کے قابل نہیں کہ اُس کا جگر بند کفر کی گرد سے نکل کر اسلام کی آغوش میں آگیا اور اب ہم اس کو حضرت عکرمہ رضی اللہ کہتے ہیں۔

اشتہاریانِ قتل

ارباب سیَر کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گو اہل مکہ کو امن عطا کیا تھا تاہم دس شخصوں کی نسبت حکم دیا کہ جہاں ملیں قتل کر دیئے جائیں۔ ان کا حال یہ ہے کہ وہ شدید مجرم تھے۔ تاہم سات اشخاص خلوص سے ایمان لائے اور اُن کو معافی دے دی گئی۔ صرف چار شخص قتل ہوئے۔ تین مرد اور ایک عورت۔ عبداللہ بن خطل، مقیس بن صبابہ حویرث بن نقید۔ اور ابن خطل کی لونڈی قریبہ۔ ابن خطل اور ابن صبابہ دونوں خونی مجرم تھے ابن خطل جو اسلام لا چکا تھا اپنے ایک مسلمان خادم کو قتل کر کے مرتد ہو گیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دیت ادا کر دی تھی۔ تاہم مقیس منافقانہ اسلام لایا اور عذر سے اس انصاری کو قتل کر دیا۔ اور حویرث نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیوں کے ساتھ، جب وہ سفر کر رہی تھیں، شرارت کی تھی اور ان دونوں کو اونٹوں سے گرا دینا چاہا تھا۔ حضرت علی ابن ابی طالب نے اس کو قتل کر دیا۔ قریبہ مکہ کی ایک مغنیہ تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں گایا کرتی تھی۔

خزائنِ حرم

حرم میں نذر و ہدایا کا خزانہ ایک مدت سے جمع ہوتا چلا آتا تھا۔ وہ محفوظ رکھا گیا۔ مجسمہ جات اور تصویریں برباد کر دی گئیں۔ ان میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام

مجسمے بھی تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر بھی تھی جس سے لوگوں نے قیاس کیا کہ کسی زمانہ میں عیسائیت کا اثر زیادہ غالب ہو گیا تھا۔ رنگین تصویریں جو دیواروں پر تھیں مٹانے پر بھی ان کے دھندلے نشان رہ گئے تھے اور حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کی تعمیر تک باقی رہے۔

مکہ معظمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام پندرہ دن تک رہا۔ جب یہاں سے روانہ ہوئے تو حضرت معاذ بن جبل کو اس خدمت پر مقرر کرتے گئے کہ لوگوں کو اسلام کے مسائل اور احکام سکھائیں۔

فتح مکہ اور بت شکنی

فتح مکہ کا اصلی مقصد اشاعت توحید اور اعلاء کلمۃ اللہ تھا۔ کعبہ میں سینکڑوں بت تھے جن میں ہبل بھی تھا جو بت پرستوں کا خدائے اعظم تھا۔ یہ انسان کی صورت کا تھا اور یا قوت احمر سے بنا تھا۔ سب سے پہلے جس نے اس کو کعبہ میں لا کر رکھا تھا خزیمہ بن مدرکہ تھا جو معنر کا پوتا اور عدنان کا پرپوتا تھا۔ ہبل کے سامنے سات تیر رہتے تھے جن پر "لا" و "نعم" لکھا ہوا تھا۔ عرب جب کوئی کام کرنا چاہتے تھے تو ان تیروں پر قرعہ ڈالتے اور "ہاں" یا "ناں" جو کچھ نکلتا اس پر عمل کرتے۔ جنگ احد میں ابوسفیان نے اسی ہبل کی جے پکاری تھی۔ وہ عین کعبہ کے اندر تھا چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہوتے تو اور بتوں کے ساتھ وہ بھی برباد کر دیا گیا۔

مکہ کے اطراف میں اور بہت سے بڑے بڑے بت تھے جن کے لئے حج کی رسمیں ادا کی جاتی تھیں۔ ان میں سب سے بڑے لات، منات اور عزیٰ تھے۔ عزیٰ قریش کا اور لات اہل طائف کا معبود تھا۔ مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر نخلہ ایک مقام ہے۔ عزیٰ یہیں منصوب تھا۔ بنو شیبان اس کے متولی تھے۔ اہل عرب کا اعتقاد تھا کہ خدا جاڑوں میں "لات" کے ہاں اور گرمیوں میں "عزیٰ" کے ہاں بسر کرتا ہے۔ عزیٰ کے سامنے عرب وہ تمام مناسک اور رسوم بجا لاتے تھے جو کعبہ میں بجا لاتے تھے۔ اس کا طواف کرتے اور اس پر قربانیاں چڑھاتے۔

منات کا تخت گاہ مشلل تھا جو قدید کے پاس مدینہ منورہ سے سات میل ادھر ہے۔

Marfat.com

ایک بن گھڑا پتھر تھا۔ ازد، غسان، اوس، خزرج اس کا حج کرتے تھے۔ عمرو بن لحی نے جو قائم کئے تھے یہ ان سب میں بالاتر تھا۔ اوس اور خزرج جب کعبہ کا حج کرتے تو احرام کی رسم (بال منڈانا) اسی کے پاس آکر ادا کرتے تھے۔

قبیلہ ہذیل کا بت سواع تھا، جو ینبع کے اطراف رہاط میں تھا۔ یہ ایک پتھر تھا۔ اس کے متولی بنو لحیان تھے۔

بت پرستی کے یہ وہ طلسم تھے، جن میں سارا عرب گرفتار تھا۔ اب ان کی بربادی کا وقت آچکا تھا اور دفعۃً ہر جگہ خاک اڑنے لگی۔

ہوازن اور ثقیف

غزوہ حنین واوطاس وطائف شوال ۸ھ

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ

Marfat.com

اوطاس

محاصرۂ طائف

تقسیم غنائم

واقعات متفرقہ

Marfat.com

حنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے۔ مکہ اور طائف کے درمیان عرب کے مشہور بازار ذوالمجاز کے پاس ہے جو عرفہ سے تین میل ہے۔ ابن اسد نے تصریح کی ہے کہ یہ مکہ سے تین دن کے سفر کی مسافت پر واقع ہے۔ اس مقام کو اوطاس بھی کہتے ہیں۔ (حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ ابن اسحاق کی تصریح کے مطابق یہ حنین کے علاوہ دیار ہوازن میں دوسری وادی کا نام ہے) ہوازن ایک بڑے قبیلے کا نام ہے جس کی بہت سی شاخیں ہیں:

اسلام کی فتوحات کا دائرہ گو وسیع ہوتا جاتا تھا لیکن اہل عرب یہ دیکھ رہے تھے کہ ان کا قبلہ اعظم یعنی مکہ اب تک محفوظ ہے۔ ان کا خیال تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر قریش پر غالب آ گئے اور مکہ فتح ہو گیا تو بے شبہ وہ سچے پیغمبر ہیں۔ مکہ جب فتح ہوا تو تمام قبائل نے خود پیش قدمی کی اور اسلام قبول کرنا شروع کیا لیکن ہوازن اور ثقیف پر اس کا الٹا اثر پڑا۔ یہ قبیلے نہایت جنگجو اور فنونِ جنگ سے واقف تھے۔ اسلام کو جس قدر غلبہ ہوتا جاتا تھا یہ زیادہ مضطرب ہوتے تھے کہ ان کی ریاست اور امتیاز کا خاتمہ ہوا جاتا ہے۔ اس بنا پر فتح مکہ کے بعد ہوازن اور ثقیف کے رؤسا نے (یہ سمجھ لیا کہ اب ان کی باری ہے۔ اس لئے انہوں نے ایک دوسرے سے مل کر مشورہ کیا اور آپس میں) قرارداد ہو گئی کہ مسلمانوں کے خلاف جو اس وقت مکہ میں جمع ہیں ایک عام حملہ کر دیا جائے۔ اس قرارداد کے مطابق یہ قبائل بڑے زور شور کے ساتھ خود حملہ کے لئے بڑھے۔ جوش کا یہ عالم تھا کہ ہر قبیلہ اپنا تمام اہل وعیال لے کر آیا تھا کہ بچے اور عورتیں ساتھ ہوں گی تو ان کی حفاظت کی غرض سے لوگ جانیں دے دیں گے۔

اس معرکہ میں اگرچہ ثقیف اور ہوازن کی تمام شاخیں شریک تھیں تاہم کعب اور کلاب

الگ رہے۔ فوج کی سرداری کے لئے انتخاب تو مالکؓ بن عوف کا کیا گیا جو قبیلہ ہوازن کا رئیس اعظم تھا لیکن مشیر کی حیثیت سے درید بن الصمۃ کو بھی ساتھ لے لیا گیا جو عرب کا مشہور شاعر اور قبیلہ جشم کا سردار تھا۔ اس کی شاعری اور بہادری کے معرکے اب تک عرب کی تاریخ میں یادگار ہیں۔ لیکن اس کی عمر سو برس سے زیادہ ہو چکی تھی اور صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا تھا۔ تاہم چونکہ عرب اس کو مانتا تھا اور اس کی رائے اور تدبیر پر تمام ملک کو اعتماد تھا۔ خود مالک بن عوف نے اس سے شرکت کی درخواست کی۔ پلنگ پر اٹھا کر اس کو میدان جنگ میں لائے۔ اس نے پوچھا کہ یہ کون سا مقام ہے۔ لوگوں نے کہا "اوطاس ــــ!"

بولا کہ "ہاں یہ مقام جنگ کے لئے موزوں ہے۔ اس کی زمین نہ بہت سخت ہے نہ اس قدر نرم کہ پاؤں دھنس جائیں۔"

پھر پوچھا کہ "یہ بچوں کے رونے کی آوازیں کیسی آرہی ہیں؟"

لوگوں نے کہا کہ "بچے اور عورتیں ساتھ آئی ہیں کہ کوئی شخص پاؤں پیچھے نہ ہٹائے۔"

بولا کہ "جب پاؤں اکھڑ جاتے ہیں تو کوئی چیز روک نہیں سکتی۔ میدان جنگ میں صرف تلوار کام دیتی ہے۔ بدقسمتی سے اگر شکست ہوئی تو عورتوں کی وجہ سے اور ذلت ہوگی۔"

پھر پوچھا کہ "کعب اور کلاب بھی شریک ہیں یا نہیں؟"

اور جب یہ معلوم ہوا کہ ان معزز قبیلوں کا ایک شخص بھی میدان جنگ میں نہیں تو کہا "اگر آج کا دن عزت و شرف کا دن ہوتا تو کعب و کلاب غیر حاضر نہ ہوتے۔"

اس کی رائے تھی کہ میدان سے ہٹ کر کسی محفوظ مقام میں فوجیں جمع کی جائیں اور وہیں اعلان جنگ کیا جائے لیکن مالک بن عوف نے جو ۳۰ سالہ نوجوان تھا جوش شباب میں اس رائے کے قبول کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ "آپ خرف ہو چکے، آپ کی عقل بیکار ہو چکی۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں ان واقعات کی خبر پہنچی تو آپ نے تصدیق کے لئے

لہ مالک بن عوف غزوۂ طائف کے بعد مسلمان ہو گئے تھے اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جنگ قادسیہ میں شریک اور دمشق کے حاکم ہوئے۔ (زرقانی ج ۳ ص ۶)

Marfat.com

[حض]رت عبداللہؓ بن ابی حدرد کو بھیجا۔ وہ جاسوس بن کر حنین میں آئے اور کئی دن تک فوج میں رہ کر [تم]ام حالات تحقیق کیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبوراً مقابلہ کی تیاریاں کیں۔ رسد اور سامان [جن]گ کے لیے قرض کی ضرورت پیش آئی۔ عبداللہ بن ربیعہ جو ابوجہل کے بے مات بھائی تھے، [نہ]ایت دولت مند تھے۔ ان سے تیس ہزار درہم قرض لیے۔ صفوان بن امیہ جو مکہ کا رئیس اعظم اور [مہ]مان نوازی میں مشہور تھا لیکن اب تک اسلام نہیں لایا تھا، اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے [آلا]تِ جنگ مستعار مانگے۔ اس نے سو زرہیں اور ان کے لوازمات پیش کیے۔

شوال ۸ھ مطابق جنوری و فروری ۶۳۰ء میں اسلامی فوجیں جن کی تعداد بارہ ہزار [تھ]ی اس سروسامان سے حنین پر بڑھیں کہ بعض صحابہ کی زبان سے بے اختیار یہ لفظ نکل گیا کہ "آج [ہ]م پر کون غالب آ سکتا ہے" لیکن بارگاہ ایزدی میں یہ نازش پسند نہ تھی۔

"اور حنین کا دن یاد کرو جب تم اپنی کثرت پر نازاں تھے لیکن وہ کچھ کام نہ آئی اور زمین باوجود وسعت کے تنگی کرنے لگی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر تسلی نازل کی اور ایسی فوجیں بھیجیں جو تم نے نہیں دیکھیں اور کافروں کو عذاب دیا اور کافروں کی یہی سزا ہے۔" (توبہ — ۴)

مقدمۃ الجیش میں جو حضرت خالدؓ کی افسری میں تھا زیادہ تر فتح مکہ کے جدید الاسلام نوجوان تھے، جو جوانی کے غرور میں اسلحہ جنگ پہن کر بھی نہیں آئے تھے۔ فوج میں دو ہزار طلقاء یعنی [illegible] لوگ جو کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو چکے تھے لیکن ہنوز وہ تازہ مسلمان تھے، راسخ الاسلام نہیں ہوئے تھے، اس لیے مہاجرین و انصار جیسا استقلال و ثبات اُن میں اس وقت تک پیدا نہیں ہوا تھا۔ اس جنگ میں کچھ لوگ اس غرض سے ہی شریک ہوئے تھے کہ مسلمانوں کو عین جنگ میں دھوکا دیں۔ حدیث صحیح کا بیان ہے کہ مسلمانوں کو پہلے کامیابی ہوئی۔ لوگ غنیمت پر ٹوٹ پڑے۔ دشمن کے تیراندازوں نے موقع پا کر تیراندازی شروع کر دی۔ ہوازن قدر اندازی میں تمام عرب میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ میدان جنگ میں ان کا ایک تیر بھی خالی نہیں جاتا تھا۔ کفار نے معرکہ گاہ میں پہلے پہنچ کر مناسب مقامات پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور تیراندازوں کے دستے پہاڑ کی گھاٹیوں کھوؤں اور دروں میں جابجا جما دیئے تھے۔ فوج اسلام نے صبح کے وقت جب خوب اُجالا بھی نہیں

ہوا تھا حملہ کیا۔ میدان جنگ اس قدر نشیب میں تھا کہ پاؤں جم نہیں سکتے تھے۔ مقدمۃ الجیش ابتری سامنے بے قابو ہو کر پیچھے ہٹا اور پھر تمام فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔

حضرت ابو قتادہؓ جو شریک جنگ تھے ان کا بیان ہے کہ جب لوگ بھاگ نکلے تو میں نے ایک کافر کو دیکھا کہ ایک مسلمان کے سینہ پر سوار ہے۔ میں نے عقب سے شانہ پر تلوار ماری، زرہ کو کاٹ کر اندر اتر گئی۔ اُس نے مڑ کر مجھ کو اس زور سے دبوچا کہ میری جان پر بن گئی لیکن پھر ٹھنڈا ہو کر گر پڑا۔ اسی اثنا میں میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا۔ پوچھا کہ مسلمانوں کا کیا حال ہے بولے کہ قضائے الٰہی یہی تھی۔ بخاری میں ہے کہ سب لوگ ٹل گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے رہ گئے۔

تیروں کا مینہ برس رہا تھا۔ بارہ ہزار فوجیں ہوا ہو گئی تھیں لیکن ایک پیکر مقدس پا برجا تھا جو تنہا ایک فوج، ایک ملک، ایک اقلیم، ایک عالم بلکہ مجموعۂ کائنات تھا۔۔۔ صلی اللہ علیہ وسلم لیکن اور روایتوں میں چند اصحاب کا ثابت قدم رہنا مذکور ہے۔ اس کی صاف توجیہ یہ ہے کہ ان الفاظ سے ثابت قدم رہنے والوں کی کمی کا ظاہر کرنا مقصود ہے ورنہ حقیقت یہ تھی معلوم ہوتا ہے کہ لوگ حضرت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس پاس تھے اور تھوڑی تھوڑی تعداد میں حضورؐ کے پاس پہنچنے لگے یہاں تک کہ خاصی جماعت حضورؐ کے گرد جمع ہو گئی۔ اسی وجہ سے مختلف لوگوں نے مختلف تعداد بتلائی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے داہنی جانب دیکھا اور پکارا:

"یا معشر الانصار"

آواز کے ساتھ صدا آئی:

"ہم حاضر ہیں"

پھر آپؐ نے بائیں جانب مڑ کر پکارا اب بھی وہی آواز آئی۔ آپ سواری سے اتر پڑے اور جلال نبوت کے لہجہ میں فرمایا:

"میں خدا کا بندہ اور اس کا پیغمبر ہوں"

بخاری کی دوسری روایت میں ہے۔

Marfat.com

انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب میں پیغمبر ہوں ۔ یہ جھوٹ نہیں ہے ۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں ۔

حضرت عباسؓ نہایت بلند آواز تھے ۔ آپؐ نے اُن کو حکم دیا کہ مہاجرین اور انصار کو آواز دو ۔ اُنہوں نے نعرہ مارا ۔

یا معشر الانصار ـــــ اے گروہ انصار !

یا اصحاب الشجرۃ ـــــ اے اصحاب شجرہ (بیعت رضوان والو)

اس پُر اثر آواز کا کانوں میں پڑنا تھا کہ تمام فوج دفعتاً پلٹ پڑی ۔ جن لوگوں کے گھوڑے کشمکش اور گھمسان کی وجہ سے مڑ نہ سکے ، اُنہوں نے زرہیں پھینک دیں اور گھوڑوں سے کود پڑے دفعتاً لڑائی کا رنگ بدل گیا ۔ کفار بھاگ نکلے اور جو رہ گئے ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں ۔ بنو مالک (ثقیف کی ایک شاخ تھی) جم کر لڑے لیکن ان کے ستر آدمی مارے گئے اور جب ان کا علمبردار عثمان بن عبداللہ مارا گیا تو وہ بھی ثابت قدم نہ رہ سکے ۔

شکست خوردہ فوج ٹوٹ پھوٹ کر (کچھ اوطاس میں جمع ہوئی اور کچھ) طائف میں جا کر پناہ گزیں ہوئی جس کے ساتھ سپہ سالار لشکر (مالک بن عوف) بھی تھا ۔

اوطاس

دُرید بن الصمۃ کئی ہزار کی جمعیت لے کر اوطاس میں آیا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عامرؓ اشعری کے ماتحت تھوڑی سی فوج اُس کے استیصال کے لئے بھیج دی ۔ حضرت ابو عامرؓ دُرید کے بیٹے کے ہاتھ سے مارے گئے اور علم اسلام اُس کے ہاتھ میں تھا ۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت ابو موسیٰ اشعری نے آگے بڑھ کر حملہ کیا ۔ دشمن کو قتل کر کے علم اس کے ہاتھ سے چھین لیا ۔ دُرید ایک شتر پر ہودج میں سوار تھا ۔ ربیعہ بن رفیع نے اس پر تلوار کا وار کیا لیکن اُچٹ کر رہ گئی اُس نے کہا :

"تیری ماں نے تجھ کو اچھے ہتھیار نہیں دیئے "

پھر کہا کہ میرے محمل میں تلوار ہے نکال لو اور جب اپنی ماں کے پاس واپس جانا تو کہنا کہ میں

نے درید کو قتل کر دیا۔"

ربیعہ نے جا کر ماں کو اُس کے قتل کی خبر دی تو اُس نے کہا:

"خدا کی قسم! درید نے تیری تین ماؤں کو آزاد کرایا تھا۔"

اسیران جنگ کی تعداد ہزاروں سے زیادہ تھی۔ ان میں حضرت شیما بھی تھیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن تھیں۔ لوگوں نے جب اُن کو گرفتار کیا تو انہوں نے کہا:

"میں تمہارے پیغمبرؐ کی بہن ہوں۔"

لوگ تصدیق کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے۔ اُنہوں نے پیٹھ کھول کر دکھائی کہ ایک دفعہ بچپن میں آپؐ نے دانت سے کاٹا تھا یہ اُس کا نشان ہے۔ فرطِ محبت سے آپؐ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اُن کے بیٹھنے کے لئے خود ردائے مبارک بچھائی۔ محبت کی باتیں کیں۔ چند شتر اور بکریاں عنایت فرمائیں اور ارشاد کیا کہ جی چاہے تو میرے گھر چل کر رہو اور گھر جانا چاہو تو وہاں پہنچا دیا جائے۔ اُنہوں نے خاندان کی محبت سے وطن جانا چاہا۔ چنانچہ عزت و احترام کے ساتھ پہنچا دی گئیں۔

محاصرۂ طائف

حنین کی بقیہ شکست خوردہ فوج طائف میں جا کر پناہ گزین ہوئی اور جنگ کی تیاریاں شروع کیں۔ طائف نہایت محفوظ مقام تھا۔ طائف اس کو اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے گرد شہر پناہ کے طور پر چار دیواری تھی۔ یہاں ثقیف کا جو قبیلہ آباد تھا نہایت شجاع، تمام عرب میں ممتاز اور قریش کا گویا ہمسر تھا۔ عروہ بن مسعود جو یہاں کا رئیس تھا، ابوسفیان (حضرت امیر معاویہؓ کے باپ) کی لڑکی اس کو بیاہی تھی۔ کفار مکہ کہتے تھے کہ قرآن اگر اترتا تو مکہ یا طائف کے رئیسوں پر اترتا۔ یہاں کے لوگ فن جنگ سے بھی واقف تھے۔ طبری اور ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ عروہ بن مسعود اور غیلان بن سلمہ نے جرش (یمن کا ایک ضلع) میں جا کر قلعہ شکن آلات یعنی دبابہ، ضبور اور منجنیق کے بنانے اور استعمال کرنے کا فن سیکھا تھا۔

یہاں ایک محفوظ قلعہ تھا۔ اہل شہر اور حنین کی شکست خوردہ فوج نے اس کی مرمت کی۔

Marfat.com

سال بھر کی رسد کا سامان جمع کیا۔ چاروں طرف منجنیق اور جا بجا قدر انداز متعین کئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے مالِ غنیمت اور اسیران جنگ کے متعلق حکم دیا کہ جعرانہ میں محفوظ رکھے جائیں اور خود طائف کا عزم کیا۔ حضرت خالدؓ مقدمۃ الجیش کے طور پر پہلے روانہ کر دیئے گئے تھے۔ غرض محاصرہ ہوا اور اسلام میں یہ پہلا موقع تھا کہ قلعہ شکن آلات یعنی دبابہ اور منجنیق استعمال کئے گئے۔ دبابہ پر اہلِ قلعہ نے لوہے کی گرم سلاخیں برسائیں اور اس شدت کی تیر باری کی کہ حملہ آوروں کو ہٹنا پڑا۔ بہت سے لوگ زخمی ہوئے۔ بیس دن تک محاصرہ رہا لیکن شہر فتح نہ ہو سکا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نوفلؓ بن معاویہؓ کو بلا کر پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ لومڑی بھٹ میں گھس گئی ہے اگر کوشش جاری رہی تو پکڑ لی جائے گی۔ لیکن چھوڑ دی جائے تب بھی کوئی اندیشہ نہیں۔

چونکہ صرف مدافعت مقصود تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ محاصرہ اٹھا لیا جائے صحابہ نے عرض کی آپؐ ان کو بددعا دیں۔ آپؐ نے یہ دعا دی۔

اَللّٰھُمَّ اھْدِ ثَقِیْفًا وَّائْتِ بِھِمْ — اے خدا ثقیف کو ہدایت کر اور توفیق دے کہ میرے پاس حاضر ہو جائیں۔

تقسیم غنائم

محاصرہ چھوڑ کر آپؐ جعرانہ تشریف لائے۔ غنیمت کا بے شمار ذخیرہ تھا۔ چھ ہزار اسیران جنگ، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار سے زائد بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی تھی۔ اسیرانِ جنگ کے متعلق آپؐ نے انتظار کیا، اُن کے عزیز و اقارب آئیں تو اُن سے گفتگو کی جائے لیکن کئی دن گزرنے پر کوئی نہ آیا۔ مال غنیمت کے پانچ حصے کئے گئے۔ چار حصے حسب قاعدہ اہلِ فوج کو تقسیم کئے گئے۔ خمس بیت المال اور غرباء و مساکین کے لئے رکھا گیا۔

مکہ کے اکثر رؤسا جنہوں نے حال ہی میں اسلام قبول کیا تھا ابھی تک مذبذب الاعتقاد تھے۔ انہی کو قرآن مجید میں مؤلفۃ القلوب کہا گیا ہے۔ قرآن مجید میں جہاں زکوٰۃ کے مصارف بیان کئے گئے ہیں ان لوگوں کا نام بھی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو نہایت فیاضانہ

Marfat.com

انعامات دیئے جن کی تفصیل یہ ہے:۔

ابوسفیان مع اولاد ۳۰۰ اونٹ اور ۱۲۰ اوقیہ چاندی

حکیم بن حزام ۲۰۰ اونٹ

نضیر بن حارث بن کلدہ ثقفی ۱۰۰ اونٹ

صفوان بن امیہ ۱۰۰ اونٹ قیس بن عدی ۱۰۰ اونٹ

سہیل بن عمرو ۱۰۰ اونٹ حویطب بن عبدالعزیٰ ۱۰۰ اونٹ

اس کے علاوہ تین غیر کی نو مسلم رئیس بھی ان انعامات کے مستحق ٹھہرے۔

اقرع بن حابس تمیمی ۱۰۰ اونٹ عینیہ بن حصن فزاری ۱۰۰ اونٹ

مالک بن عوف نصری ۱۰۰ اونٹ

ان کے سوا بہت سے لوگوں کو پچاس پچاس اونٹ عطا فرمائے۔ عام تقسیم کی رُو سے فوج کے حصہ میں جو آیا وہ فی کس چار اونٹ اور چالیس بکریاں تھیں لیکن چونکہ سواروں کو تگنا حصہ ملتا تھا اس لئے ہر سوار کے حصہ میں بارہ اونٹ اور ایک سو بیس بکریاں آئیں۔

جن لوگوں پر انعام کی بارش ہوئی عموماً اہل مکہ اور اکثر جدید الاسلام تھے۔ اس پر انصار کو رنج ہوا۔ بعضوں نے کہا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو انعام دیا اور ہم کو محروم رکھا حالانکہ ہماری تلواروں سے اب تک قریش کے خون کے قطرے ٹپکتے ہیں۔"

بعض بولے:

"مشکلات میں ہماری یاد ہوتی ہے اور غنیمت اوروں کو ملتی ہے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چرچے سنے تو انصار کو طلب فرمایا۔ ایک چرمی خیمہ نصب کیا گیا جس میں لوگ جمع ہوئے۔ آپ نے انصار کی طرف خطاب کیا کہ تم نے ایسا کہا؟ لوگوں نے عرض کی:

"حضورؐ ہمارے سربرآوردہ لوگوں میں سے کسی نے یہ نہیں کہا۔ نوخیز نوجوانوں نے یہ فقرے کہے تھے۔"

Marfat.com

صحیح بخاری باب مناقب الانصار میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو بلا کر پوچھا کہ یہ کیا واقعہ ہے تو چونکہ انصار جھوٹ نہیں بولتے تھے انہوں نے کہا "آپ نے جو سنا صحیح ہے۔"

آپ نے ایک خطبہ دیا جس کی تعریف بلاغت میں نہیں مل سکتی۔ انصار کی طرف خطاب فرما کر کہا:-

"کیا یہ سچ نہیں کہ تم پہلے گمراہ تھے، خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو ہدایت کی۔ تم منتشر اور پراگندہ تھے، خدا نے میرے ذریعہ سے تم میں اتفاق پیدا کیا۔ تم مفلس تھے خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو دولت مند کیا۔"

آپ یہ فرماتے جاتے تھے اور ہر فقرہ پر انصار کہتے جاتے تھے کہ "خدا اور رسولؐ کا احسان سب سے بڑھ کر ہے۔"

آپ نے فرمایا:-

"نہیں ــــ تم یہ جواب دو کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تجھ کو جب لوگوں نے جھٹلایا تو ہم نے تیری تصدیق کی۔ تجھ کو جب لوگوں نے چھوڑ دیا تو ہم نے پناہ دی۔ تو مفلس آیا تھا ہم نے ہر طرح کی مدد کی۔"

یہ کہہ کر آپ نے فرمایا کہ:-

"تم یہ جواب دیتے جاؤ اور میں یہ کہتا جاؤں گا کہ تم سچ کہتے ہو۔ لیکن اے انصار کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو لے کر اپنے گھر جاؤ۔"

انصار بے اختیار چیخ اٹھے کہ "ہم کو صرف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) درکار ہیں۔"

اکثروں کا یہ حال ہوا کہ روتے روتے داڑھیاں تر ہو گئیں۔ آپ نے انصار کو سمجھایا کہ مکہ کے لوگ جدید الاسلام ہیں۔ میں نے اُن کو جو کچھ دیا حق کی بنا پر نہیں بلکہ تالیف قلب کے لئے دیا۔

حنین کے اسیران جنگ اب تک جعرانہ میں محفوظ تھے۔ ایک معزز سفارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی کہ اسیران جنگ رہا کر دیئے جائیں۔ یہ وہ قبیلہ تھا کہ آپ کی رضاعی

Marfat.com

والدہ حضرت حلیمہؓ اسی قبیلہ کی تھیں۔ رئیس قبیلہ (زہیر بن صرد) نے کھڑے ہو کر تقریر کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مخاطب ہو کر کہا:

"جو عورتیں چھپروں میں محبوس ہیں انہی میں تیری پھوپیاں اور تیری خالائیں ہیں۔ خدا کی قسم! اگر سلاطین عرب میں سے کسی نے ہمارے خاندان کا دودھ پیا ہوتا تو اُن سے بہت کچھ امیدیں ہوتیں اور تجھ سے تو اور بھی زیادہ توقعات ہیں"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"خاندانِ عبدالمطلب کا جس قدر حصّہ ہے وہ تمہارا ہے لیکن عام رہائی کی تدبیر یہ ہے کہ ظہر کے بعد جب مجمع ہو تو سب کے سامنے یہ درخواست پیش کرو"

نماز ظہر کے بعد ان لوگوں نے یہ درخواست مجمع کے سامنے پیش کی۔ آپؐ نے فرمایا: "مجھ کو صرف اپنے خاندان پر اختیار ہے لیکن میں تمام مسلمانوں سے ان کے لئے سفارش کرتا ہوں" مہاجرین و انصار بول اٹھے، "ہمارا حصّہ بھی حاضر ہے"۔ اس طرح چھ ہزار دفعتاً آزاد تھے۔

واقعاتِ متفرقہ

حضرت ماریہؓ کے بطن سے اسی سال ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراہیم رکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بچّہ سے نہایت محبّت تھی۔ ڈیڑھ سال (سترہ یا اٹھارہ مہینے) زندہ رہا۔ جس دن ابراہیم نے وفات پائی، سورج گرہن ہوا۔ عرب کا عقیدہ تھا کہ سورج گرہن کسی عظیم الشان انسان کی موت کی علامت ہے۔ لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ ابراہیم کی موت کا نتیجہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیا کہ سورج اور چاند خدا کی قدرت ہیں۔ کسی کے مرنے اور جینے سے ان میں گرہن نہیں لگتا۔ اس کے بعد آپؐ نے کسوف کی نماز با جماعت ادا فرمائی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی حضرت زینبؓ کا بھی اسی سال انتقال ہوا۔

Marfat.com

واقعۂ ایلاء و تخییر

و غزوۂ تبوک

Marfat.com

ایلاء اور تخییر ——— اوائل سنہ ۹ھ
غزوۂ تبوک ——— رجب سنہ ۹ھ
حج اسلام اور اعلان براءت ——— ذوالحجہ سنہ ۹ھ

Marfat.com

ایلار اور تخییر

(اوائل ۹ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زاہدانہ اور تمام زخارف دنیوی سے بیگانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ دو دو مہینے گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ آئے دن فاقے ہوتے رہتے تھے۔ مدّت العمر دو وقت برابر سیر ہو کر کھانا نصیب نہیں ہوا۔

ازواج مطہرات اس جنس لطیف میں شامل تھیں جن کی مرغوب ترین چیز عموماً زیب و زینت اور ناز و نعمت ہے اور گو شرف صحبت نے ان کو تمام ابنائے جنس سے ممتاز کر دیا تھا تاہم بشریت بالکل معدوم نہیں ہو سکتی تھی۔ خصوصاً وہ دیکھتی تھیں کہ فتوحاتِ اسلام کا دائرہ بڑھتا جاتا ہے اور غنیمت کا سرمایہ اس قدر پہنچ گیا ہے کہ اس کا ادنیٰ حصّہ بھی ان کی راحت و آرام کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔ ان واقعات کا اقتضاء تھا کہ اُن کے صبر و قناعت کا جام لبریز ہو جاتا۔

ازواج مطہرات میں بڑے بڑے گھرانوں کی خاتونیں تھیں۔ حضرت ام حبیبہؓ تھیں جو رئیس قریش کی صاحب زادی تھیں۔ حضرت جویریہؓ تھیں جو قبیلہ بنی المصطلق کے رئیس کی بیٹی تھیں۔ حضرت صفیہؓ تھیں جن کا باپ خیبر کا رئیس اعظم تھا۔ حضرت عائشہؓ تھیں جو حضرت ابو بکرؓ کی صاحبزادی تھیں۔ حضرت حفصہؓ جن کے والد فاروق اعظمؓ تھے۔ بشریت کے اقتضاء سے ان میں منافست بھی تھی اور حریف کے مقابلہ میں اپنے رتبہ اور شان کا خیال رہتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر ایک کو جو شدید محبت تھی وہ بہ سایہ ترامی پسندم کی حد تک تھی۔

ایک دفعہ کئی دن تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینبؓ کے پاس معمول سے زیادہ بیٹھے جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت زینبؓ کے پاس کہیں سے شہد آ گیا تھا۔ انہوں نے آپ کے سامنے

Marfat.com

پیش کیا۔ آپؐ کو شہد بہت مرغوب تھا۔ آپؐ نے نوش فرمایا۔ اس میں وقت مقررہ سے دیر ہو گئی۔ حضرت عائشہؓ کو رشک ہوا۔ حضرت حفصہؓ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہمارے یا تمہارے گھر میں آئیں تو کہنا چاہیئے کہ آپؐ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے (مغافیر کے پھولوں سے شہد کی مکھیاں رس چوستی ہیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھائی کہ میں شہد نہ کھاؤں گا۔ اس پر قرآن مجید کی یہ آیت اتری۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ ۖ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ (تحریم - ۱)

اے پیغمبر اپنی بیویوں کی خوشی کے لئے تم خدا کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام کیوں کرتے ہو۔

اسی زمانہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی راز کی بات حضرت حفصہؓ سے فرمائی اور تاکید کر دی کہ کسی سے نہ کہنا لیکن انہوں نے حضرت عائشہؓ سے کہہ دی۔ اس پر یہ آیت اتری :۔

وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَن بَعْضٍ ۖ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنبَأَكَ هَٰذَا ۖ قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ۔ (تحریم - ۱)

اور جب کہ پیغمبر نے اپنی بعض بیویوں سے راز کی بات کہی اور انہوں نے فاش کر دی اور خدا نے پیغمبر کو اس کی خبر کر دی تو پیغمبرؐ نے اس کا کچھ حصہ ان سے کہا اور کچھ چھوڑ دیا۔ پھر جب ان سے کہا، تو انہوں نے کہا کہ آپؐ کو کس نے خبر دی پیغمبرؐ نے کہا، مجھ کو خدائے عالم خبیر نے خبر دی ہے۔

شکر رنجیاں بڑھتی گئیں اور حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے باہم مظاہرہ کیا یعنی دونوں نے اس پر اتفاق کیا کہ دونوں مل کر زور ڈالیں۔ اس پر حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کی شان میں یہ آیتیں اتریں۔

إِن تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا ۖ وَإِن تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ

اگر تم دونوں خدا کی طرف رجوع کرو تو تمہارے دل مائل ہو چکے ہیں اور اگر ان

اللہ ھُوَ مَوْلاٰہُ وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ بَعْدَ ذٰلِکَ ظَہِیْرٌ۔ (سورۂ تحریم ـ ۱)	کے دیعنی رسول اللہ کے مقابلہ میں) یکا کرو تو خدا اور جبریلؑ اور نیک مسلمان اور سب کے بعد فرشتے رسول اللہ کے مددگار ہیں۔

حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے جن معاملات کی وجہ سے ایکا کیا تھا وہ خاص تھے لیکن توسیع نفقہ کے تقاضے میں تمام ازواج مطہرات شریک تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سکون خاطر میں یہ تنگ طلبی اس قدر مخل انداز ہوئی کہ آپ نے عہد فرمایا کہ ایک مہینہ تک ازواج مطہرات سے نہ ملیں گے۔ اتفاق یہ کہ اسی زمانہ میں آپ گھوڑے سے گر پڑے اور ساق مبارک پر زخم آیا۔ آپ نے بالاخانے پر تنہا نشینی اختیار کی۔ واقعات کے قرینہ سے لوگوں نے خیال کیا کہ آپ نے تمام ازواج کو طلاق دے دی۔ اس کے بعد جو واقعات پیش آئے اُن کو ہم حضرت عمرؓ کی زبان سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے دلچسپ اور پُر اثر تفصیل کے ساتھ اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔ اس بیان میں کچھ ابتدائی واقعات بھی آگئے ہیں جن سے اصل معاملہ پر زیادہ روشنی پڑتی ہے۔ یہ واقعہ صحیح بخاری کے متعدد ابواب یعنی کتاب النکاح، طلاق، کتاب العلم میں باختلاف عبارت منقول ہے صحیح مسلم باب النکاح میں بھی کئی طریق سے مذکور ہے۔ ان روایتوں میں باہم جزئیات میں اختلاف ہے۔ ہم نے تا امکان سب روایتوں کو جمع کیا ہے۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ

"میں اور ایک انصاری (راوی ابن خولی یا عتبان بن مالک) ہمسایہ تھے اور معمول تھا کہ باری باری ایک دن بیچ دے کر ہم دونوں خدمت اقدس میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ قریش کے لوگ عورتوں پر قابو رکھتے تھے اور ان پر غالب رہتے تھے لیکن جب مدینہ میں آئے تو یہاں انصار کی عورتیں مردوں پر غالب تھیں۔ ان کا انداز دیکھ کر ہماری عورتوں نے بھی ان کی تقلید شروع کی۔ ایک دن میں نے کسی بات پر اپنی بیوی کو ڈانٹا۔ انہوں نے اُلٹ کر جواب دیا۔ میں نے کہا "تم میری بات کا جواب دیتی ہو۔ بولیں، تم کیا ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں اُن کو برابر کا جواب دیتی ہیں۔ یہاں تک، کہ دن بھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روٹھی رہتی ہیں۔ میں نے دل میں کہا، غضب ہوگیا اگر

کہ حضرت حفصہؓ (حضرت عمرؓ کی صاحبزادی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ) کے پاس آیا اور پوچھا کہ کیا واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رات بھر روٹھی رہتی ہے۔ حفصہؓ نے اقرار کیا۔ میں نے کہا "تجھ کو یہ خیال نہیں کہ رسولؐ کی ناراضی خدا کی ناراضی ہے۔ بخدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا خیال فرماتے ہیں ورنہ تجھ کو طلاق دے چکے ہوتے۔ پھر ام سلمہؓ کے پاس گیا اور اُن سے بھی یہی شکایت کی۔ بولیں کہ عمرؓ تم ہر معاملہ میں دخل دینے لگے یہاں تک کہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کی ازواج کے معاملات میں بھی دخل دیتے ہو۔ میں چُپ رہ گیا اور اٹھ کر چلا آیا۔

کچھ رات گئے میرے ہمسائے انصاری باہر سے آئے اور بڑے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں گھبرا کر اٹھا اور دروازہ کھول کر پوچھا خیر ہے؟ اُنہوں نے کہا غضب ہو گیا۔ میں نے کہا، کیا غسانی[1] مدینہ پر چڑھ آئے؟ بولے کہ نہیں، اس سے بھی بڑھ کر یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج کو طلاق دے دی۔ میں صبح کو مدینہ آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز فجر ادا کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر بالاخانہ میں تنہا جا کر بیٹھ گئے۔ میں حفصہؓ کے پاس آیا تو دیکھا وہ بیٹھی رو رہی ہے۔ میں نے کہا، میں نے تجھ سے پہلے ہی کہا تھا۔ حفصہؓ کے پاس سے اٹھ کر مسجد نبوی میں آیا۔ دیکھا تو صحابہؓ منبر کے پاس بیٹھے رو رہے ہیں۔ میں ان کے پاس بیٹھ گیا لیکن طبیعت کو سکون نہیں ہوتا تھا۔ اٹھ کر بالاخانے کے پاس آیا اور رباح (خادم خاص) سے کہا اطلاع کر دو لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ جواب نہیں دیا۔ میں اٹھ کر پھر مسجد میں چلا آیا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد بے تاب ہو کر بالاخانے کے نیچے آیا اور دربان سے دوبارہ اذن طلبی کی درخواست کی۔ جب کچھ جواب نہیں ملا تو میں نے پکار کر کہا "رباح میرے لئے اذن مانگ۔ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال ہے کہ میں حفصہؓ کی سفارش کرنے آیا ہوں۔ خدا کی قسم! رسولؐ اللہ فرمائیں تو حفصہؓ کی گردن اڑا دوں۔"

---

[1] غسانی عرب کا ایک خاندان تھا جو شام میں رومیوں کے ماتحت بادشاہی کرتا تھا۔ وہ رومیوں کی تحریک سے مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ (مؤلف)

Marfat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی۔ اندر گیا تو دیکھا آپ کھری چارپائی پر لیٹے ہیں اور جسم مبارک پر بانوں کے نشان پڑگئے ہیں۔ ادھر اُدھر نظر اٹھا کر دیکھا تو ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے ہوئے تھے۔ ایک کونے میں کسی جانور کی کھال کھونٹی پر لٹک رہی تھی۔ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سبب پوچھا۔ میں نے عرض کی "اس سے بڑھ کر رونے کا اور کیا موقع ہوگا۔ قیصر و کسریٰ باغ و بہار کے مزے لوٹ رہے ہیں اور پیغمبر ہو کر آپ کی یہ حالت ہے"

آپ نے ارشاد فرمایا "کہ تم اس پر راضی نہیں کہ قیصر و کسریٰ دنیا لیں اور ہم آخرت"

میں نے عرض کی "کیا آپ نے ازواج کو طلاق دے دی؟"

آپ نے فرمایا "نہیں!"

میں اللہ اکبر پکار اٹھا۔ پھر عرض کی کہ مسجد میں تمام صحابہ مغموم بیٹھے ہیں۔ اجازت ہو تو جا کر خبر کر دوں کہ واقعہ غلط ہے۔ چونکہ ایلاء کی مدت یعنی ایک مہینہ گزر چکا تھا۔ آپ بالا خانہ سے اتر آئے اور عام باریابی کی اجازت ہو گئی۔ اس کے بعد آیت تخییر نازل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝ وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ (احزاب — ۴)	اے پیغمبرؐ! اپنی بیویوں سے کہہ دے کہ اگر تم کو دنیاوی زندگی اور دنیا کی زیب و آرائش مطلوب ہے تو آؤ میں تم کو رخصتی جوڑے دے کر بطریق احسن رخصت کر دوں اور اگر خدا، خدا کا رسولؐ اور آخرت مطلوب ہے تو خدا نے تم میں سے نیکوکاروں کے لئے بڑا ثواب مہیا کر رکھا ہے۔

اس آیت کی رُو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ ازواج مطہرات کو مطلع فرما دیں کہ دو چیزیں تمہارے سامنے ہیں — دنیا اور آخرت۔ اگر تم چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو رخصتی جوڑے دے کر عزت و احترام کے ساتھ رخصت کر دوں اور اگر تم خدا اور رسولؐ اور زندگانی ابدی کی

طلب گار ہو تو خدا نے نیکو کاروں کے لئے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بالاتفاق ۲۹ روز بالاخانہ پر تشریف فرما رہے۔ حضرت عمرؓ کا یہ مکالمہ پہلے روز کا واقعہ ہے یا آخر روز کا۔ اس روایت کے جتنے طریقے ہیں اُن کا ابتدائی ٹکڑا ظاہر کرتا ہے کہ یہ پہلے ہی دن کا واقعہ ہے اور آخر کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ انتیسویں روز کا واقعہ ہے۔ اس بنا پر محدثین نے یہ تاویل کی ہے کہ اس مکالمہ کا اکثر حصہ پہلے روز کا واقعہ ہے لیکن صرف اترنے کا بیان آخر روز کا واقعہ ہے۔ راوی نے بیچ کا سلسلہ چھوڑ دیا۔

مہینہ ختم ہو چکا تھا۔ آپ بالا خانے سے اُترے اور چونکہ ان تمام معاملات میں حضرت عائشہؓ پیش پیش تھیں اُن کے پاس تشریف لے گئے اور مطلع فرمایا۔ انہوں نے کہا میں سب کچھ چھوڑ کر خدا اور رسولؐ کو لیتی ہوں۔ تمام اور ازواج مطہرات نے بھی یہی جواب دیا۔

ایلاء، تخییر، مظاہرہ حفصہؓ و عائشہؓ ـــــ یہ واقعات عام طور پر اس طرح بیان کئے گئے ہیں کہ گویا مختلف زمانوں کے واقعات ہیں اور ان سے ایک ناظر بین یہ دھوکا کھا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کے ساتھ ہمیشہ ناگواری کے ساتھ بسر کرتے تھے لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ تینوں واقعے ہم زمان اور ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ صحیح بخاری باب النکاح میں حضرت ابن عباسؓ کی زبانی جو نہایت تفصیلی روایت ہے اس میں تصریح ہے کہ مظاہرہ ازواج مطہرات سے اعتزال افشائے راز، آیت تخییر کا نزول سب ایک ہی سلسلہ کے واقعات ہیں۔

Marfat.com

غزوۂ تبوک

(رجب ۹ھ مطابق نومبر ۶۲۵ء)

تبوک ایک مشہور مقام ہے جو مدینہ اور دمشق کے وسط میں نصف راہ پر مدینہ سے چودہ منزل ہے۔

جنگ موتہ کے بعد سے رومی سلطنت نے عرب پر حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ غسانی خاندان جو شام میں رومیوں کے زیر اثر حکومت کر رہا تھا مذہباً عیسائی تھا، اس لئے قیصر روم نے اسی کو اس مہم پر متعین کیا۔ مدینہ میں یہ خبریں اکثر مشہور ہوتی رہتی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلاء کے واقعہ میں حضرت عمرؓ سے جب عتبان بن مالک نے دفعتہً آکر یہ کہا کہ "غضب ہوگیا" تو انہوں نے کہا "کیوں خیر ہے؟ کیا غسانی آگئے"۔

شام کے نبطی سوداگر مدینہ میں روغن زیتون بیچنے آیا کرتے تھے۔ انہوں نے خبر دی کہ رومیوں نے شام میں لشکر گراں جمع کیا ہے اور فوج کو سال بھر کی تنخواہیں تقسیم کر دی ہیں۔ اس فوج میں لخم، جذام اور غسان کے تمام عرب شامل ہیں اور مقدمۃ الجیش بلقاء تک آگیا ہے۔ مواہب لدنیہ میں طبرانی سے روایت نقل کی ہے کہ عرب کے عیسائیوں نے ہرقل کو لکھ بھیجا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انتقال کیا اور عرب سخت قحط کی وجہ سے بھوکوں مر رہے ہیں۔ اس بنا پر ہرقل نے چالیس ہزار فوجیں روانہ کیں۔

بہرحال یہ خبریں تمام عرب میں پھیل گئیں اور قرائن اس قدر قوی تھے کہ غلط ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کی تیاری کا حکم دیا۔ سوء اتفاق یہ کہ سخت قحط اور شدت کی گرمیاں تھیں۔ ان اسباب سے لوگوں کو گھر سے نکلنا نہایت شاق تھا۔ منافقین

Marfat.com

جو بظاہر اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے اُن کا پردہ فاش ہو چلا۔ وہ خود بھی جی چراتے تھے اور دوسروں کو بھی منع کرتے تھے کہ گرمی میں نہ نکلو۔"

سویلم ایک یہودی تھا۔ اس کے گھر پر منافقین جمع ہوتے اور لوگوں کو لڑائی پر جانے سے روکتے۔ چونکہ ملک پر رومیوں کے حملہ کا اندیشہ تھا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قبائل عرب سے فوجیں اور مالی اعانت طلب کی۔ صحابہ میں سے حضرت عثمان نے دو سو اوقیہ چاندی اور دو سو اونٹ پیش کئے۔ اکثر صحابہ نے بڑی بڑی رقمیں لا کر حاضر کیں تاہم بہت سے مسلمان اس بنا پر جانے سے رہ گئے کہ سفر کا سامان نہیں رکھتے تھے۔ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے اور اس درد سے روتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن پر رحم آیا۔ تاہم اُن کے چلنے کا کوئی سامان نہ ہو سکا۔ انہی کی شان میں سورۂ توبہ کی یہ آئتیں اتری ہیں:

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ۔

اور نہ ان لوگوں پر کچھ اعتراض ہے کہ جب تمہارے پاس آئے کہ ہم کو سواری دیجئے اور تم نے کہا، میرے پاس سواری کہاں ہے جس پر تم کو سوار کر سکوں تو وہ واپس گئے اور اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے کہ افسوس ہمارے پاس خرچ نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا، جب آپؐ مدینہ سے تشریف لے جاتے تو کسی کو شہر کا حاکم فرما کر جاتے۔ چونکہ اس غزوہ میں بخلاف اور معرکوں کے ازواج مطہرات ساتھ نہیں گئی تھیں، اہل حرم کی حفاظت کے لئے کسی عزیز خاص کا رہنا ضرور تھا اس لئے اب کے یہ منصب جناب امیرؓ کو ملا لیکن انہوں نے شکایت کی کہ "آپ مجھ کو بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں" آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ "تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم کو مجھ سے وہ نسبت ہو جو ہارون کو موسیٰؑ کے ساتھ تھی۔"

غرض آپؐ تیس ہزار فوج کے ساتھ مدینہ سے نکلے جس میں دس ہزار گھوڑے تھے۔ راہ میں وہ عبرت ناک مقامات تھے جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ یعنی قوم ثمود کے مکانات جو پہاڑوں

(ی) تراش کر بنائے گئے تھے۔ چونکہ اس مقام پر عذاب الٰہی نازل ہو چکا تھا آپؐ نے حکم دیا کہ کوئی شخص یہاں قیام نہ کرے نہ پانی پیئے اور نہ کسی کام میں لائے۔

تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ خبر صحیح نہ تھی لیکن اصلیت سے خالی بھی نہ تھی۔ غسانی رئیس عرب میں ریشہ دوانیاں کر رہا تھا۔ صحیح بخاری غزوۂ تبوک میں جہاں حضرت کعبؓ بن مالک کا واقعہ مذکور ہے۔ لکھا ہے کہ شام سے ایک قاصد آیا اور حضرت کعبؓ بن مالک کو رئیس غسان کا ایک خط دیا جس میں لکھا تھا کہ "میں نے سُنا ہے کہ محمدؐ نے تمہاری قدر نہ کی اس لئے تم میرے پاس چلے آؤ۔ میں تمہاری شان کے موافق تم سے برتاؤ کروں گا" حضرت کعب گو معتوب نبویؐ تھے لیکن اُنہوں نے اس خط کو تنور میں ڈال دیا۔

تبوک پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس دن تک قیام کیا۔ ایلہ کا سردار جس کا نام یوحنا تھا، نے حاضر خدمت ہو کر جزیہ دینا منظور کیا۔ ایک سفید خچر بھی نذر میں پیش کیا جس کے صلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کو ردائے مبارک عنایت فرمائی۔ جربا اور اذرح کے عیسائی بھی حاضر ہوئے اور جزیہ پر رضامندی ظاہر کی۔ دومۃ الجندل جو دمشق سے پانچ منزل ہے وہاں ایک عربی سردار جس کا نام اکیدر تھا، قیصر کے زیر اثر تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ کو چار سو بیس کی جمعیت کے ساتھ اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ حضرت خالدؓ نے اس کو گرفتار کیا اور اس شرط پر رہائی دی کہ خود دربار رسالت میں حاضر ہو کر شرائط صلح پیش کرے چنانچہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ مدینہ میں آیا۔ آپؐ نے اُس کو امان دی۔

تبوک سے جب آپؐ واپس پھرے اور مدینہ کے قریب پہنچے تو لوگ عالم شوق میں استقبال کو نکلے۔ یہاں تک کہ پردہ نشینانِ حرم بھی جوش میں گھروں سے نکل پڑیں اور لڑکیاں یہ اشعار گاتی نکلیں:۔

طلع البدر علینا — من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا — ما دعا للہ داع

وداع کی گھاٹیوں سے ہم پر چاند طلوع ہوا۔ جب تک خدا کا پکارنے والا دنیا میں کوئی باقی ہے ہم پر خدا کا شکر فرض ہے۔

Marfat.com

مسجد ضرار

منافقین ہمیشہ سے اس فکر میں رہتے تھے کہ مسلمانوں میں کسی طرح پھوٹ ڈال دیں! ایک مدت سے وہ اس خیال میں تھے کہ مسجد قبا کے توڑ پر وہیں ایک اور مسجد اس حیلہ سے بنائیں کہ لوگ ضعف یا کسی اور وجہ سے مسجد نبوی میں نہ پہنچ سکیں یہاں آ کر نماز ادا کر لیا کریں۔ ابو عامر انصار میں سے عیسائی ہو گیا تھا اُس نے منافقین سے کہا کہ تم سامان کر دیں قیصر کے پاس کر وہاں سے فوجیں لاتا ہوں کہ اس ملک کو اسلام سے پاک کر دوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبوک تشریف لے جانے لگے تو منافقین نے آنحضرت صلی ا[للہ] علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کی کہ ہم نے بیماروں اور معذوروں کے لیئے ایک مسجد تیار کی ہے آپ چل کر اس میں ایک دفعہ نماز پڑھا دیں تو مقبول ہو جائے۔ آپؐ نے فرمایا اس وقت مہم جا رہا ہوں۔ جب تبوک سے واپس پھرے تو مالکؓ اور معنؓ بن عدی کو حکم دیا کہ جا کر مسجد [کو] آگ لگا دیں۔

Marfat.com

حج اسلام اور اعلانِ برأت

مکہ ۸ھ میں فتح ہوا لیکن چونکہ ابھی تک ملک میں اچھی طرح امن و امان نہیں قائم ہوا تھا۔ اس لیے اس سال مشرکین ہی کے اہتمام سے ارکان حج انجام پائے۔ مسلمانوں نے حضرت عتاب بن اسید کے ساتھ جو مکہ کے امیر مقرر ہوئے تھے فریضۂ حج ادا کیا۔ اب ۹ھ پہلا موقع ہے کہ کعبہ کفر و شرک کی ظلمت سے پاک ہو کر عبادات ابراہیمی کا مرکز قرار پاتا ہے۔ غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد ذیقعد یا ذوالحجہ ۹ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سو مسلمانوں کا قافلہ مدینہ منورہ سے حج کے لیے روانہ فرمایا۔ ان میں حضرت ابوبکرؓ قافلہ کے سالار، حضرت علیؓ نقیب اسلام اور حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت جابرؓ، حضرت ابوہریرہؓ وغیرہ معلم تھے قربانی کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بیس اونٹ ساتھ تھے۔

قرآن نے اس حج کو حج اکبر کہا ہے کہ یہ پہلا موقع تھا کہ رسم حج اصل ابراہیمی سنت میں جلوہ گر ہوئی۔ اس حج کا مقصد یہ تھا کہ خانۂ خلیل میں عہد جاہلیت کے اختتام اور حکومت اسلام کی ابتدا کا اعلان کیا جائے۔ مناسک اور رسوم حج کی عام طور پر تعلیم دی جائے۔ زمانہ جاہلیت کے رسوم و عادات کا ابطال کیا جائے۔

حضرت ابوبکرؓ نے مناسک حج کی لوگوں کو تعلیم دی۔ یوم النحر میں خطبہ دیا جس میں حج کے مسائل بیان کئے۔ اس کے بعد حضرت علیؓ کھڑے ہوئے۔ سورۂ برأت کی چالیس آئتیں پڑھ کر سنائیں اور اعلان کر دیا کہ اب کوئی مشرک خانۂ کعبہ میں داخل نہ ہو سکے گا، نہ کوئی برہنہ اب حج کرنے پائے گا اور وہ تمام معاہدے جو مشرکین سے تھے، ان کے نقض عہد کے سبب سے آج سے چار مہینے کے بعد ٹوٹ جائیں گے۔ حضرت ابوہریرہؓ وغیرہ نے اس اعلان کی اس زور

Marfat.com

زور سے منادی کی کہ گلا پڑ پڑا گیا۔

طبری نے بواسطہ سدی روایت کی ہے کہ اس اعلان کے بعد کفار عام طور سے مسلمان ہو گئے۔

واقعاتِ متفرقہ

نو سال کے بعد اب ملک میں امن وامان کا دور شروع ہوا۔ اب حصولِ دولت کے مواقع حاصل تھے اس بنا پر زکوٰۃ کا حکم اس سال نازل ہوا اور تحصیل زکوٰۃ کے لیے عمال قبائل میں مقرر ہوئے۔

اسلام کے سایہ میں بعض غیر مسلم قومیں بھی داخل ہو چکی تھیں۔ ان کے لیے جزیہ کی یہ آیت اُتری:-

حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ۔ تا آنکہ چھوٹے بن کر وہ جزیہ ادا نہ کریں۔ (توبہ — ۴)

سود کی تحریم بھی اسی سال نازل ہوئی اور اس کے ایک سال بعد ۱۰ھ میں حجۃ الوداع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اعلان عام فرمایا۔

نجاشی جس کے ظلِ حمایت میں مسلمانوں نے چند سال حبشہ میں بسر کیے۔ اُس نے امسال انتقال کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وفات کا خود اعلان فرمایا کہ "مسلمانو! آج تمہارے برادر صالح اصحمہؓ نے وفات پائی۔ اس کے لیے دعائے مغفرت مانگو۔" اس کے بعد نجاشی کے لیے غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔

Marfat.com

تبلیغ و اشاعتِ اسلام

Marfat.com

طفیل بن عمرو کا اسلام — عمرو بن عبسہ — حضرت
ابوذرؓ کا اسلام — قبیلہ اسلم کا اسلام — اوس و
خزرج کا اسلام — قیام مدینہ میں اشاعت اسلام —
بدر کے بعد بعض قریشیوں کا اسلام — پیشین گوئی روم کا
اثر — قبیلہ اشجع کا اسلام قبیلہ جہینہ کا اسلام —
صلح حدیبیہ کا اثر — فتح مکہ کا اثر — یمن — نجران —
بحرین ۸ھ — عمان ۸ھ — عرب شام ۹ھ

Marfat.com

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا اصلی کام نہ تمام عالم میں دعوتِ اسلام کا اعلان کرنا تھا اور نہ صرف اعلان بلکہ ہر قسم کے جائز اور صحیح وسائل سے تمام عالم کو حلقۂ اسلام میں لانا تھا۔ اس کے لئے تیغ و خنجر اور فوج و عسکر کی ضرورت نہ تھی بلکہ صرف اس قدر کافی تھا کہ دعوتِ حق کی صدا اطرافِ عالم میں پہنچ جانے پائے لیکن مکّہ میں تیرہ برس تک اعدائے اسلام اس کی سدِّ راہ رہے۔ حج کے موقع پر عرب کے تمام قبائل دور دراز مقامات سے آتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک کے پاس جاتے اور صرف یہ درخواست کرتے کہ قریش مجھ کو پیغامِ حق پہنچانے سے روکتے ہیں تم اس کا موقع دو۔ لیکن قریش کے اثر سے ہزاروں لاکھوں میں سے ایک بھی اس کی حامی نہیں بھرتا تھا۔

"تاہم آفتابِ حق کی کرنیں ان کثیف بادلوں میں سے بھی چھن چھن کر سطحِ قلوب پر پڑتی تھیں۔ اور اکناف و حوالی کو روشن کرتی جاتی تھیں۔ اسلام کو صرف اشتہار اور اعلان کی ضرورت تھی اور یہ کام خود اعدائے اسلام نے انجام دیا۔ جب حج کا زمانہ آتا تو رؤسائے قریش عام گزرگاہوں پر بیٹھ جاتے۔ باہر کے لوگ اُن سے ملنے آتے اور چونکہ بعثتِ نبوی کا چرچا پھیل چکا تھا۔ لوگ اُس کی حقیقت دریافت کرتے اور نہ کرتے تو قریش خود حفظِ ماتقدم کے لئے اُن سے کہتے کہ "ہمارے شہر میں ایک بدعقیدہ پیدا ہوا ہے جو ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے۔ یہاں تک کہ لات و عزیٰ تک کو بُرا کہتا ہے۔"

بدعقیدہ کو عربی میں صابی کہتے ہیں۔ اسی مناسبت سے یا اس وجہ سے کہ اسلام کے بعض فرائض مثلاً نماز کی صورت صابیوں کے اعمال سے ملتے جلتے ہیں۔ قریش نے آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کو صابی کا لقب دیا تھا اور بالآخر اسی لقب سے تمام عرب میں آپ کا نام مشہور ہوگیا
صحیح بخاری کتاب المغازی میں ایک صحابی سے روایت ہے کہ "میں جب چھوٹا تھا تو مکہ کے آنے جانے والوں سے سنا کرتا تھا کہ مکہ میں ایک مدعی نبوت پیدا ہوا ہے۔"

ملک میں جب آپ کا نام مشہور ہوا تو اگرچہ جمہور عام پر مخالف اثر پڑا اور ان میں سے کسی شخص نے آپ کی طرف رُخ نہیں کیا لیکن اتنا بڑا وسیع ملک ان لوگوں سے خالی نہیں ہوسکتا تھا جن کو یہ شوق پیدا ہو کر اصل واقعہ کیا ہے۔ عرب میں ایسے لوگوں کی خاص جماعت پیدا ہوگئی تھی جو بت پرستی سے متنفر ہوچکے تھے اور حق کے متجسس تھے۔ بعض لوگ اس حد سے ترقی کرکے حنفی بن گئے تھے۔ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں متعدد ایسے صحابہ کا تذکرہ کیا ہے جو یمن وغیرہ دور دراز مقامات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیق حال کے لئے مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور مخفی طور سے اسلام لاکر واپس گئے۔ حضرت ابوموسیٰؓ اشعری یمنی اور طفیلؓ بن عمرو دوسی یمنی کے خاندان میں جو اسلام پھیلا، اس کی ابتدا قیام مکہ ہی کے زمانہ میں ہوئی تھی۔

طفیلؓ بن عمرو کا اسلام

طفیلؓ بن عمرو دوسی عرب کا مشہور شاعر تھا اور چونکہ عرب میں شعرا کا اثر بہت تھا یعنی وہ قبیلہ کے قبیلہ کو جدھر چاہتے جھونک دیتے تھے۔ اس لئے قریش نے کوشش کی کہ وہ کسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نہ پہنچنے پائیں۔ لیکن ایک دفعہ جب اس نے اتفاقیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید پڑھتے سُنا تو وہ فوراً مسلمان ہوگیا اور اُس کے اثر سے اُسی زمانہ میں قبیلہ دوس میں بھی اسلام پھیلنے لگا۔ تاہم عام قبیلہ نے طفیل کی دعوت قبول نہ کی۔ وہ رنجیدہ ہوکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کی یارسول اللہ! دوس نے نافرمانی کی۔ ان پر بددعا کیجئے آپ نے ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگی کہ "خدایا، دوس کو ہدایت دے اور ان کو بھیج۔" اس کے بعد سارا قبیلہ مسلمان ہوگیا۔

عمروؓ بن عبسہ

عمروؓ بن عبسہ سلمی بھی ان ہی بزرگوں میں ہیں جنہوں نے لوگوں کی زبانی یہ سُن کر کہ مکہ میں ایک شخص

Marfat.com

پیدا ہوا ہے جو بہت سی باتیں بتاتا ہے، مشتاقانہ مکہ آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت قریش کے مظالم کی بنا پر چھپے رہتے تھے۔ عمروؓ بن عبسہ کسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے اور عرض کی کہ "آپؐ کون ہیں؟"

آپؐ نے فرمایا، "میں پیغمبر ہوں۔"

انہوں نے کہا، "پیغمبر کس کو کہتے ہیں؟"

آپ نے فرمایا، "خدا نے مجھے بھیجا ہے۔"

انہوں نے پھر پوچھا، "کیا پیغام دے کر بھیجا ہے؟"

ارشاد فرمایا، "مجھے خدا نے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ قرابت کا حق ادا کیا جائے، بُت توڑے جائیں، خدا کو ایک مانا جائے اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرایا جائے۔"

عمرو نے پوچھا، "اس مذہب کے کتنے پیرو ہیں؟"

آپؐ نے فرمایا۔ "ایک آزاد (ابوبکرؓ) اور ایک غلام (بلالؓ)۔"

عمرو نے کہا، "میں بھی آپؐ کی پیروی کرتا ہوں۔"

ارشاد ہوا، "ابھی تو یہ ممکن نہیں۔ تم دیکھتے ہو کہ میں کس حال میں ہوں اور لوگوں کا کیا حال ہے۔ میری کامیابی کا جب حال سنو تو میرے پاس آنا۔"

چنانچہ عمرو واپس گئے اور ہجرت کے بعد جب لوگوں کی زبانی آپؐ کی کامیابی کا حال معلوم ہوا تو حاضر خدمت ہوئے۔

ضمادؓ بن ثعلبہ کا اسلام

ضماد بن ثعلبہ قبیلہ ازدشنوہ کے رئیس آپؐ کے زمانہ جاہلیت کے دوست تھے۔ وہ مکہ آئے تو سُنا کہ محمدؐ کو جنون ہو گیا ہے۔ وہ جھاڑ پھونک بھی کرتے تھے۔ وہ آپؐ کے پاس آئے کہ لاؤ میں تمہارا علاج کر دوں۔ آپؐ نے فرمایا:

الحمد للہ نحمدہٗ ونستعینہٗ من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ واشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہٗ لا شریک لہ و

Marfat.com

اشهد ان محمداً عبدہٗ ورسولہ۔

ان فقروں نے ضماد پر غیر معمولی اثر کیا۔ عرض کی دوبارہ ارشاد فرمایئے۔ آپؐ نے پھر اعادہ فرمایا، ضماد نے پھر تیسری بار پڑھوایا۔ اب وہ بالکل مسحور تھے۔ بولے کہ "میں نے کاہنوں کی باتیں، جادوگروں کے منتر اور شاعروں کے قصائد سنے ہیں لیکن ایسا کلام میں نے نہیں سنا۔ یہ تو دریا کی تہ تک میں بھی اثر کر جائے گا۔ لایئے ہاتھ لایئے میں اسلام پر بیعت کرتا ہوں۔" آپؐ نے اُن سے بیعت لی۔ پھر فرمایا، اپنے پورے قبیلے کی طرف سے بھی بیعت کرو۔ چنانچہ انہوں نے پورے قبیلہ کی طرف سے بیعت کر لی۔ اور وہ اُن کی دعوت سے مسلمان ہو گئے۔ ایک دفعہ ایک لڑائی میں مسلمان سپاہیوں کا اُدھر سے گزر ہوا تو افسر نے پوچھا، کسی نے اس قبیلہ کی کوئی چیز لی ہے۔ ایک سپاہی نے کہا، ایک لوٹا میرے پاس ہے۔ اُس نے حکم دیا کہ واپس کر دو۔

حضرت ابوذرؓ کا اسلام

حضرت ابوذرؓ کا واقعہ اس موقع پر خاص طور پر ذکر کے قابل ہے۔

غفار کا قبیلہ قریش کی شامی تجارت کے راستے میں آباد تھا۔ جب وہاں یہ چرچا پھیلا تو حضرت ابوذرؓ جو بُت پرستی سے متنفر ہو چکے تھے اور حق کی تلاش میں تھے انہوں نے اپنے بھائی (انیس) سے کہا کہ تم مکہ جاؤ اور دیکھو کہ یہ شخص جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے، اس کی تعلیم اور تلقین کیا ہے۔ انیس مکہ میں آئے اور واپس جا کر بیان کیا کہ "وہ مکارم اخلاق کی تعلیم دیتا ہے اور جو کلام پیش کرتا ہے وہ شاعری سے الگ ہے۔" حضرت ابوذرؓ کو اس مختصر جواب سے تسکین نہیں ہوئی۔ خود گئے۔ زادِ سفر کے لئے مشک میں پانی اور کچھ کھانے کو لے لیا۔ مکہ میں آئے تو ڈر کے مارے کسی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہیں پوچھ سکتے تھے۔ حرم میں حضرت علیؓ سے ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے گھر پر لا کر مہمان رکھا لیکن تین دن تک ان سے بھی کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ بالآخر خود حضرت علیؓ نے پوچھا کہ یہاں آنے کی کیا غرض ہے؟ انہوں نے ڈرتے ڈرتے بتایا لیکن پھر قول و قرار لے لیا کہ کسی پر یہ راز ظاہر نہ ہونے پائے۔ حضرت علیؓ اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اور آپؐ نے اسلام کی تلقین کی اور فرمایا

کہ اس وقت گھر واپس جاؤ۔ پھر میں جو کچھ کہلا بھیجوں گا اس کی تعمیل کرنا لیکن ان کو اسلام کا جوش تھا۔ عرض کی کہ "میں تو اسلام کا اعلان کر کے رہوں گا" غرض حرم میں آئے اور زور سے پکارے کہ:۔

اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ۔

اس آواز کا سننا تھا کہ لوگ چاروں طرف سے دوڑ پڑے اور ان کو مارنا شروع کیا حضرت عباسؓ نے آکر بچایا اور لوگوں سے کہا:

"تم یہ نہیں سمجھتے کہ تمہاری تجارت کا راستہ غفار کی آبادی سے ہو کر گزرتا ہے اور یہ اسی قبیلے کے آدمی ہیں"

اس وقت لوگوں نے چھوڑ دیا لیکن دوسرے دن حضرت ابوذرؓ نے حرم میں جا کر پھر اسی طریقہ سے اسلام کا اعلان کیا اور نتیجہ بھی وہی ہوا جو کل ہو چکا تھا۔ آج بھی اتفاق سے حضرت عباسؓ آ گئے اور انہوں نے جان بچائی۔

حضرت ابوذرؓ مکہ سے جب واپس گئے اور اپنے قبیلہ کو اسلام کی دعوت دی تو آدھا قبیلہ اسی وقت مسلمان ہو گیا۔ بقیہ آدمیوں نے کہا کہ ہم اس وقت اسلام کا اظہار کریں گے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آجائیں۔ چنانچہ جب آپؐ مدینہ میں تشریف لائے تو باقی آبادی بھی مسلمان ہو گئی۔

قبیلہ اسلم کا اسلام

غفار سے قریب اسلم کا قبیلہ آباد تھا اور دونوں قبیلوں میں قدیم تعلقات تھے۔ غفار کے اثر سے اُنہوں نے بھی اسلام قبول کر لیا (حالانکہ یہ دونوں قبیلے اسلام سے پہلے چوری میں بدنام تھے اور ان کو معلوم تھا کہ اسلام اس فعل شنیع کا دشمن ہے)

اوس وخزرج کا اسلام

موسم حج میں عرب کے اکثر قبائل کا اجتماع ہو جاتا تھا۔ آپؐ اس موقع پر ایک ایک

Marfat.com

قبیلہ کے قیام گاہ پر جاتے اور اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ چنانچہ مدینہ کے قبائل اوس وخزرج کی ایک معتدبہ جماعت نے اسی موقع پر اسلام قبول کیا۔ اس کے بعد جب حضرت مصعبؓ بن عمیر داعیٔ اسلام بن کر مدینہ منورہ بھیجے گئے تو اُن کے فیض تلقین سے چند ہی مہینوں میں دو گھرانوں کے سوا بقیہ تمام گھرانے مسلمان ہو گئے۔

قیام مدینہ میں اشاعتِ اسلام

ہجرت کے بعد جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آس پاس کے قبائل میں جیسا کہ اُوپر گزرا غفار واسلم نے اسلام قبول کر لیا۔

بدر کے بعد بعض قریشیوں کا اسلام

کچھ ہی دنوں کے بعد بدر کا معرکہ پیش آیا جس میں قریش کو شکست ہوئی اور ستر اشخاص مسلمانوں کے ہاتھ میں قید ہوئے۔ ان قیدیوں کی رہائی کے لئے قریش نے مدینہ میں آمد ورفت شروع کی۔ اس تقریب سے لوگوں کو مسلمانوں سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوا اور اس اثر سے متعدد اشخاص مسلمان ہو گئے۔ ان میں بہت سے لوگ ایسے تھے کہ اتفاقیہ ان کے کانوں میں قرآن مجید کی آواز پڑ گئی اور باوجود سخت عداوت کے ان کا دل پتھر سے موم بن گیا۔ جبیر بن مطعم بدر کے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑانے کے لئے آئے تھے۔ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیتیں پڑھ رہے تھے۔

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ	کیا یہ یونہی آپ سے آپ پیدا ہو گئے
الْخَالِقُوْنَ ۝ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ	یا ان لوگوں نے خود اپنے آپ کو پیدا
وَالْاَرْضَ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ (طور-۲)	کیا یا ان لوگوں نے آسمان اور زمین کو

پیدا کیا بلکہ بات یہ ہے کہ ان کو یقین نہیں ہے۔

جبیرؓ بن مطعم نے یہ آیتیں سن لیں، تو اُن کا بیان ہے کہ مجھ کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ میرا دل پرواز کر گیا۔

Marfat.com

پیشین گوئی روم کا اثر

مکہ میں روم و فارس کی جنگ کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیشین گوئی فرمائی تھی وہ ٹھیک فتح بدر کے موقع پر پوری اتری اور قرآن مجید کی پیشین گوئی کے مطابق سات برس کے بعد رومیوں نے فارس پر فتح کی پائی۔ اس عظیم الشان معجزہ کا یہ نتیجہ ہوا کہ ایک خلق کثیر نے اسلام کی صداقت کا اقرار کیا۔

غرض اس طرح آپ ہی آپ لیکن نہایت آہستگی اور تدریج کے ساتھ اسلام پھیلتا جاتا تھا۔ ۵ھ میں قریش، کنانہ، غطفان، اسد اور دیگر قبائل نے متحد ہو کر مدینہ پر حملہ کیا اور شکست کھائی اس معرکہ کا نام احزاب ہے جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ اس شکست نے قریش کا عالمگیر اثر کسی قدر کم کیا اور وہ قبائل جو قبول اسلام کے لئے آمادہ تھے لیکن قریش کے ڈر سے جن کو اظہار اسلام کی ہمت نہیں ہوتی تھی انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وفود بھیجنے شروع کئے۔ سب سے پہلی جو سفارت آئی وہ قبیلہ مزنیہ کی تھی جس میں چار سو آدمی شریک تھے۔ انہوں نے یہ بھی خواہش ظاہر کی کہ اگر ارشاد ہو تو ہجرت کر کے مدینہ میں آجائیں لیکن آپ نے فرمایا "تم جہاں رہو مہاجر ہو"

قبیلہ اشجع کا اسلام

اسی زمانہ میں قبیلہ اشجع کے سفراء جن کی تعداد سو تھی مدینہ میں آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہم آپ سے لڑنا نہیں چاہتے بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ صلح کا معاہدہ ہو جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا۔ اس وقت تک یہ لوگ کافر رہے۔ لیکن جب صلح ہو چکی تو انہوں نے خود بخود اسلام قبول کر لیا۔

قبیلہ جہینہ کا اسلام

جہینہ بھی ان ہی قبائل کے آس پاس آباد تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو

Marfat.com

اسلام کی دعوت دی اور وہ فوراً ایک ہزار کی جمعیت لے کر مدینہ آئے اور مسلمان ہو گئے اور اس کے بعد وہ اکثر غزوات میں مسلمانوں کے شریکِ حال رہے۔ غفار، اسلم، مزینہ، اشجع اور جہینہ ہی اطاعت اور مسابقتِ اسلام تھی جس کی بنا پر آپؐ نے اُن کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔

صلح حدیبیہ کا اثر

صلح حدیبیہ کے زمانہ میں جیسا کہ ہم حدیبیہ کے ذکر میں لکھ آئے ہیں، کفار اور مسلمان نہایت آزادی کے ساتھ آپس میں ملتے جلتے اور اس کے لئے منکروں کو خلوت وجلوت میں مسلمانوں کی تلقینات کے سننے کا موقع ملا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس سے پہلے باوجود غزوات اور محاربات کے جس قدر لوگ اسلام لائے تھے صرف دو برس میں یہ تعداد اس سے اضعافاً مضاعفہ بڑھ گئی۔ چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صلح حدیبیہ کے سال ادائے عمرہ کے ارادہ سے مدینہ طیبہ سے نکلے تو صرف ڈیڑھ ہزار شخص ساتھ تھے۔ اب دو برس کے بعد فتح مکہ کو چلے تو دس ہزار مسلمانوں کا لشکر جرار ساتھ تھا۔

صلح حدیبیہ کا اثر اگرچہ تمام عرب پر محیط نہ تھا کیونکہ اس معاہدہ میں صرف قریش اور کنانہ شریک تھے۔ اس لئے جو لوگ براہِ راست قریش کے زیر اثر یا ان کے حلیف اور ہم عہد نہ تھے وہ اب بھی مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کرتے رہتے تھے اور ان کے دفاع کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ کچھ فوجیں بھیجنی پڑتی تھیں تاہم جن موقعوں پر امن کا گمان ہوتا تھا وہاں داعیانِ اسلام بھیجے جانے لگے کہ لوگوں کو اسلام کی طرف بلائیں لیکن چونکہ حفاظت خود اختیاری کی غرض سے ان داعیوں کے ساتھ تھوڑی بہت جمعیت بھی ہوتی تھی اس لئے ارباب سیر ان تبلیغی جماعتوں کو بھی سرایا سے تعبیر کرتے تھے۔

تمام عرب تولیت کعبہ کی وجہ سے قریش کو مذہبی رہبر سمجھتا تھا۔ اس لئے وہ انتظار کر رہے تھے کہ قریش کا کیا انجام ہوتا ہے۔

Marfat.com

فتح مکہ کا اثر

ابن ہشام نے لکھا ہے :-

"اور عرب اسلام کے باب میں صرف قریش کا انتظار کر رہے تھے اور وہ یوں کہ قریش تمام ملک کے سردار اور پیشوا اور کعبہ و حرم کے متولی اور حضرت اسمٰعیلؑ کی خالص اولاد اور عرب کے قائد تھے اور صرف قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے لئے جنگ برپا کی تھی۔ تو جب مکہ فتح ہو گیا اور قریش نے سپر ڈال دی اور اسلام نے مکہ کو چھا لیا تو عرب کو یقین ہو گیا کہ اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ اور عداوت کی طاقت نہیں ہے تو وہ خدا کے دین میں داخل ہو گئے۔"

غرض اسلام کی سچائی اور سادگی اور عرب کی تیز فہمی اور ذہانت کے لحاظ سے اسلام کے پھیلنے میں جو دیر لگی وہ زیادہ تر قومی اور خاندانی مخالفت کی وجہ سے تھی۔ اب جب کہ باطل کا سنگِ راہ ہٹ گیا تو حق کے آگے بڑھنے میں دیر نہ تھی۔

فتح مکہ کے بعد اب دعوتِ اسلام کے لئے یہ خطرہ نہیں رہا کہ اس کے دعاۃ جہاں جائیں بے دریغ قتل کر دیئے جائیں۔ اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اطراف عرب میں دعاۃ بھیج دیئے کہ لوگوں کو اسلام کے فضائل و محاسن بتا کر اُن کو اسلام کی ترغیب دلائیں۔

دعاۃ حسب ذیل طریقہ سے مقرر کئے گئے :-

۱۔ حفاظت خود اختیاری کی غرض سے کسی قدر فوج ساتھ کر دی جاتی تھی کہ اُن کو کوئی شخص ضرر نہ پہنچانے پائے اور وہ آزادی سے تبلیغ اسلام کر سکیں۔ حضرت خالدؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن بھیجا تو فوج بھی ساتھ کر دی لیکن تاکید کی کہ بہ جبر پیش نہ آئیں۔ چنانچہ پورے چھ مہینے تک ان کی دعوت اسلام پر کسی نے توجہ نہیں کی اور وہ کچھ نہ کر سکے۔ حضرت خالدؓ سپہ سالار اور فاتح تھے، واعظ اور صاحبِ ارشاد نہ تھے۔ اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اب حضرت علیؓ کو بھیجا۔ انہوں نے قبائل کے سامنے جب اسلام کی تبلیغ کی تو دفعۃً ملک کا ملک مسلمان تھا۔

حضرت خالدؓ کو قبیلہ بنی جذیمہ کے پاس بھی اسی طرح دعوت اسلام کے لئے بھیجا تھا مگر جب اُنہوں نے کشت و خون کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ کھڑے ہو گئے اور قبلہ رخ دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا:

"خدایا میں خالدؓ کے فعل سے بری ہوں۔"

پھر حضرت علیؓ کو بھیجا۔ انہوں نے ایک ایک مقتول کا خون بہا ادا کیا یہاں تک کہ کتوں کا بھی۔

(اشاعت اسلام کی غرض سے جو مسلح جماعت اطراف ملک میں بھیجی جاتی تھی اس میں کبھی کبھی آپ ایک ایک فرد کا امتحان لیتے تھے ان میں جو صاحب سب سے زیادہ حافظِ قرآن ہوتے تھے ان کو اس کا امیر مقرر فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ نے ایک بار اس قسم کی فوج روانہ کرنی چاہی تو ایک ایک شخص سے قرآن پڑھوا کر سنا۔ ان لوگوں میں ایک کم سن نوجوان تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے۔ پوچھا، تمہیں کیا یاد ہے؟ انہوں نے کہا، مجھ کو سورۂ بقرہ اور فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم جاؤ ان سب کے امیر ہو۔)

۲۔۔۔ جو ممالک زیر اثر آتے تھے اور وہاں زکوٰۃ اور جزیہ کے وصول کرنے کے لئے عمال بھیجے جاتے تھے، وہ اکثر اس درجہ کے لوگ ہوتے تھے جن کا تقدس، زہد اور پاکیزگی مسلم ہوتی تھی اس کے ساتھ عالم اور واعظ بھی ہوتے تھے اور اس لئے وہ تحصیل مال کے ساتھ تبلیغ اسلام کی خدمت بھی انجام دے سکتے تھے۔ ان میں سے بعضوں کے نام حسب ذیل ہیں:-

نام	مقام	کیفیت
مہاجرؓ بن ابی امیہ	صنعاء یمن	حضرت ام سلمہؓ (زوجہ نبیؐ) کے بھائی تھے۔
زیادؓ بن لبید	حضرموت	یہ اُن صحابہ میں ہیں جو غزوۂ بدر میں شریک تھے۔
خالدؓ بن سعید	صنعاء یمن	سابقین اولین اور مہاجرین حبش میں ہیں۔ سب سے پہلے انہی نے کاغذات پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا۔
عدیؓ بن حاتم	قبیلہ طے (یمن)	مشہور صحابی ہیں۔ حاتم طائی ان ہی کا باپ تھا۔

Marfat.com

علاءؓ بن حضرمی	بحرین		
حضرت ابو موسیٰؓ اشعری	زبید و عدن	ان کی دعوتِ اسلام سے قریباً تمام لوگ مسلمان ہو گئے۔ مشہور صاحب علم صحابی ہیں۔	
حضرت معاذؓ بن جبل	جند		
جریرؓ بن عبداللہ بجلی	ذوالکلاع حمیری	جریرؓ مشہور صحابی ہیں۔ ذوالکلاع حمیری یمن کے	

سلاطین کے خاندان سے تھے۔ ایک موقع پر لاکھ آدمیوں نے ان کو سجدہ کیا تھا۔ جریرؓ کی دعوت پر یہ اسلام لائے تو اس کی خوشی میں چار ہزار غلام آزاد کیے۔

۳ ــــــ بعض لوگ خاص اشاعتِ اسلام کی غرض سے بھیجے جاتے تھے تفحص سے اس قسم کے دعاۃ کے نام حسب ذیل ہیں:۔

نام	مقامِ دعوت	نام	مقامِ دعوت
علیؓ بن ابی طالب	قبیلہ ہمدان و جذیمہ و مذحج	احنفؓ	قبیلہ سلیم
مغیرہؓ بن شعبہ	نجران	خالدؓ بن ولید	اطراف مکہ
وبرؓ بن نخیس	ابنائے فارس	عمروؓ بن العاص	عمان
محیصہؓ بن مسعود	فدک	مہاجرؓ بن ابی امیہ	بطرف حارث بن عبدکلال شہزادۂ یمن

۴ ــــــ رؤسائے قبائل بارگاہِ نبوت میں آکر مسلمان ہو جاتے تھے اور کچھ روز یہاں قیام کر کے اپنے اپنے قبائل میں دعوتِ اسلام کی غرض سے واپس جاتے تھے۔ ان اشخاص کے نام یہ ہیں:

نام	مقام	نام	مقام
طفیلؓ بن عمرو دوسی	قبیلہ دوس	ضمامؓ بن ثعلبہ	بنو سعد
عمروؓ بن مسعود	ثقیف	منقذؓ بن حیان	بحرین
عامرؓ بن شہر	ہمدان	ثمامہؓ بن اثال	اطراف نجد

Marfat.com

ان مبلغین اور دعاۃ کے اثر سے اسلام ہر جگہ تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔ فتح مکہ کے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، دعاۃ اطراف مکہ میں بھیج دیئے گئے تھے اور لوگ خوشی خوشی مسلمان ہوتے جاتے تھے۔

فتح مکہ کے تین مہینے کے بعد ذوالحجہ ۹ھ کے موسم حج میں اعلان براۃ ہوا۔ اس کے بعد بلا استثنار حجاز نے عام طور سے اسلام قبول کر لیا۔

حجاز سے باہر نبوت کے اکیس برس میں صرف قریش اور یہود کی مزاحمت سے اسلام نہ بڑھ سکا اور خال خال مسلمان ادھر اُدھر نظر آتے تھے۔ لیکن ان دیواروں کا ہٹنا تھا کہ تین برس ۸ ـ ۹ ـ ۱۰ھ میں اسلام کا اثر ایک طرف یمن، بحرین، یمامہ، عمان اور دوسری طرف عراق و شام کی حدود تک وسیع ہو گیا۔ یہ عرب کے وہ صوبے ہیں جہاں اسلام سے پہلے عربوں کی بڑی بڑی حکومتیں قائم تھیں اور اس وقت بھی وہ روم و فارس، دنیا کی دو عظیم الشان طاقتوں کے زیر سایہ تھیں۔ تاہم اسلام بغیر تلوار کی رفاقت کے صلح و امن کے سایہ میں اپنی آواز بلند کرتا چلا گیا اور ہر گوشہ سے لبیک کی صدائیں خود بخود آنے لگیں۔

یمن

ملک عرب کے تمام صوبوں میں یمن سب سے زیادہ زرخیز اور سیر حاصل ہے اور نہایت قدیم زمانہ سے تمدن و تجارت کا مرکز ہے۔ سبا اور حمیر کی عظیم الشان حکومتیں یہیں قائم ہوئی تھیں۔ ولادت نبویؐ سے تقریباً پچاس برس پہلے ۵۲۵ء میں حبشی عیسائیوں نے یمن پر قبضہ کر لیا تھا۔ ولادت نبویؐ کے چند سال بعد اہل ایران یہاں کے مالک بن گئے تھے۔ ان کی طرف سے یہاں ایک گورنر ہوتا تھا جو یمن پر حکومت کرتا تھا۔

یمن میں اسلام کی تحریک کے لئے متعدد دواعی موجود تھے۔ مثلاً اختلاف جنسیت کہ اہل یمن قحطانی تھے، داعیٔ اسلام اسماعیلی۔ اہل یمن کو اپنے قدیم جاہ و جلال اور تمدن و حکومت پر ناز تھا اور تمام عرب بجا طور پر ان کی پیش روی کو تسلیم کرتا تھا اور تمام عرب میں وہی حکومت کے مستحق سمجھے جاتے تھے۔ ملک میں جہاں کہیں باقاعدہ حکومت تھی وہ نسلاً اسی خاندان سے

ر ہوتی تھی۔ چنانچہ جب یمن سے قبیلہ کندہ کا وفد آیا ہے، جو یمن کا ایک شاہی خاندان تھا، تو
حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک عرب فرماں روا سمجھ کر رئیس وفد نے پوچھا کہ

■ یا رسول اللہ! کیا آپؐ اور ہم ہم خاندان نہیں ہیں؟"

آپؐ نے فرمایا:

"ہم نضر بن کنانہ کے خاندان سے ہیں۔ نہ اپنی ماں پر تہمت رکھ سکتے ہیں اور نہ اپنے
باپ سے انکار کرسکتے ہیں۔"

یمن میں اشاعتِ اسلام کا سب سے بڑا عائق یہ ہو سکتا تھا کہ وہ پولٹیکل حیثیت سے
ایرانیوں کے ماتحت تھا اور باشندے مذہباً علی العموم یہودی یا عیسائی تھے لیکن قبولِ حق
کے لئے کوئی چیز ان میں سے مانع نہ آئی۔

یمن میں اسلام کی دعوت ہجرت سے بہت پہلے پہنچ چکی تھی۔ یمن میں دوس ایک ممتاز
قبیلہ تھا۔ اس قبیلہ کا رئیس طفیلؓ بن عمرو اتفاق سے مکہ آیا اور مسلمان ہو گیا۔ اسی زمانہ میں کندہ
کا قبیلہ حج کے لئے مکہ آیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلام کی دعوت دی لیکن
انہوں نے انکار کیا۔ ۷ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خیبر میں تشریف فرما تھے۔ دوس کا قبیلہ
مسلمان ہو کر دار الاسلام میں منتقل ہو گیا۔ یمن کا ایک مشہور قبیلہ اشعر تھا۔ وہ بھی مہاجرین حبشہ کی
معیت میں اسی زمانہ میں بلا تحریک خود بخود اسلام لایا اور آستانہ نبوتؐ پر حاضر ہوا۔ ابوہریرہؓ
دوسی اور ابوموسیٰؓ اشعری ان ہی قبائل کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر
ہوئے تھے۔

یمن میں ہمدان سب سے بڑا کثیر التعداد اور صاحبِ اثر خاندان تھا۔ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے ۸ھ کے آخر میں ان کو دعوتِ اسلام دینے کے لئے حضرت خالدؓ کو بھیجا۔ خالدؓ
چھ مہینے تک ان کو اسلام کی دعوت دیتے رہے لیکن ان لوگوں نے قبول نہیں کیا۔ بالآخر آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے خالدؓ کو بلا لیا اور حضرت علیؓ کو بھیجا۔ حضرت علیؓ نے ان لوگوں کو جمع کر
کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک پڑھ کر سنایا اور ساتھ ہی سارے کا سارا قبیلہ مسلمان
تھا۔ حضرت علیؓ نے جب اس واقعہ کی اطلاع بارگاہِ رسالت میں دی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

نے سجدہ کیا اور سر اٹھا کر دو دفعہ فرمایا السلام علی ھمدان۔

(بعض روایتوں میں ہے کہ ہمدان نے جب اسلام کا غلغلہ سنا تو عامر بن شہر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا کہ یہ مذہب اگر تم کو پسند آئے تو ہم سب اس کے قبول کے لئے تیار ہیں اور اگر ناپسندیدہ ٹھہرے تب بھی ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ عامر بن شہر جب دربارِ رسالت سے واپس آیا تو اس کا دل نورِ اسلام سے معمور تھا اور ساتھ ہی سارا قبیلہ بھی مسلمان تھا۔ ممکن ہے کہ یہ دونوں واقعے ہوں اور دونوں کی کوشش سے یہ کامیابی حاصل ہوئی ہو۔)

یمن میں لوگ حضرت علیؓ سے مانوس ہو گئے تھے۔ ربیع الاول ۱۰ھ میں تین سو سواروں کی حفاظت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ان کو یمن کے قبیلہ مذحج میں تبلیغ اسلام کے لئے نامزد فرمایا اور ساتھ ہی یہ تاکید فرما دی کہ جب تک وہ حملہ آور نہ ہوں پیش دستی نہ کرنا۔ حضرت علیؓ جب مذحج کی سرزمین میں پہنچے تو مال گزاری وصول کرنے کے لئے ادھر اُدھر لوگوں کو متعین کیا۔ اسی اثنا میں قبیلہ مذحج کی ایک جمعیت نظر آئی۔ حضرت علیؓ نے ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی لیکن اُدھر سے اس احسان کا جواب تیر اور پتھروں کی زبان سے ملا۔ یہ دیکھ کر حضرت علیؓ نے بھی اپنے ساتھیوں کی صف آرائی کی۔ مذحج اپنے بیس آدمی مقتول چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب نہ کیا کہ ان کا مقصود صرف مدافعت تھا۔ اس کے بعد رؤسائے قبیلہ خود حاضر ہوئے اور انہوں نے اسلام قبول کیا اور دوسروں کی طرف سے نیابتاً اسلام کا اعلان کیا۔

یمن میں فارس کے جو رؤسا قیام پذیر ہو گئے تھے ان کو ابناء کہتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۰ھ میں وبر بن یحنس کو ان کے پاس دعوت اسلام کے لئے بھیجا۔ وہ نعمان بن بزرج (بزرگ) کے گھران کے مہمان ہوئے اور فیروز دیلمی، مرکبود، وہب بن منبہ کے پاس دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے۔ سب نے اسلام قبول کیا۔ صنعاء میں سب سے پہلے جس نے قرآن مجید حفظ کیا وہ مرکبود کے صاحب زادے عطاء اور وہب بن منبہ تھے۔

عام یمن میں تبلیغ اسلام کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل اور ابو موسیٰ

اشعری کو نامزد فرمایا اور دونوں صاحب یمن کے ایک ایک ضلع میں بھیجے گئے۔ چلتے وقت آپؐ نے ان لوگوں کو جو باتیں تعلیم فرمائیں وہ درحقیقت اسلامی تبلیغ کے اصول ہیں۔ آپؐ نے فرمایا:

"سہولت سے کام کرنا، سختی گیری نہ کرنا، لوگوں کو خوش خبری سنانا نفرت نہ دلانا، دونوں مل کر کام کرنا، تم کو ایسے لوگ ملیں گے جو پہلے سے کوئی مذہب رکھتے ہیں۔ جب ان کے یہاں پہنچنا تو پہلے ان کو توحید اور رسالت کی دعوت دینا۔ جب وہ اس کو تسلیم کریں تو کہنا کہ خدا نے تم پر روز و شب میں پانچ وقت کی نماز بھی فرض کی ہے۔ جب یہ بھی مان لیں تو ان کو سمجھانا کہ تم پر زکوٰۃ بھی واجب ہے۔ تم میں جو امیر ہوں اُن سے لے کر جو غریب ہیں ان کو دے دی جائے گی۔ دیکھو جب وہ زکوٰۃ دینا منظور کرلیں تو چُن کر اچھی اچھی چیزیں نہ لے لینا۔ مظلوموں کی بددعا سے ڈرتے رہنا کہ اُس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں۔"

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے پوچھا:

"یا نبیؐ اللہ! ہمارے ملک یمن میں جَو اور شہد کی شراب بنتی ہے۔ کیا یہ بھی حرام ہے؟"

آپؐ نے فرمایا:

"ہر شے جو نشہ کرے حرام ہے۔"

نجران

یمن کے پاس ہی نجران کا ضلع ہے۔ نجران عرب میں عیسائیت کا خاص مرکز تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مغیرہؓ بن شعبہ کو جو صلح حدیبیہ سے پہلے اسلام لاچکے تھے دعوتِ اسلام کے لئے نجران بھیجا۔ عیسائیوں نے قرآن پر اعتراضات شروع کئے۔ یہ جواب نہ دے سکے اور واپس چلے آئے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام کا ان کو خط بھیجا جس میں تحریر تھا کہ اگر اسلام قبول نہ ہو تو اسلام کی اطاعت قبول کرو اور جزیہ دو۔ اہل نجران نے راہبوں اور مذہبی پیشواؤں کی ایک جماعت کو دریافت حال کے لئے مدینہ بھیجا اس وفد کا تفصیلی بیان آگے آئے گا۔

نصاریٰ کے علاوہ نجران میں مشرکین کی بھی کچھ آبادی تھی۔ ان میں ایک قبیلہ بنو حارث

ابن زیاد تھا جو مدان نام ایک بت کو پوجتا تھا اور اس لئے عبدالمدان کے نام سے مشہور تھا
سنہ ۱۰ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالدؓ بن ولید کو وہاں دعوت اسلام کے لئے بھیجا
حضرت خالدؓ وہاں پہنچے تو سارا قبیلہ مسلمان ہوگیا۔ حضرت خالدؓ نے یہاں تھوڑے دن قیام
کیا اور قرآن اور احکام اسلام کی تعلیم دی۔

بحرین ۸ھ

بحرین ایران کی حدود حکومت میں داخل تھا۔ عرب کے قبائل وادیوں میں آباد تھے
میں مشہور اور با اثر خاندان عبدالقیس، بکر بن وائل اور تمیم تھے۔ ان میں سے عبدالقیس کے
میں منقذ بن حبان تجارت کے لئے نکلے۔ راہ میں مدینہ پڑتا تھا۔ وہاں ٹھہرے۔ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو اُن کے پاس تشریف لے گئے اور اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے
قبول کیا اور سورۂ فاتحہ اور اقرا سیکھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو ایک فرمان عنایت
کیا۔ وہ سفر سے واپس گئے تو چند روز تک کسی سے اس کا اظہار نہیں کیا لیکن اُن کی بیوی نے
نماز پڑھتے دیکھا تو اپنے باپ منذر بن عائذ سے شکایت کی۔ انہوں نے منقذ سے دریافت
کیا۔ بحث مباحثہ کے بعد منذر بھی مسلمان ہوگئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک
کو سنایا۔ سب نے اسلام قبول کر لیا۔

صحیح بخاری کتاب الجمعہ میں روایت ہے کہ مسجد نبویؐ کے بعد سب سے پہلا جمعہ
مسجد میں ادا کیا گیا وہ بحرین کی مسجد تھی جو جواثی میں واقع ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ
بحرین میں ابتدائی زمانہ میں اسلام کی اشاعت ہو چکی تھی۔

اسلام قبول کرنے کے بعد ان لوگوں نے چودہ شخصوں کی ایک سفارت آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجی جس کے افسر منذر بن الحارث تھے۔ ان کا قافلہ کاشانۂ نبوت کے
قریب آیا تو یہ لوگ اس قدر بیتاب ہوئے کہ سواریوں سے کود پڑے اور آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے ہاتھ چومے۔ لیکن منذر کو پاس ادب ملحوظ تھا۔ انہوں نے قیام گاہ پر جا
کپڑے بدلے۔ پھر خدمت میں حاضر ہو کر دست بوسی کی۔

شہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علا حضرمی کو تبلیغ اسلام کے لئے بحرین بھیجا۔ اس زمانہ میں یہاں ایران کی طرف سے منذر بن ساوی گورنر تھا۔ اس نے اسلام قبول کیا اور اس کے ساتھ تمام عرب اور کچھ عجم جو یہاں مقیم تھے مسلمان ہو گئے۔

بحرین کے علاقہ میں "ہجر" ایک مقام ہے۔ یہاں ایران کی طرف سے سیلخ بخت حاکم تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے نام بھی خط بھیجا تھا اور اس نے بھی اسلام قبول کیا۔

عمان شہ

اس شہر پر قبیلہ ازد کا قبضہ تھا اور عبید و جعفر یہاں کے رئیس تھے۔ شہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوزید انصاری کو جو حافظ قرآن تھے اور عمرو بن العاص کو دعوت اسلام کا خط دے کر بھیجا۔ دونوں رئیسوں نے اسلام قبول کیا اور وہاں کے تمام عرب ان کی ترغیب سے اسلام لائے۔

عرب شام ۹ھ

شام کے اطراف میں جو عرب آباد تھے، ان میں متعدد ریاستیں تھیں۔ ان میں سے معان اور اس کے اضلاع فروۃ بن عمرو کے زیر حکومت تھے لیکن خود فروۃ رومی سلطنت کی طرف سے گویا گورنر تھے۔ انہوں نے اسلام سے واقفیت پیدا کی تو مسلمان ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اظہار اسلام کے ساتھ ایک خچر ہدیہ کے طور پر بھیجا۔ عیسائی رومیوں کو ان کے اسلام کا حال معلوم ہوا تو ان کو گرفتار کر کے سولی دے دی۔

شام اور عرب کے درمیان عذرا، بلی، جذام وغیرہ قبائل آباد تھے۔ قبیلہ بلی میں حضرت عمروؓ بن العاص کا ننھیال تھا۔ اس لئے ایک جماعت کے ساتھ ان اطراف میں بھیجے گئے۔ جب وہ جذام کے تالاب پر پہنچے، تو ان کو حملہ کا خوف ہوا۔ دربار نبوت میں اطلاع کی۔ وہاں سے حضرت ابوعبیدہؓ کی ماتحتی میں بغرض حفاظت کچھ فوج بھیج دی گئی۔ ان کو

اہل سیر کی اصطلاح میں غزوۂ ذات السلاسل کہتے ہیں۔

Marfat.com

وفودِ عربُ

مزینہ ——— بنو تمیم ———

بنو سعد ——— اشعریین سنہ ھ ———

دوس سنہ ھ ——— بنو حرث بن کعب سنہ ۹ھ

قبیلہ طے سنہ ۹ھ ——— عدی بن حاتم سنہ ۹ھ۔

وفد ثقیف ——— وفد نجران سنہ ۹ھ ———

بنو اسد سنہ ۹ھ ——— بنو فزارہ سنہ ۹ھ ———

کندہ سنہ ۱۰ھ ——— عبد القیس ———

بنو عامر سنہ ۹ھ ——— حمیر وغیرہ کی سفارت۔

Marfat.com

جن لوگوں نے مبلغین اسلام کی دعوت قبول کر لینے کے بعد خود بارگاہِ نبوت میں جاکر اسلام کا اعلان کرنا چاہا، ارباب سیرؒ وفود کے عنوان سے ان کا ذکر کرتے ہیں۔ اس قسم کے وفود کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

اصل یہ ہے کہ تمام عرب مکہؔ کے فیصلہ اخیر کا انتظار کر رہا تھا۔ مکہ فتح ہو چکا تو یہ انتظار جاتا رہا۔ اب ہر قبیلے نے چاہا کہ خود دارالاسلام میں جاکر کوئی فیصلہ کرے۔ اہل عرب کو یہ بات تو معلوم ہو چکی تھی کہ اب وہ اسلام کے مقابلہ میں سرکشی نہیں کر سکتے لیکن خیبر وغیرہ کی نظیروں سے یہ بھی جانتے تھے کہ اسلام لانے پر وہ مجبور نہیں ہیں بلکہ جزیہ یا کسی اور طریقہ سے صلح کرکے ان کی سابق حالت قائم رہ سکتی ہے۔ فتح مکہ کے ساتھ ہی ہر طرف سے سفارتیں آنی شروع ہو گئیں اور بجز چند کے باقی جس قدر سفارتیں آئیں انہوں نے بارگاہِ نبوت میں پہنچ کر جو کچھ دیکھا کہ واپس آئے تو ایمان کی دولت سے مالا مال آئے۔

عرب کے سب سے طاقتور قبیلے جن کا اثر دُور تک پھیلا ہوا تھا، بنو تمیم، بنو سعد، بنو حنیفہ، بنو اسد، کندہ، سلاطین حمیر، ہمدان، ازد اور طے تھے۔ ان تمام قبائل کی سفارتیں دربارِ نبوت میں آئیں۔ ان میں سے بعض ملکی حیثیت رکھتی تھیں یعنی جن کا مقصد صرف یہ تھا کہ بحیثیت فاتح کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ کر لیں لیکن اکثر اس غرض سے آئیں کہ اسلام کی حقیقت سے مطلع ہو کر اس کے حلقہ میں آجائیں۔

یہ وفود زیادہ تر فتح مکہ کے بعد ۸ھ و ۹ھ اور ۱۰ھ میں آئے لیکن تسلسل بیان کے لئے اس سے پہلے کے چند وفود کا تذکرہ کرنا بھی موزوں ہوگا۔

Marfat.com

مزنیہ

یہ ایک بڑا قبیلہ تھا جو مضر تک پہنچ کر قریش کے خاندان سے مل جاتا تھا۔ نعمانؓ بن مقرن مشہور صحابی جو فتح مکہ میں قبیلہ مزنیہ کے علمبردار تھے اسی قبیلہ سے تھے۔ اصفہان ان ہی نے فتح کیا تھا۔ ۵ھ میں اس قبیلہ کے چار سو شخص قبیلہ کے سفیر بن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور اسلام لائے۔

بنو تمیم

بنو تمیم کے وفود بڑی شان و شوکت سے آئے۔ قبیلہ کے تمام بڑے بڑے رؤسا مثلاً اقرع بن حابس، زبرقان، عمرو بن الاہتم، نعیم بن یزید سب اس سفارت میں شامل تھے۔ عیینہ بن حصن فزاری جو مدینہ کے حدود تک حملہ آور ہوا کرتا تھا وہ بھی ساتھ تھا۔

یہ لوگ اگرچہ اسلام قبول کرنے کی غرض سے آئے تھے تاہم عربی فخر و غرور کا نشہ ابھی اب بھی باقی تھا۔ دربار نبوت یعنی مسجد نبویؐ میں پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ آستانہ اقدس پر جا کر پکارے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) باہر آؤ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو بولے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم اس لئے آئے ہیں کہ تم سے مفاخرہ کریں۔ آپؐ نے اجازت دی۔ عطارد ابن حاجب جو مشہور خطیب تھا اور جس نے نوشیرواں کے دربار سے حسن تقریر کے سلسلہ میں کمخواب کا خلعت حاصل کیا تھا اٹھا اور اپنی قوم کے مفاخر پر ایک پُر زور تقریر کی، جس کا خلاصہ یہ ہے:-

"خدا کا شکر ہے جس کے الطاف کی بدولت ہم صاحب تاج و تخت، خزانہ ہائے گراں بہا کے مالک اور مشرق میں تمام قوموں سے معزز تر ہیں۔ ہماری برابری آج کون کر سکتا ہے۔ ہماری ہمسری کا جس کو دعویٰ ہو وہ یہ خصائص اور اوصاف گنائے جو ہم نے گنائے ہیں۔"

عطارد خطبہ دے کر بیٹھ گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابتؓ بن قیس کو جواب دینے

Marfat.com

کا اشارہ کیا۔ انہوں نے جو تقریر کی اُس کا ماحصل یہ تھا:۔
"اُس کی تعریف جس نے زمین و آسمان بنائے۔ اُس نے ہم کو بادشاہت دی اور اپنے بندوں میں سے بہترین شخص کا انتخاب کیا جو سب سے زیادہ شریف النسب، سب سے زیادہ راست گفتار، سب سے زیادہ شریف الاخلاق تھا۔ وہ تمام عالم کا انتخاب تھا۔ اس لئے خدا نے اُس پر کتاب نازل کی۔ اُس نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو سب سے پہلے مہاجرین اور ان کے بعد ہم (انصار) نے دعوتِ اسلام پر لبیک کہا۔ ہم لوگ انصارِ الٰہی اور وزرائے رسالت ہیں"۔
تقریریں ہو چکیں تو اشعار کی باری آئی۔ سفارت کی طرف سے تمیم کے مشہور شاعر زبرقان ابن بدر نے قصیدہ پڑھا ؎

نحن الکرام فلا حی یعادلنا　　　منا الملوک وفینا تنصب البیع

ہم شرفائے قوم ہیں۔ کوئی قبیلہ ہمارا ہمسر نہیں ہو سکتا۔ ہم میں تخت نشین ہیں اور ہم کلیساؤں کے بانی ہیں۔
روایتوں میں آیا ہے کہ ایک شخص نے مدینہ میں آکر خطبہ دیا تو اُس کی خوبیٔ تقریر نے تمام حاضرین کو حیرت زدہ بنا دیا۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔
ان من بیان لسحرا۔　　　یعنی بعض بعض تقریریں میں جادو ہوتا ہے۔
اصابہ فی احوال الصحابہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زبرقان ہی کی تقریر پر یہ الفاظ ارشاد فرمائے تھے۔ غرض جب زبرقان تقریر کر چکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دربارِ رسالت کے شاعر یعنی حسانؓ بن ثابت کی طرف دیکھا۔ انہوں نے برجستہ کہا ؎

ان الذوائب من فہر واخوانہم　　　قد بینوا سنۃ للناس تتبع

شرفائے قبیلہ فہر و برادرانِ فہر نے لوگوں کو وہ راستہ بتا دیا ہے جس کی وہ پیروی کرتے ہیں۔
ارکانِ سفارت میں اقرع بن حابس عرب کا مشہور حکم تھا یعنی قومی مقدمات کا مرافعہ اس کے پاس جاتا تھا اور اس کے فیصلوں پر لوگ گردن جھکا دیتے تھے۔ اسلام لانے سے

Marfat.com

پہلے مجوسی تھا۔ اس کا دعویٰ یہ تھا کہ جب سفارت کے ساتھ دربارِ رسالت میں آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:۔

ان حمدی لزین وان ذمی لشین۔ — میں جس کی تعریف کر دوں وہ چمک جاتا ہے اور جس کو بُرا کہہ دوں اُس کو داغ لگ جاتا ہے۔

نظم و نثر کی معرکہ آرائی ہو چکی تو سفارت نے اعتراف کیا کہ دربارِ رسالت کے خطیب اور شاعر دونوں ہمارے شاعر اور خطیب سے افضل ہیں۔ پھر سب نے اسلام قبول کیا۔

بنو سعد

بنو سعد نے ضمام بن ثعلبہ کو سفیر بنا کر بھیجا۔ وہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں آئے اور جس طریقہ سے سفارت ادا کی اُس سے عرب کی اصلی سادگی اور آزادروی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ صحیح بخاری میں متعدد موقعوں پر اس کا ذکر ہے۔ کتاب العلم کی روایت حسب ذیل ہے:۔

حضرت انسؓ بن مالک کہتے ہیں کہ ہم لوگ دربارِ رسالت میں حاضر تھے۔ ایک شخص ناقہ پر سوار آیا اور صحنِ مسجد میں آ کر ناقہ سے اُترا۔ پھر حاضرین سے پوچھا "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کس کا نام ہے؟" لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کر کے کہا "یہ گورے رنگ کے جو تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔" پاس آ کر کہا "اے عبدالمطلب کے بیٹے!" آپؐ نے فرمایا "میں جواب دے چکا۔" بولا کہ "میں تم سے کچھ باتیں پوچھوں گا لیکن سختی سے پوچھوں گا، اس پر ناراض نہ ہونا۔" ارشاد ہوا کہ "جو کچھ پوچھنا ہو پوچھو۔" بولا کہ "اپنے خدا کی قسم کھا کر کہو، کیا خدا نے تم کو تمام دنیا کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے؟" آپؐ نے فرمایا "ہاں!" پھر قسم دلا کر پوچھا کہ "کیا تم کو خدا نے پنج وقتہ نماز کا حکم دیا ہے؟" اسی طرح زکوٰۃ، روزہ، حج کی نسبت پوچھا اور آپؐ برابر "ہاں" فرماتے جاتے تھے۔ جب سب احکام سُن لئے تو کہا کہ "میرا نام ضمام بن ثعلبہ ہے۔ اور مجھ کو میری قوم نے بھیجا ہے۔ میں جاتا ہوں اور جو تم نے بتایا ہے میں اُس سے ایک

Marfat.com

ذرّہ نہ زیادہ کروں گا نہ کم۔" وہ جا چکا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ "اگر یہ سچ کہتا ہے تو اس نے فلاح پائی۔"

ضمام نے واپس جا کر اپنی قوم سے کہا کہ "لات و عزیٰ کوئی چیز نہیں۔" لوگوں نے کہا "کیا کہتے ہو۔ تم کو جنون یا جذام نہ ہو جائے۔" انہوں نے کہا "خدا کی قسم! وہ نہ کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں نہ ضرر۔ میں تو خدا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا ہوں۔" اُن کی مختصر تقریر کا یہ اثر تھا کہ شام نہیں ہونے پائی تھی کہ قبیلہ کا قبیلہ زن و مرد و بچے سب مسلمان تھے۔

اشعریین ۷ھ

یمن کا ایک نہایت معزز قبیلہ اشعریین کا تھا۔ ابو موسیٰ اشعری اسی قبیلہ سے ہیں۔ ان لوگوں نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر سنی تو ترپن شخصوں نے مدینہ کی ہجرت کا قصد کیا۔ اسی قافلہ میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بھی تھے۔ یہ لوگ جہاز میں سوار ہو کر چلے لیکن ہوائے مخالف نے جہاز کو حبش میں پہنچا دیا۔ وہاں حضرت جعفرؓ طیار موجود تھے۔ اپنے ساتھ لے کر عرب کو روانہ ہوئے۔ اس زمانہ میں خیبر فتح ہو چکا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہیں تشریف فرما تھے۔ چنانچہ یہیں ان لوگوں نے شرف باریابی حاصل کیا۔ بارگاہ نبوتؐ میں پہنچے تو عرض کی "یا رسولؐ اللہ! ہم اس لئے حاضر ہوئے ہیں کہ اپنے مذہب کے کچھ احکام سیکھیں اور ابتدائے کائنات کے کچھ حالات پوچھیں۔"

آپؐ نے فرمایا "پہلے خدا تھا اور کچھ نہ تھا۔ اُس کا تخت پانی پر تھا۔"

دوس ۷ھ

دوس عرب کا ایک مشہور قبیلہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ اسی قبیلہ سے ہیں۔ اس قبیلہ کے مشہور شاعر اور رئیس طفیلؓ بن عمرو تھے۔ وہ ہجرت سے پہلے مکہ گئے۔ قریش نے ان کو منع کیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ جائیں۔ لیکن ایک دفعہ اتفاقاً یہ حرم میں گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔ قرآن مجید سن کر متاثر ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ آپ مجھ کو اسلام کی حقیقت سمجھائیں۔ آپؐ نے اسلام کی تبلیغ کی اور قرآن کی آیتیں سنائیں۔ وہ نہایت خلوص سے اسلام لائے۔ وطن جا کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ لیکن اُن کے قبیلہ میں زنا کا بہت رواج تھا۔ لوگ سمجھے کہ اسلام کے بعد اس آزادی سے محروم ہو جائیں گے۔ اس لئے لوگوں نے تامّل کیا۔ طفیلؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر یہ حقیقت بیان کی۔ آپؐ نے دُعا فرمائی کہ

"خدایا دوس کو ہدایت دے۔"

پھر طفیلؓ سے ارشاد فرمایا کہ جا کر نرمی اور ملاطفت سے لوگوں کو اسلام کی دعوت دو۔ غرض دعائے نبویؐ کی برکت اور طفیلؓ کی ترغیب اور ہدایت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا اور اسیّ خاندان جن میں حضرت ابوہریرہؓ بھی تھے، ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے۔

بنو حرث بن کعب ۹ھ

یہ نجران کا ایک نہایت معزز خاندان تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ کو اُن کے پاس دعوتِ اسلام کے لئے بھیجا۔ یہ لوگ نہایت خلوص کے ساتھ اسلام لائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو مدینہ میں بلا بھیجا۔ چنانچہ قیس بن الحصین و یزید بن عبد المدان وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ چونکہ اکثر معرکوں میں قبائل عرب پر غالب رہے تھے، آپؐ نے اُن سے پوچھا کہ تمہارے غلبہ کے اسباب کیا تھے۔ بولے ہم ہمیشہ متفق ہو کر لڑتے تھے اور کسی پر ظلم نہیں کرتے تھے۔ آپؐ نے قیس کو ان کا رئیس مقرر کیا۔

قبیلہ طے ۹ھ

یمن میں طے نہایت نامور قبیلہ تھا۔ اس قبیلہ کے رؤسا زید الخیل و عدی بن حاتم طائی تھے اور ان کے حدود حکومت الگ تھے۔

زید زمانہ جاہلیت کے مشہور شاعر، خطیب، خوش جمال، فیاض اور بہادر تھے۔ ۹ھ میں یہ چند معزز اشخاص کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے

ان کو اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے مع اپنے ساتھیوں کے نہایت صدق دل سے اسلام قبول کیا۔ شہسواری کی وجہ سے یہ زید الخیل کے لقب سے مشہور تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لقب کو زید الخیر سے بدل دیا۔

عدیؓ بن حاتم ۹ھ

عدیؓ مشہور حاتم طائی کے بیٹے اور قبیلہ طے کے سردار اور مذہبًا عیسائی تھے۔ سلاطین عرب کی طرح ان کو بھی آمدنی کا چوتھا حصہ ملتا تھا۔ جس زمانہ میں اسلامی فوجیں یمن گئیں، یہ بھاگ کر شام چلے گئے۔ ان کی بہن گرفتار ہو کر مدینہ میں آئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بڑی عزت و حرمت سے رخصت کیا۔ وہ اپنے بھائی کے پاس گئیں اور کہا کہ جس قدر جلد ہو سکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں۔ وہ پیغمبر ہوں یا بادشاہ ہر حال میں اُن کے پاس جانا مفید ہے۔ غرض عدی مدینہ آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تھے۔ عدی نے مسجد میں جا کر سلام کیا۔ آپؐ نے جواب سلام کے بعد نام پوچھا۔ پھر ان کو لے کر گھر کی طرف چلے۔ اسی اثنا میں ایک بڑھیا آگئی۔ اُس نے آپؐ کو روک لیا اور دیر تک آپؐ سے کسی کام کے متعلق باتیں کرتی رہی۔ عدی خود رئیس تھے۔ شام میں رومیوں کا دربار دیکھا تھا۔ ان کو حیرت ہوئی کہ شہنشاہ عرب ایک بڑھیا کے ساتھ اس مساوات سے پیش آتا ہے۔ اسی وقت ان کو خیال ہوا کہ یہ شخص بادشاہ نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے۔ چمڑے کا ایک گدا تھا۔ اس کو عدی کی طرف بڑھایا۔ اصرار کے بعد اس پر بیٹھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیوں عدی! تم اپنی قوم سے رباع (چوتھ) لیتے تھے لیکن یہ تو تمہارے مذہب نصرانیت میں جائز نہیں ہے۔"

پھر فرمایا کہ "خدا کے سوا کوئی اور خدا ہے؟" بولے "نہیں!" پھر پوچھا "خدا سے کوئی بڑا ہے؟" بولے کہ "نہیں!" آپؐ نے فرمایا کہ یہودیوں پر خدا کا غضب نازل ہوا ہے اور عیسائی گمراہ ہو گئے ہیں۔

غرض عدیؓ نے اسلام قبول کیا اور اس قدر ثابت قدم رہے کہ ردّہ کے زمانہ میں بھی

Marfat.com

ان پر کچھ اثر نہیں پڑا۔

باپ کی سخاوت کا اثر ان پر بھی تھا۔ ایک دفعہ ایک شخص نے ان سے سو روپے طلب کئے۔ بولے کہ تم حاتم کے بیٹے سے اس قدر حقیر رقم مانگتے ہو۔ بخدا ہرگز نہ دوں گا۔

وفد ثقیف

یاد ہوگا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طائف کا محاصرہ چھوڑ کر روانہ ہونے لگے تو صحابہؓ نے عرض کی تھی کہ آپ ان کے حق میں بددعا فرمائیں۔ آپ نے جن لفظوں میں دعا فرمائی تھی یہ تھے۔

اَللّٰھُمَّ اھْدِ ثَقِیْفًا وَایْتِ بِھِمْ ۔ اے خدا ثقیف کو ہدایت دے اور ان کو میرے پاس بھیج۔

یہ دعا کرشمہ ربانی کا ایک اعجاز تھی۔ وہ قبیلہ جو تلوار سے زیر نہ ہوا صداقت کے جلال نے آستانہ اسلام پر اس کی گردن جھکا دی۔

طائف دو رئیسوں کے قبضہ میں تھا جن میں ایک عروہ بن مسعود تھے جن کی نسبت کفار مکہ کہا کرتے تھے کہ کلام الٰہی اترتا تو ان پر اترتا۔ حدیبیہ کی صلح بھی ان ہی کی سفارت سے انجام پائی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب طائف سے واپس چلے تو خدا نے ان کو اسلام کی توفیق دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ نہیں پہنچنے پائے تھے کہ وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اسلام لاکر واپس گئے۔ واپس جاکر انہوں نے اسلام کا اظہار کیا اور لوگوں کو اسلام کی ترغیب دی۔ لوگوں نے ان کو بہت برا بھلا کہا۔ صبح کو جب اپنے بالاخانہ پر اذان دی تو ہر طرف سے تیروں کا مینہ برسا۔ یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے۔ مرتے وقت وصیت کی کہ محاصرہ طائف میں جو مسلمان شہید ہو چکے ہیں ان ہی کے پہلو میں دفن کئے جائیں۔

عروہ کا خون رائیگاں نہیں جا سکتا تھا۔ صخر بن عیلہ رئیس احمس یہ سن کر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طائف کا محاصرہ کئے ہوئے ہیں کچھ سوارے کر چل کھڑا ہوا تھا۔ اتفاق سے اس وقت پہنچا جب آپ طائف چھوڑ کر مدینہ کی طرف مراجعت فرما چکے تھے۔ صخر نے عہد کیا کہ جب تک اہل طائف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت قبول نہ کرلیں گے میں قلعہ کا محاصرہ نہ چھوڑوں گا

آخر اہل طائف نے اطاعت قبول کر لی ۔ صخرؓ نے خدمت نبویؐ میں اطلاع کی تو آپؐ نے مسجد نبوی میں تمام لوگوں کو جمع کیا اور احمس کے لئے دس بار دُعا فرمائی ۔ چند روز کے بعد اہل طائف نے باہم مشورہ کیا کہ تمام عرب اسلام لا چکا ۔ اب ہم اکیلے کیا کر سکتے ہیں ۔ غرض یہ رائے قرار پائی کہ چند سفیر مقرر کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجے جائیں ۔

ان کی سفارت نے مدینہ کا رُخ کیا تو مسلمانوں کو اس قدر مسرت ہوئی کہ سب سے پہلے مغیرہؓ بن شعبہ دوڑے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جا کر خبر کریں ۔ راہ میں حضرت ابو بکرؓ مل گئے ان کو معلوم ہوا تو مغیرہؓ کو قسم دلائی کہ یہ خوش خبری مجھ کو پہنچانے دو ۔

مغیرہؓ نے ان لوگوں کو تعلیم دی کہ دربار رسالت میں جانا تو اس طریقہ سے سلام عرض کرنا لیکن یہ لوگ اسی قدیم دستور کے موافق آداب بجا لائے ۔

عبد یالیل طائف کا مشہور رئیس امیر الوفد تھا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو (حالانکہ اب تک وہ کافر تھا) مسجد نبوی میں اتارا (کہ مسلمانوں کی محویت اور استغراق دیکھ کر متاثر ہو) یہ لوگ صحن مسجد میں خیمے نصب کرا کر ٹھہرائے گئے ۔ نماز اور خطبہ کے وقت یہ لوگ موجود رہتے تھے گو خود شریک نہیں ہوتے تھے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ خطبہ میں اپنا نام نہیں لیتے تھے ۔ ان لوگوں نے آپس میں تذکرہ کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم سے تو اپنی پیغمبری کا اقرار لیتے ہیں لیکن خطبہ میں خود اپنی پیغمبری کا اقرار نہیں کرتے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا کہ "میں سب سے پہلے شہادت دیتا ہوں کہ میں فرستادۂ الٰہی ہوں"

جماعت سفراء میں عثمان بن ابی العاص سب سے کم عمر تھے ۔ سفراء دربار نبویؐ میں آتے تو اُن کو بچہ سمجھ کر قیام گاہ میں چھوڑ آتے ۔ عثمان گو کم سن تھے لیکن سب سے زیادہ تیز فہم اور مائل تحقیق تھے ۔ ان کا معمول تھا کہ جب سفراء دن کو قیلولہ کرتے تو یہ چپکے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور قرآن مجید اور مسائل اسلام سیکھتے ۔ یہاں تک کہ اکثر ضروری مسائل سیکھ لئے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ان لوگوں کو اسلام کی تبلیغ کرتے ۔ نماز عشاء کے بعد ان کے پاس تشریف لے جاتے اور کھڑے کھڑے ان سے باتیں کرتے ۔ زیادہ تر مکہ میں قریش کے

Marfat.com

ہاتھ سے جو اذیتیں اٹھائی تھیں اُن کو بیان فرماتے۔ مدینہ میں جو لڑائیاں پیش آئیں اُن کا بھی تذکرہ فرماتے۔ بالآخران لوگوں نے اسلام پر آمادگی ظاہر کی لیکن یہ شرطیں پیش کیں۔

۱ ــــ زنا ہمارے لئے جائز رکھا جائے کیونکہ ہم میں سے اکثر مجرد رہتے ہیں اور اس لئے ان کو اس سے چارہ نہیں۔

۲ ــــ ہماری قوم کا تمام کاروبار اور ذریعہ معاش سود ہے۔ اس لئے سود خواری جائز رکھی جائے۔

۳ ــــ شراب سے نہ روکا جائے۔ ہمارے شہر میں کثرت سے انگور پیدا ہوتا ہے اور یہ ہماری بڑی تجارت ہے۔

لیکن یہ تینوں درخواستیں نامنظور ہوئیں۔ بالآخران لوگوں نے کہا، اچھا ہم یہ شرطیں واپس لیتے ہیں لیکن ہمارے معبود (طائف کا سب سے بڑا بُت جس کا نام لات تھا) کی نسبت کیا ارشاد ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ وہ توڑ دیا جائے گا۔ یہ سُن کر اُن کو سخت حیرت ہوئی کہ کیا کوئی شخص ان کے خدائے اعظم کو بھی ہاتھ لگا سکتا ہے؟ بولے کہ اگر ہمارے معبود کو معلوم ہو جائے کہ آپ کا یہ ارادہ ہے تو وہ تمام شہر کو تباہ کر دے۔ حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہو سکا۔ بولے کہ تم کس قدر جاہل ہو۔ لات صرف ایک پتھر ہے۔ ان لوگوں نے کہا، عمرؓ ہم تمہارے پاس نہیں آئے۔ یہ کہہ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ ہم لات کو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ آپ جو چاہیں کریں لیکن ہم کو اس جرأت سے معاف رکھا جائے۔ آپؐ نے یہ درخواست منظور کرلی۔

ان لوگوں نے نماز، زکوٰۃ اور جہاد سے مستثنیٰ ہونے کی بھی درخواست کی۔ نماز سے معافی تو کسی حالت میں ممکن نہ تھی۔ وہ ہر روز پانچ دفعہ ادا کرنے کی چیز ہے لیکن زکوٰۃ سال بھر کے بعد واجب ہوتی ہے اور جہاد فرضِ کفایہ ہے۔ ہر شخص پر واجب نہیں اور واجب بھی ہو تو اس کے خاص مواقع ہیں، روز کا کام نہیں۔ اس بنا پر اس وقت ان دونوں باتوں پر ان کو مجبور نہیں کیا گیا کیونکہ یہ معلوم تھا کہ جب وہ اسلام قبول کریں گے تو رفتہ رفتہ خود ان میں صلاحیت آجائے گی۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں نے اس واقعہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا کہ جب یہ ایمان لا چکیں گے تو زکوٰۃ بھی دینے لگیں گے اور جہاد

بھی کریں گے۔ چنانچہ دو ہی برس بعد حجۃ الوداع کا موقع آیا تو کوئی ثقیفی ایسا نہ تھا جس نے اسلام نہ قبول کر لیا ہو۔

سفارت جب واپس چلی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان رضؓ اور مغیرہ رضؓ بن شعبہ کو بھیجا کہ شرط کے موافق طائف کے صنم اعظم (لات) کو جا کر توڑ آئیں۔ مغیرہ رضؓ نے طائف پہنچ کر بُت کدہ کو ڈھانا چاہا تو مستورات روتی ہوئی ننگے سر گھروں سے نکل آئیں اور یہ اشعار پڑھتی جاتی تھیں:۔

الا ابکین دفاع	لوگوں پر رو کہ پست ہمتوں نے اپنے
اسلمها الرضاع	بتوں کو دشمنوں کے سپرد کر دیا اور معرکہ آرائی
لم یحسنوا المصاع	نہ کر سکے۔

عربوں میں کثیر الازواجی کی عام عادت تھی۔ قبیلہ ثقیف کے ایک نامور سردار غیلان بن سلمہ کی دس بیویاں تھیں۔ جب وہ مسلمان ہوا، احکام اسلام کے مطابق چار کے سوا تمام بیویوں سے اُس کو مفارقت کرنا پڑی۔

وفد نجران ۹ھ

نجران مکہ معظمہ سے یمن کی طرف سات منزل پر ایک وسیع ضلع کا نام ہے جہاں عیسائی عرب آباد تھے۔ یہاں عیسائیوں کا ایک عظیم الشان کلیسا تھا جس کو وہ کعبہ کہتے تھے اور حرم کعبہ کا جواب سمجھتے تھے۔ اس میں بڑے بڑے مذہبی پیشوا رہتے تھے جن کا لقب سید اور عاقب تھا۔ عرب میں عیسائیوں کا کوئی مذہبی مرکز اس کا ہمسر نہ تھا۔ یہ کعبہ تین سو کھالوں سے گنبد کی شکل کا بنایا گیا تھا۔ جو شخص اس کی حدود میں آ جاتا تھا، مامون ہو جاتا تھا۔ اس کعبہ کے اوقاف کی آمدنی دو لاکھ سالانہ تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعوتِ اسلام کا خط لکھا تو اس کعبہ کے محافظ اور ائمہ مذہب ساٹھ آدمیوں کے ساتھ مدینہ میں آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسجد میں اتارا۔ تھوڑی دیر کے بعد نماز کا وقت آیا تو ان لوگوں نے نماز پڑھنی چاہی۔ صحابہ نے

Marfat.com

روکا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پڑھنے دو۔ چنانچہ ان لوگوں نے مشرق کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی۔ ابو حارثہ جو لارڈ بشپ تھا نہایت محترم اور فاضل شخص تھا قیصر روم نے اس کو یہ منصب عطا کیا تھا اور اس کے لئے گرجے اور معبد بنوائے تھے۔

ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف مسائل پوچھے اور آپ نے وحی کی رو سے ان کا جواب دیا۔ ان کے زمانہ قیام میں سورۂ آل عمران کی ابتدا کی اسّی آیتیں اتریں۔ ان آیتوں میں اُن کے سوالات کا جواب تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو اسلام کی دعوت دی تو ان لوگوں نے کہا کہ ہم تو پہلے سے مسلمان ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک تم صلیب پوجتے ہو، عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہتے ہو کیوں کر مسلمان ہو سکتے ہو؟ جب یہ لوگ اس پر راضی نہ ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے مطابق ان سے کہہ دیا کہ اچھا مباہلہ کرو یعنی ہم تم دونوں اپنے اہل وعیال کو لے کر آئیں اور دُعا کریں کہ جو شخص جھوٹا ہو اُس پر خدا کی لعنت ہو۔ لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ زہرا اور امام حسن و حسین علیہما السلام کو لے کر مباہلہ کے لئے نکلے تو خود اُن کی جماعت میں سے ایک شخص نے رائے دی کہ مباہلہ نہیں کرنا چاہیے۔ اگر یہ شخص واقعی پیغمبر ہے تو ہم لوگ ہمیشہ کے لئے تباہ ہو جائیں گے۔ غرض ان لوگوں نے کچھ سالانہ خراج قبول کر کے صلح کر لی۔

بنو اسد ۹ھ

یہ وہ قبیلہ ہے جو لڑائیوں میں قریش کا دست و بازو تھا۔ طلحہ بن خویلد جس نے حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا اسی قبیلہ سے تھا۔ ۹ھ میں یہ لوگ بھی اسلام لائے اور سفارت بھیجی لیکن اب تک اُن کے دماغ میں فخر کا نشہ باقی تھا۔ سفراء دربارِ رسالت میں آئے تو احسان کے لہجہ میں کہا کہ آپ نے ہمارے پاس کوئی مہم نہیں بھیجی بلکہ ہم نے خود اسلام قبول کیا۔ ان پر یہ آیت نازل ہوئی۔

يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا قُلْ — یہ لوگ تم پر احسان رکھتے ہیں کہ ہم

Marfat.com

لَا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَکُمْ بَلِ اللّٰہُ یَمُنُّ عَلَیْکُمْ اَنْ ھَدٰکُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔ (سورہ حجرات)

اسلام لائے۔ کہہ دو کہ مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ رکھو بلکہ خدا تم پر احسان رکھتا ہے کہ تم کو ایمان لانے کی ہدایت کی، اگر تم سچے ہو۔

بنو فزارہ ۹؁ھ

یہ نہایت سرکش اور زور آور قبیلہ تھا۔ عیینہ بن حصن اسی قبیلہ سے تھے۔ اس قبیلہ نے رمضان ۹؁ھ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لائے، اپنا وفد بھیجا اور اسلام قبول کیا۔

کندہ ۱۰؁ھ

یہ حضرموت (یمن) کے اضلاع میں سے ایک شہر تھا۔ یہاں کندی خاندان کی سلطنت تھی اس زمانہ میں اس خاندان کے حاکم اشعث بن قیس تھے۔ یہ ۱۰؁ھ میں اسّی سواروں کے ساتھ بڑی شان و شوکت سے حبرۃ کی چادریں جن کے سنجاف حریر کے تھے کاندھوں پر ڈالے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے۔ یہ پہلے اسلام قبول کر چکے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھ کر فرمایا "کیا تم اسلام نہیں لا چکے ہو؟" بولے "ہاں!" آپ نے فرمایا کہ پھر یہ حریر کیسا؟ ان لوگوں نے فوراً چادریں پھاڑ پھاڑ کر زمین پر ڈال دیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں اپنی بہن ام فروہؓ سے اُن[1] کی شادی کر دی تھی۔ نکاح ہو چکا تو فوراً اٹھ کر اونٹوں کے بازار میں پہنچے اور جو اونٹ سامنے آیا تلوار سے اُس کی کونچیں اڑا دیں۔ تھوڑی دیر میں بیسیوں اونٹ زمین پر پڑے تھے۔ لوگوں کو حیرت ہوئی انہوں نے کہا میں اپنی [illegible] ریاست میں ہوتا تو اور ہی سروسامان ہوتا۔ یہ کہہ کر اونٹوں کے دام دے دیئے اور لوگوں سے کہا، یہ آپ کی دعوت ہے۔

---

[1] اشعث بن قیس (مرتب)

یہ جنگ قادسیہ و یرموک میں شریک تھے اور صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھے۔

عبدالقیس

یہ قبیلہ جیسا کہ اوپر گزر چکا، بحرین کا باشندہ تھا۔ یہاں اسلام کا اثر بہت پہلے پہنچ چکا تھا۔ سب سے پہلے اس قبیلہ کے تیرہ آدمی ۵ھ میں یا اس سے آگے پیچھے زمانہ میں خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا "تم کون لوگ ہو؟" عرض کی "یا رسول اللہ! ہم خاندان ربیعہ سے ہیں۔" فرمایا "مرحبا، لاخزایا ولا ندامی۔" پھر ان لوگوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! ہمارا ملک بہت دور ہے (بحرین) اور بیچ میں کفار مضر کی آبادیاں ہیں۔ اشہر حرم کے سوا اور مہینوں میں نہیں آسکتے۔ چند ایسی باتیں تلقین فرمایئے جن پر ہمیشہ عمل کریں اور اپنے اہل وطن کو بھی ان کی تعلیم دیں۔"

ارشاد ہوا کہ میں تم کو چار باتوں کا حکم دیتا ہوں "خدا کو ایک جانو، نماز پڑھو، روزہ رکھو اور خمس دو۔ اور چار چیزوں سے منع کرتا ہوں "دُبَّاء، حَنتم، نقیر، مزفت۔

دُبَّاء، حنتم، نقیر، مزفت یہ عرب میں چار قسم کے برتن ہوتے تھے جن میں رکھ کر شراب بنائی جاتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف یہ جاری تھی کہ جس قبیلہ میں جو مخصوص عیوب ہوتے تھے اُن کے پند و موعظت میں ان ہی کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرماتے تھے۔ لوگوں کو تعجب تھا کہ حضورؐ نے ان ظروف کا کیوں مخصوص طور سے ذکر فرمایا۔ چنانچہ انہوں نے پوچھا "یا رسول اللہ! نقیر کے متعلق آپ کو کیا معلوم ہے؟" ارشاد فرمایا "ہاں کھجور کی موٹی لکڑی اندر سے کھود کے تم اس میں پانی ڈالتے ہو۔ جب اُبال کم ہو جاتا ہے تو اس کو پی کر اپنے بھائیوں پر تلوار چلاتے ہو۔" اتفاق یہ کہ وفد کے ایک صاحب ایسے تھے جن پر یہی واقعہ گزرا تھا۔ ان کی پیشانی پر تلوار کا داغ بھی تھا اس کو وہ شرم سے چھپائے ہوئے تھے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ عبدالقیس نے خود پوچھا کہ یا رسول اللہ! ہم کو کیا پینا چاہئے؟ اس کے جواب میں آپؐ نے ان چاروں چیزوں کا ذکر فرمایا۔

بنو عامر

بنو عامر کا قبیلہ عرب کے مشہور قبیلہ قیس عیلان کی شاخ تھا۔ بنو عامر میں اس وقت تین رئیس تھے۔ عامر بن طفیل، اربد بن قیس اور جبار بن سلمیٰ۔ عامر اور اربد [illegible] جاہ کے [illegible] تھے۔ یہ عامر وہی شخص تھا جو [illegible] اور اس وقت بھی شرارت کی نیت سے آیا تھا۔ جبار اور قبیلہ کے تمام لوگ [illegible]

عامر مدینہ پہنچ کر خاندان سلول کی ایک عورت کا مہمان ہوا۔ جبار اور مشہور صحابی کعب بن مالک میں پہلے کے مراسم تھے۔ اس لئے وہ تیرہ آدمیوں کے ساتھ ان ہی کے گھر مہمان اترے اور اسی تقریب سے کعب اُن کو لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ بنو عامر نے سلسلۂ کلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کر کے کہا "انت سیدنا" (حضور ہمارے آقا ہیں) آپ نے فرمایا "السید اللہ" (آقا خدا ہے)۔ انہوں نے پھر عرض کی "حضور ہم میں سب سے افضل اور سب سے بڑھ کر فیاض ہیں" ارشاد ہوا "بات بولو تو اس کا لحاظ رہے کہ شیطان تم کو ہنکا کر نہ لے جائے" یعنی تکلف اور تملق بھی ایک قسم کا جھوٹ ہے۔

عامر بن طفیل نے کہا،

"محمدؐ! تین باتیں ہیں۔ اہل بادیہ پر تم حکومت کرو اور شہر میرے قبضہ میں ہوں۔ اگر یہ نہیں تو اپنے بعد مجھے جانشین بنا جاؤ۔ اگر یہ بھی منظور نہ ہو تو میں غطفان کو لے کر چڑھ آؤں گا۔"

عامر نے اربد کو یہ سمجھا دیا تھا کہ میں ادھر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو باتوں میں لگاؤں گا اُدھر تم اُن کا کام تمام کر دینا۔ اب عامر نے جو دیکھا تو اربد میں جنبش تک نہ تھی۔ نبوت کے رعب اور الٰہی جاہ وجلال نے اس کی آنکھیں خیرہ کر دی تھیں۔ دونوں اُٹھ کر چلے آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

"خدایا ان کے شر سے بچانا۔"

عامر کو طاعون ہو گیا، عرب میں صاحب فراش ہونا شرم کی بات تھی۔ عامر نے کہا، مجھے گھوڑے پر بٹھا دو۔ گھوڑے پر بٹھا دیا گیا اور اسی پر اُس نے دم توڑا۔

Marfat.com

سجّار اور عام اشخاص ایمان کی دولت سے مالا مال ہو کر دارالاسلام واپس آگئے۔

حمیر وغیرہ کی سفارت

حمیر میں مستقل سلطنت نہیں رہی تھی۔ سلاطین حمیر کی اولاد نے چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر لی تھیں اور برائے نام بادشاہ کہلاتے تھے۔ عربی میں ان کا لقب قیل تھا۔ یہ لوگ خود نہیں آئے لیکن قاصد بھیجے کہ ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے۔

اسی زمانہ میں بہراء، بنو بکا وغیرہ کی سفارتیں بھی آئیں۔

Marfat.com

تاسیسِ حکومتِ الٰہی

استخلاف فی الارض — انتظام ملکی — حکام اور ولاۃ
محصلین زکوٰۃ و جزیہ — قضاۃ — پولیس — جلاد — قوموں
سے معاہدے — اصناف محاصل و مخارج — خراج
جاگیریں اور افتادہ زمینوں کی آبادی — مذہبی انتظامات
تعلیم اشاعت — مساجد کی تعمیر — ائمہ نماز کا تقرر
مؤذنین [illegible] اعتقادات اور اسلام [illegible] اصول آئینی [illegible]
عبادات [illegible] صلوٰۃ خوف — روزہ
زکوٰۃ — حج — حج کے اصلاحات — معاملات —
وراثت — وصیت — وقف — نکاح و طلاق —
حدود و تعزیرات — ماکولات میں حلال و حرام —
شراب کی حرمت — سود خواری کی حرمت —

Marfat.com

استخلاف فی الارض

لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ

صفحات بالا سے معلوم ہو چکا ہے کہ اب تمام عرب میں امن و امان قائم ہے۔ سیاسی مشکلات کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ ملک کے ہر گوشے میں دعاۃ اسلام پھیلے ہوئے ہیں۔ قبائل دور دراز صوبوں سے بارگاہ نبوت کا رخ کر رہے ہیں۔ فتح مکہ اسلام کی شہنشاہی کا پہلا دن تھا۔ جو رمضان ۸ھ میں واقع ہوا۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائل میں محصلین زکوٰۃ کا تقرر فرمایا یعنی اصل خلافت الٰہی کے تمام اجزاء اواخر ۱۰ھ میں زمانہ حجۃ الوداع کے قریب تکمیل پا گئے۔

انتظام ملکی

عمر شریف اس وقت ساٹھ برس کی تھی۔ اس عمر میں ایک حکومت کے تمام کام خود انجام دیتے تھے۔ ولاۃ اور عمال کا تقرر، مؤذنین اور ائمہ کا تعین، محصلین زکوٰۃ و جزیہ کی نامزدگی، غیر قوموں سے مصالحت، مسلمان قبائل میں جائیدادوں کی تقسیم، فوجوں کی آراستگی، مقدمات کا فیصلہ، قبائل کی خانہ جنگیوں کا انسداد، وفود کے تعین و وظائف، اجرائے فرامین، نومسلموں کے انتظامات، مسائل شرعیہ میں افتاء، جرائم کے لئے اجرائے تعزیر، ملک کے بڑے بڑے سیاسی انتظامات، عہدہ داروں کی خبر گیری اور احتساب، دور کے صوبوں میں متعدد صحابہ گورنر اور والی بنا کر بھیج دیئے گئے تھے لیکن خود مدینہ اور اطراف مدینہ کے فرائض آپ خود انجام دیتے تھے۔

Marfat.com

خلافتِ الٰہی کے ان فرائض و اعمال نے آپؐ کے دل و دماغ پر جو بارِ عظیم ڈالا اُس نے آپؐ کے نظامِ جسمانی کو چُور چُور کر دیا۔ عام روایتوں سے ثابت ہے کہ آپؐ آخر زندگی میں تہجد کی نماز بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے۔ جو ضعفِ جسمانی کا اقتضا تھا لیکن یہ ضعفِ جسمانی خود کس چیز کا نتیجہ تھا اس کا جواب حضرت عائشہؓ کی زبانی سننا چاہیئے جن سے بڑھ کر آپؐ کے اعمال زندگی کا کوئی ترجمان نہیں ہو سکتا۔

"عبداللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے؟ انہوں نے کہا، ہاں! لیکن اس وقت جب لوگوں نے آپؐ کو چُور چُور کر دیا تھا۔"

حکام اور ولاۃ

فصلِ قضایا، اقامتِ عدل، بسطِ امن، رفعِ نزاع کے لئے متعدد ولاۃ و حکام کی ضرورت تھی۔ اس غرض سے آپؐ نے متعدد صحابہ کو مختلف مقامات کا حاکم و والی مقرر فرمایا۔ چنانچہ ان کے ناموں کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

۱۔ باذانؓ بن ساسان — بہرام گور کے خاندان سے تھے اور سلاطینِ عجم میں سب سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن کا والی مقرر فرمایا۔

۲۔ شہرؓ بن باذان — باذانؓ بن ساسان کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صنعاء کا والی مقرر فرمایا۔

۳۔ خالدؓ بن سعید بن العاص — شہرؓ بن باذان مارے گئے تو ان کے بعد آپؐ نے اُن کو صنعاء کا عامل مقرر فرمایا۔

۴۔ مہاجرؓ بن امیۃ المخزومی — آپؐ نے ان کو کندہ و صدف کا والی مقرر فرمایا تھا لیکن وہ ابھی روانہ بھی نہ ہوئے تھے کہ آپؐ نے انتقال فرمایا۔

۵۔ زیادؓ بن لبید الانصاری — حضرموت کے والی تھے۔

Marfat.com

۶۔ ابو موسیٰؓ اشعری ——— زبید، عدن، زمعہ وغیرہ کے والی تھے۔

۷۔ معاذؓ بن جبل ——— والی جند

۸۔ عمروؓ بن حزم ——— والی نجران

۹۔ یزید بن ابی سفیانؓ ——— والی تیماء

۱۰۔ عتابؓ بن اسیدؓ ——— والی مکہ

۱۱۔ علیؓ بن ابی طالب ——— متولی اخماس یمن

۱۲۔ عمروؓ بن العاص ——— والی عمان

۱۳۔ علاء بن حضرمی ——— والی بحرین

ان ولاۃ یعنی گورنروں کا تقرر ملک کی وسعت اور ضروریات کے لحاظ سے ہوتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں عرب کے جو حصے اسلام کے زیر اثر آئے، ان میں یمن سب سے زیادہ وسیع اور متمدن تھا۔ اور مدت تک ایک باقاعدہ سلطنت کے زیر سایہ رہ چکا تھا۔ اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پانچ حصوں میں منقسم فرمایا اور ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ گورنر مقرر فرمائے۔ خالدؓ بن سعید کو صنعاء پر، مہاجرؓ بن ابی امیہ کو کندہ پر، زیادؓ بن لبید کو حضرموت پر، معاذؓ بن جبل کو جند پر، ابو موسیٰؓ اشعری کو زبید، زمعہ، عدن اور سواحل پر۔

عموماً جب کسی مہاجر کو کہیں کا عامل مقرر فرماتے تھے تو اسی کے ساتھ ایک انصاری کا تقرر بھی فرماتے تھے۔ ملکی انتظام، فصل مقدمات اور تحصیل خراج وغیرہ کے علاوہ ان عمال کا سب سے مقدم فرض اشاعت اسلام اور سنن و فرائض کی تعلیم تھی۔ اس لحاظ سے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے یہ لوگ حاکم ملک اور والی صوبہ ہونے کے ساتھ مبلغ دین اور معلم اخلاق کی حیثیت بھی رکھتے تھے۔ چنانچہ جب یہ لوگ روانہ ہوتے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان فرائض کی تعیین فرما دیتے تھے۔ معاذؓ بن جبل کو روانہ فرمایا تو یہ وصیت کی۔

"تم اہل کتاب کے پاس جاتے ہو۔ پہلے ان کو کلمہ توحید کی دعوت دو۔ اگر وہ اس کو قبول کریں تو اُن کو بتاؤ کہ خدا نے رات اور دن میں اُن پر پانچ نمازیں

Marfat.com

فرض کی ہیں۔ اگر وہ اس کو بھی مان لیں تو ان کو بتاؤ کہ خدا نے ان پر صدقہ فرض کیا ہے
جو ان کے امراء سے لے کر ان کے غرباء پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ اگر وہ اس کو بھی
تسلیم کر لیں تو ان کے بہترین مال سے اجتناب کرنا اور مظلوم کی بددعا سے بچنا
کیونکہ اس میں اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔

ان فرائض کے ادا کرنے کے لئے سب سے زیادہ ضرورت تبحر علمی، وسعت نظر اور اجتہاد
کی تھی۔ اس بنا پر آپ ان لوگوں کے تبحر علمی اور طرز عمل کا امتحان لیتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت
معاذ کو روانہ فرمایا تو پہلے ان کی اجتہادی قابلیت کے متعلق امتحان فرما لیا۔ ترمذی میں ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معاذ بن جبل کو یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا:
کس چیز سے مقدمات کا فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے کہا قرآن مجید سے۔ آپ نے
فرمایا اگر اس میں وہ فیصلہ تم کو نہ ملے؟ انہوں نے کہا احادیث سے۔ پھر آپ
نے فرمایا اگر احادیث میں بھی اس کے متعلق ہدایت نہ ملے تو؟ انہوں نے کہا
میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ اس پر آپ نے فرمایا الحمد للہ خدا کا شکر ہے
جس نے رسول اللہ کے رسول کو اس چیز کی توفیق دی جس کو خود اس کا رسول محبوب
رکھتا ہے۔"

لیکن اہل عرب کے دلوں کو مسخر کرنے کے لئے ان تمام چیزوں سے زیادہ رفق و ملاطفت
نرمی اور خوش خوئی کی ضرورت تھی جن کی آمیزش سیاست اور حکومت کے اقتدار کے ساتھ تقریباً
ناممکن ہو جاتی ہے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گورنروں کو بار بار اس کی طرف متوجہ فرماتے
رہتے تھے۔ چنانچہ جب معاذ بن جبل کو ایک صحابی کے ساتھ یمن کی گورنری پر روانہ فرمایا تو
پہلے دونوں کو عام طور سے وصیت فرمائی:

"آسانی پیدا کرنا، دشواری نہ پیدا کرنا۔ لوگوں کو بشارت دینا اور ان کو وحشت زدہ
نہ کرنا۔ باہم اتفاق رکھنا اور اختلاف نہ کرنا۔"

اس پر بھی تسکین نہ ہوئی تو معاذ بن جبل جب رکاب میں پاؤں ڈال چکے تو ان سے خاص
طور پر یہ الفاظ فرمائے:

Marfat.com

"لوگوں کے ساتھ خوش خلقی کے ساتھ برتاؤ کرنا"

اگرچہ یہ اصول صحیح ہے کہ کوئی حکومت کتنی ہی رحم دل کیوں نہ ہو لیکن ابتدا میں جب وہ کسی ملک کو اپنے قبضہ اقتدار میں لاتی ہے تو سرکش لوگوں کے مطیع کرنے کے لئے اس کو سختیاں کرنی پڑتی ہیں، تو عرب سب سے زیادہ اس کا مستحق تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ ریگستان عرب کا ایک ذرہ بھی ولاۃ کے مظالم کے سنگ گراں سے خونی نہ ہوا۔ یہاں تک کہ اخیر زمانہ میں جب صحابہ نے اسی حکومت کے مظالم کو دیکھتے تھے تو ان کو سخت تعجب ہوتا تھا اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقینات کے ذریعہ سے ان کو روکتے تھے۔ چنانچہ ایک بار ہشام بن حکیم بن حزام نے دیکھا کہ شام کے کچھ نبطی دھوپ میں کھڑے کئے گئے ہیں۔ انہوں نے لوگوں سے اس کی وجہ پوچھی۔ لوگوں نے کہا کہ جزیہ وصول کرنے کے لئے ان لوگوں کے ساتھ یہ سختی کی جا رہی ہے۔ انہوں نے یہ سن کر کہا کہ:

"میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا ہے کہ خدا ان لوگوں کو عذاب دے گا جو لوگوں کو دنیا میں عذاب دیتے ہیں"

محصلین زکوٰۃ وجزیہ

عرب کا خلوص اور جوش ایمان اگرچہ خود ان کو صدقہ وزکوٰۃ کے ادا کرنے پر آمادہ کر دیتا تھا۔ چنانچہ اسلام لانے کے ساتھ ہی ہر قبیلہ اپنی قوم کا صدقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خود پیش کرتا اور آپ کی دعا سے برکت اندوز ہوتا تھا۔ لیکن ایک وسیع ملک اور ایک وسیع حکومت کے لئے یہ طریقہ کافی نہ تھا اس لئے ولاۃ کے علاوہ یکم محرم ۹ھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ وزکوٰۃ کے وصول کرنے کے لئے ہر قبیلہ کے لئے الگ الگ محصلین مقرر فرمائے جو قبائل کا دورہ کر کے لوگوں سے زکوٰۃ اور خراج وصول کر کے آپ کی خدمت مبارک میں پیش کرتے تھے۔ عموماً تو دروسائے قبائل اپنے اپنے قبیلوں کے محصل ہوتے تھے اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عموماً ان کا تقرر وقتی ہوتا تھا۔

بہرحال آپ نے اس فرض کی انجام دہی کے لئے حسب ذیل اشخاص کو مختلف قبائل اور

شہروں میں متعین فرمایا۔

نام	مقام تقرر	نام	مقام تقرر
عدیؓ بن حاتم	طے و بنی اسد	ابو جہمؓ بن حذیفہ	بنو لیث
صفوانؓ بن صفوان	بنی عمرو	ایکؓ ہذیلی	بنو ہذیم
مالکؓ بن نویرہ	بنو حنظلہ	عمر فاروقؓ	شہر مدینہ
بریدہؓ بن حصیب الاسلمی	غفار و اسلم	عبیدہؓ بن جراح	شہر نجران
عبادؓ بن بشر الاشہلی	سلیم و مزینہ	عبداللہؓ بن رواحہ	شہر خیبر
رافعؓ بن مکیث جہنی	جہینہ	زیادؓ بن لبید	حضرموت
زبرقانؓ بن بدر	بنو سعد	ابو موسیٰؓ اشعری	صوبہ یمن
قیسؓ بن عاصم	بنو سعد	خالدؓ	صوبہ یمن
عمروؓ بن العاص	بنو فزارہ	ابانؓ بن سعید	بحرین
ضحاکؓ بن سفیان کلابی	بنو کلاب	عمروؓ بن سعید بن العاص	تیماء
بسرؓ بن سفیان الکعبی	بنو کعب	عیینہؓ بن حصن فزاری	بنو تمیم
عبداللہؓ بن اللتیبہ	بنو ذبیان	محمیہؓ بن جزء الاسدی	تحصیل خمس

ان محصلین کے تقرر میں آپؐ حسب ذیل امور کی پابندی فرماتے تھے۔

۱۔۔۔ ان کو ایک فرمان عطا ہوتا تھا جس میں بہ تصریح بتایا جاتا تھا کہ کس قسم کے مال کی کتنی تعداد میں زکوٰۃ کی کیا مقدار ہے۔ چھانٹ کر مال لینے کی یا حق سے زیادہ لینے کی اجازت نہ تھی۔ عام حکم تھا کہ ایاک وکرائم اموالھم۔ یہ عمال نہایت شدت کے ساتھ اس فرمان پر عمل کرتے تھے اور اس سے سر مو تجاوز جائز نہیں رکھتے تھے۔ بعض لوگوں نے بخوشی حق سے زیادہ دینا چاہا لیکن انہوں نے قبول نہیں کیا۔ سویدؓ بن غفلہ کا بیان ہے کہ ہمارے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا محصل آیا۔ میں جاکر اس کے پاس بیٹھا تو اس نے پہلے جانوروں کے ان اقسام کو بیان کیا جن کے لینے کی فرمان میں اجازت نہ تھی۔ چنانچہ اسی وقت ایک شخص ایک نہایت عمدہ کوہان دار اونٹنی لے کر حاضر ہوا اور اس کی خدمت میں پیش کیا لیکن اس نے انکار کردیا

اسی طرح جب ایک شخص نے ایک محصل کو بچے والی بکری دی تو اُس نے کہا کہ ہم کو اس کے لینے کی ممانعت کی گئی ہے۔

۲۔۔۔۔ عرب کے مال و دولت کی کل کائنات بکریوں کے ریوڑ اور اونٹوں کے گلے تک محدود تھی جو جنگلوں میں، بیابانوں میں، پہاڑوں کے دامنوں میں چرتے رہتے تھے۔ لیکن بجائے اس کے کہ دنیوی حکومتوں کی طرح جابرانہ احکام کے ساتھ لوگ خود زکوٰۃ کے جانور لاکر محصلین کے سامنے پیش کرتے، محصلوں کو خود ان دروں میں جاکر مالِ زکوٰۃ وصول کرنا پڑتا تھا۔ ایک صحابی کا بیان ہے کہ میں پہاڑ کے ایک درہ میں بکریاں چرا رہا تھا کہ دو شخص اونٹ پر سوار ہو کر آئے اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد ہیں۔ یہاں تمہاری بکریوں کا صدقہ وصول کرنے کے لئے آئے ہیں۔ میں نے ایک بچہ والی شیر دار بکری پیش کی لیکن انہوں نے کہا کہ ہم کو اس کے لینے کا حکم نہیں۔ میں نے ایک دوسرا بچہ دیا تو انہوں نے اس کو اپنے اونٹ پر لاد لیا اور چلتے ہوئے۔

۳۔۔۔۔ اگرچہ صحابہ اپنے تقدس اور پاک باطنی کی بنا پر ہر قسم کے ناجائز مال لینے سے خود احتراز کرتے تھے۔ چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کو خیبر کے یہودیوں کے پاس بھیجا کہ وہاں کی زراعت کی نصف پیداوار حسب معاہدہ تقسیم کرا کے لائیں، تو انہوں نے ان کو رشوت دینی چاہی تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ

"اے خدا کے دشمنو! کیا مجھے حرام مال کھلانا چاہتے ہو۔"

لیکن بایں ہمہ زہد و تقدس جب محصل اپنے دورہ سے واپس آتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کا محاسبہ فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک بار آپؐ نے ابن اللتبیہ کو صدقہ وصول کرنے کے لئے روانہ فرمایا۔ جب وہ واپس آئے اور آپؐ نے اُن کا محاسبہ کیا تو انہوں نے کہا "یہ آپؐ کا مال ہے اور یہ ہدیہ مجھے ملا ہے۔ یہ سُن کر آپؐ نے فرمایا کہ تم کو گھر بیٹھے بیٹھے ہدیہ کیوں نہیں ملا۔ اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی تو ایک عام خطبہ دیا اور تمام لوگوں کو اس قسم کے مال لینے سے سختی کے ساتھ ممانعت فرمائی۔

۴۔۔۔۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان پر صدقہ اور زکوٰۃ کا مال حرام کر دیا

Marfat.com

[illegible] عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث اور فضل ابن عباس رض نے کہ عم زاد بھائی اور بھتیجے تھے آپ کی خدمت میں [illegible] ہم کو بھی صدقہ کا عامل مقرر [illegible] کچھ مال جمع کر کے [illegible] آپ نے فرمایا کہ صدقہ آل محمد کے لئے [illegible] لوگوں کا میل کچیل ہے [illegible]

[illegible] حضرت ابو موسیٰ اشعری [illegible]

[illegible]

انہوں نے کہا کہ مجھ کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ لوگ اس غرض سے آئے ہیں [illegible] جو لوگ خود خواہش کرتے ہیں ہم ان کو عامل مقرر نہیں [illegible] حضرت ابو موسیٰ اشعری [illegible] عامل مقرر [illegible] عمال کو صرف بقدر ضرورت معاوضہ ملتا تھا [illegible] جو شخص ہماری مقررہ شرح سے زیادہ لے گا وہ خیانت [illegible] بقدر ضرورت کی تعریف بھی آپ نے فرما دی تھی۔

[illegible]

[illegible] جو شخص ہمارا عامل ہو [illegible] ایک بی بی کا خرچ لینا چاہیے [illegible] اگر اس کے پاس نوکر نہ ہو تو نوکر رکھ لے اگر مکان نہ ہو تو گھر [illegible] اس سے زیادہ لے گا تو وہ خائن ہوگا۔

[illegible]

آپ کے زمانہ میں حضرت عمر فاروق کو بھی اس قسم کا معاوضہ ملا تھا چنانچہ ان کے خلافت میں جب صحابہ نے زہد و تقدس کی بنا پر معاوضہ لینے سے انکار کیا تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی طرز عمل سے استدلال کیا۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ان مناصب کے علاوہ تعلیم اور عہدے بھی سادہ طور سے قائم ہو گئے تھے [illegible]

[illegible] صحابہ نے بھی اس فرض کو انجام دیا ہے۔

[illegible] حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبدالرحمن بن عوف [illegible] معاذ بن جبل [illegible]

[illegible]

اگرچہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں [illegible]

[illegible]

[illegible]

بحرشتی اسلام کی اطاعت قبول کی۔ اس لئے اسلام نے بھی ان کو بہ جان و مال، عزت و آبرو [illegible]

[illegible]

مذہب کی حفاظت کی تمام ذمہ داری اپنے سر لے لی۔ اور اس کے مقابلہ میں جزیہ کی ایک خفیف رقم (یعنی ہر مستطیع، عاقل، بالغ مرد پر ایک دینار سالانہ) ان پر مقرر کی۔ اس رقم کا نقد روپیہ کی صورت میں ادا ہونا ضروری نہ تھا۔ بلکہ عموماً جہاں جس چیز کی پیداوار ہوتی تھی یا جو چیز بنتی تھی وہی چیز جزیہ قرار پاتی۔

غیر قوموں میں سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۷ھ میں خیبر، فدک، وادی القریٰ اور تیما کے یہودیوں سے مصالحت فرمائی۔ اس وقت تک آیت جزیہ کا نزول نہیں ہوا تھا۔ اس بنا پر باہمی رضامندی سے جو شرائط قرار پا گئے تھے وہ آیت جزیہ کے نزول کے بعد بھی قائم رہے۔ اصل شرط یہ تھی کہ وہ رعایا کی حیثیت سے کام کریں گے اور پیداوار کا نصف حصہ خود لیں گے اور نصف مالکوں کو ادا کریں گے۔

۹ھ کو جزیہ کی آیت نازل ہوئی۔ اس کے بعد تمام معاہدے اسی کی رو سے قرار پائے۔ نجران کے عیسائیوں نے مدینہ میں آکر مصالحت کی درخواست کی جس کو آپ نے منظور فرمایا۔ شرائط صلح یہ تھے کہ "وہ مسلمانوں کو سالانہ دو ہزار کپڑے دیں گے اور ان کو دو قسطوں میں یعنی آدھا ماہ صفر اور آدھا ماہ رجب میں ادا کریں گے۔ اگر یمن میں کبھی بغاوت یا شورش ہوگی تو وہ عاریتاً تیس زرہیں، تیس گھوڑے، تیس اونٹ اور تیس تیس عدد ہر قسم کے ہتھیار دیں گے اور مسلمان ان کی واپسی کے ضامن ہوں گے۔ اس کے معاوضہ میں جب تک وہ سودی لین دین یا بغاوت نہ کریں گے، نہ ان کے گرجے ڈھائے جائیں گے نہ ان کے پادری نکالے جائیں گے نہ ان کو ان کے مذہب سے برگشتہ کیا جائے گا۔"

حدود شام میں بہت سے عیسائی اور یہودی گاؤں میں آباد تھے۔ رجب ۹ھ میں غزوہ تبوک کے موقع پر دومۃ الجندل، ایلہ، مقنا، جرباء، اذرح، تبالہ اور جرش کے جو عیسائی اور یہودی زمیندار اسلام نہیں لائے، بلکہ جزیہ دینا قبول کیا ان میں سے ہر بالغ مرد پر ایک دینار سالانہ مقرر ہوا۔ اور مسلمان جب ادھر سے گزریں تو ان کی ضیافت بھی ان پر لازمی قرار دی گئی۔

یمن کے جن یہودیوں نے اسلام قبول نہیں کیا ان پر بھی جزیہ کی یہی مقدار مقرر کی گئی! اور

Marfat.com

تو ایک آسانی یہ بھی دی گئی کہ اگر نقد نہ ادا کر سکیں تو اسی کے برابر معافری کپڑے دیا کریں۔ بحرین کے مجوسیوں سے بھی جزیہ کی اسی شرح مقدار پر مصالحت کی گئی۔

اصناف محاصل و مخارج

مختلف اغراض و مصالح کی بنا پر اسلام میں آمدنی کے صرف پانچ ذرائع تھے۔ غنیمت، فی، زکوٰۃ، جزیہ، خراج۔ اوّل و دوم کے سوا بقیہ ذرائع آمدنی سالانہ تھے۔

غنیمت کا مال صرف فتوحات کے موقع پر آتا تھا۔ عرب میں قاعدہ تھا کہ رئیس فوج غنیمت کا چوتھا حصہ خود لیتا تھا جس کو اصطلاح میں مرباع کہتے تھے اور بقیہ جو جس کے ہاتھ لگ جاتا لے لیتا تھا۔ تقسیم کا کوئی نظام نہ تھا۔ غزوۂ بدر کے بعد خدا نے غنیمت کو خود اپنی ملک قرار دیا جس میں خمس یعنی پانچواں حصہ خدا اور رسولؐ کے نام سے حکومت الٰہی کے مصالح و اغراض کے لئے مخصوص فرمایا۔

ایک دو استثنائی واقعات کے سوا جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت مخصوص مہاجرین کو یا مکہ کے نومسلموں کو عنایت فرمایا ہمیشہ آپ کا یہ طرز عمل رہا کہ خمس کے بعد ایک ایک حبہ سپاہیوں پر برابر برابر تقسیم فرما دیتے تھے۔ سواروں کو تین حصے اور پیادہ ایک حصہ بعض روایتوں میں ہے کہ سواروں کو صرف دو حصے ملتے تھے۔ خمس کا بھی عموماً بہت کم حصہ ذاتی مصرف میں آتا تھا۔ زیادہ تر اہل قرابت، یتیموں اور مسکینوں پر صرف کر دیا جاتا۔

زکوٰۃ صرف مسلمانوں پر فرض تھی اور وہ چار مدوں سے وصول ہوتی تھی۔ نقد روپیہ، پھل اور پیداوار، مویشی (بجز گھوڑا) اسباب تجارت، دو سو درہم چاندی، بیس مثقال سونے اور پانچ اونٹ سے کم پر زکوٰۃ نہ تھی۔ پیداوار سے جو زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی اس کے لئے ضروری تھا کہ اس کی مقدار ۵ وسق (۳۰۰ صاع بہ تحقیق امام ترمذی) سے زیادہ نہ ہو۔

سونے اور چاندی کا چالیسواں حصہ وصول کیا جاتا تھا۔ مویشیوں کا نرخ زکوٰۃ بھی مختلف جنس کی مختلف تعداد پر مقرر تھا۔ جو حدیث اور فقہ کی تمام کتابوں میں مفصل مذکور ہے۔ اراضی کی دو قسمیں کی گئیں۔ ایک وہ جس کی سیرابی صرف بارش یا بہتے پانی سے ہوتی ہے۔ اس قسم کی اراضی

Marfat.com

کی پیداوار میں دسواں حصہ (عشر) وصول ہوتا تھا اور جس کو آب پاشی کے ذریعے سے سیراب کیا جاتا تھا اس میں نصف عشر یعنی پانچواں حصہ لیا جاتا تھا۔ سبزی پر کوئی زکوۃ نہیں تھی۔

زکوۃ کے آٹھ مصرف ہیں جن کی تفصیل خود قرآن مجید نے کر دی ہے۔ فقراء، مساکین، نو مسلم، غلام جن کو خرید کر آزاد کرانا ہے، مقروض، مسافر، محصلین زکوۃ کی تنخواہ، دیگر کار خیر۔ غرضیکہ جہاں سے زکوۃ کی رقم وصول کی جاتی تھی وہیں کے مستحقین پر صرف کر دی جاتی تھی۔ صحابہ اس حکم کے ایسے عادی ہو گئے تھے کہ ایک صحابی کو زیاد نے عامل بنا کر ایک مقام پر بھیجا۔ جب وہ واپس آئے تو زیاد نے ان سے رقم کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جس طرح ہم کرتے آئے تھے وہی ہم نے کیا۔ معاذ بن جبل جب عامل بنا کر یمن بھیجے گئے تو زکوۃ کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقۃ تؤخذ من اغنیائھم فترد علی فقرائھم۔

جزیہ — غیر مسلم رعایا سے ان کی حفاظت اور ذمہ داری کے معاوضہ میں لیا جاتا تھا۔ اس کی مقدار کم تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ میں ہر مستطیع بالغ مرد سے ایک دینار وصول کرنے کا حکم دیا تھا۔ بچے، بوڑھے، عورتیں اس میں شامل نہ تھیں۔ ایلہ کے جزیہ کی مقدار تین سو دینار تھی۔ عہد نبوی میں جزیہ کی سب سے بڑی مقدار بحرین سے وصول ہوتی تھی۔

خراج — غیر مسلم کاشتکاروں سے جن کا زمینوں پر قبضہ تھا ان کی زمین کی پیداوار کا جو مخصوص حصہ باہمی مصالحت سے طے ہو گیا ہو اس کا نام خراج ہے۔ خیبر، فدک، وادی القریٰ، تیماء وغیرہ سے خراج ہی وصول ہوتا تھا۔ جس فصل کی پیداوار کے تیار ہونے کا وقت آتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی صحابی کو بھیج دیتے تھے۔ وہ باغوں اور کھیتوں کو دیکھ کر تخمینہ لگاتے تھے۔ رفع اشتباہ کے لیے تخمینہ میں کچھ کمی کر دیا جاتا تھا۔ تخمینہ پر نصف نصف کے حساب سے خراج وصول کیا جاتا تھا۔ خیبر وغیرہ میں آدھی پیداوار پر صلح ہوئی تھی۔

جزیہ اور خراج کی رقم سپاہیوں کی تنخواہ اور ملکی ضروریات میں صرف ہوتی تھی۔ تمام صحابہ ضرورت کے وقت والنٹیر سپاہی تھے۔ تاہم جو کچھ وصول ہوتا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب کو اسی وقت تقسیم فرما دیتے تھے۔ اول ان لوگوں کو عطا فرماتے تھے جو پہلے غلام رہ چکے تھے

Marfat.com

ایک رجسٹر پر لوگوں کے نام لکھے ہوتے تھے۔ اسی ترتیب سے نام پکارے جاتے تھے۔ جو لوگ صاحب اہل وعیال ہوتے تھے اُن کے دو حصّے اور مجرّد لوگوں کو ایک حصّہ ملتا تھا۔

جاگیریں اور افتادہ زمینوں کی آبادی

ملک عرب کا اکثر حصّہ ریگستانی، پتھریلا، شور اور بنجر تھا۔ جو سرسبز قطعات تھے ان پر بیرونی قومیں قابض تھیں۔ بقیہ افتادہ زمینیں تھیں۔ مدینہ اور طائف میں البتہ کاشتکاری ہوتی تھی۔ بقیہ عام عرب تجارت یا لوٹ مار پر زندگی بسر کرتے تھے۔ عربوں کی غیر مامون زندگی کا راز یہی تھا کہ وہ مستقل پیشہ ور نہ تھے۔ اس بنا پر قیام امن کے لئے بھی ضروری تھا کہ زمین کا نئے سرے سے بندوبست کیا جاتے۔ حجاز میں غیر قوموں کے انخلا کے سبب سے یوں بھی بہت سی زمینیں خالی ہو گئی تھیں جن کا انتظام ضروری تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام طور پر صحابہ کو اس کی ترغیب دی:

"جس شخص نے افتادہ زمینوں کو آباد کیا وہ اس کی ملک ہے۔ جس شخص نے کسی زمین کو گھیر لیا وہ اس کی ملک ہے۔"

ترغیب عام کے ساتھ خاص خاص انتظامات بھی فرمائے۔ بنو نضیر اور قریظہ کے نخلستان اور کھیت خاص بارگاہ نبوت کی ملک قرار پائے اور آپ نے اپنی طرف سے ان کو مہاجرین اور بعض انصار میں تقسیم فرما دیا۔ خیبر کی زمین کچھ خالصہ رہی اور بقیہ ان مہاجرین اور انصار میں تقسیم فرما دی جو حدیبیہ میں شریک تھے لیکن عملاً یہودیوں کے ساتھ ان کا بندوبست رہا۔ پیداوار کا نصف حصّہ وہ خود لیتے تھے اور نصف مالکوں کو ادا کرتے تھے اور جو زمینیں آباد تھیں اُن کو بعض شرائط پر اصل مالک کے ہاتھ میں رہنے دیا۔

یہ جاگیریں اس فیاضی اور وسعت کے ساتھ دی جاتی تھیں کہ ہر شخص حسب استطاعت ان کا انتخاب اور ان کے رقبہ کی تحدید کر سکتا تھا۔ ایک بار آپ نے حضرت زبیرؓ کو حکم دیا کہ جہاں تک ان کا گھوڑا دوڑ سکے وہ زمین اُن کی جاگیر میں داخل ہو گی۔ چنانچہ انہوں نے گھوڑا دوڑایا۔ جب گھوڑا ایک خاص حد تک پہنچ کر رک گیا تو انہوں نے اپنا کوڑا پھینکا اور وہ جس نقطے پر گرا

وہی ان کی جاگیر کا رقبہ قرار پایا۔ عرب کی خشک زمین میں سب سے زیادہ ضرورت چشمہائے آب کی تھی۔ چنانچہ ایک بار جب آپؐ نے حکم دیا:

"جو شخص ایسے چشمہ پر قبضہ کرے جس پر کسی مسلمان نے قبضہ نہیں کیا ہے تو وہ اُس کا ہے۔"

تو تمام لوگوں نے دوڑ دوڑ کر اپنے اپنے چشموں کے حدود مقرر کر لئے۔

یہ تمام فیاضیاں صرف ان ہی چیزوں کے ساتھ مخصوص تھیں جن کا تعلق پبلک کے ساتھ نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن جو چیزیں رفاہِ عام کے کام میں آسکتی تھیں ان کو آپؐ نے اسی قدیم حالت پر چھوڑ دیا۔ عرب کا قدیم دستور تھا کہ اپنے مویشیوں کے لئے چراگاہیں متعین کر لیتے تھے جن کو حمی کہتے تھے۔ عرب میں پیلو کا درخت اونٹوں کی عام غذا تھی اور اس کے متعلق کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی۔

عرب میں یہ بھی دستور تھا کہ مویشیوں کے چرانے کے لئے رؤسا اور ارباب اقتدار اپنے لئے چراگاہ مخصوص کر لیتے تھے اور وہاں کسی دوسرے کو نہیں آنے دیتے تھے۔ چونکہ اس سے عام لوگوں کو تکلیف ہوتی تھی۔ اس لئے آپؐ نے اس طریقہ کو بھی روک دیا۔

اسی طرح عرب میں ایک مقام دہنا ہے جس کے ایک طرف بکر بن وائل کا قبیلہ تھا اور دوسری طرف بنو تمیم رہتے تھے۔ حریث بن حسان نے بکر بن وائل کے لئے اس زمین کی درخواست کی۔ آپؐ نے فرمان لکھنے کا حکم دیا۔ اتفاق سے اس وقت ایک تمیمیہ موجود تھی۔ آپؐ نے اُس کی طرف دیکھا۔ اُس نے عرض کی،

"یا رسول اللہ! وہ اونٹوں اور بکریوں کی چراگاہ ہے اور اسی کے پاس بنو تمیم کی عورتیں اور بچے بھی رہتے ہیں۔"

آپؐ نے فرمایا:

"بے چاری سچ کہتی ہے۔ فرمان نہ لکھو۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ ایک چشمہ اور ایک چراگاہ سب کو کافی ہو سکتا ہے۔"

Marfat.com

مذہبی انتظامات

ملک میں امن قائم رکھنے کی غرض سے جو بعض ضروری انتظامات سر انجام پائے تھے ان سے زیادہ ضروری مسلمانوں کے مذہبی امور کے انتظامات کا مسئلہ تھا یہودیوں میں مذہبی فرائض کے ادا کرنے کے لیئے ایک مخصوص خاندان مقرر تھا۔ اس کے علاوہ کسی اور کو ان کی خدمات کی بجا آوری کا حق حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ عیسائیوں میں گو خاندان کی تخصیص نہ تھی لیکن ان میں ایک خاص طبقہ پیدا ہو گیا تھا جس نے ان خدمات کو اپنا حق قرار دے لیا تھا۔ ہندوؤں میں غیر برہمن کسی مذہبی خدمت کا مستحق نہیں۔ دنیا کی دوسری قوموں کا بھی یہی حال تھا لیکن جو شریعت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں قائم کی اس میں مخصوص اشخاص، مخصوص خاندان اور مخصوص طبقہ کی حاجت نہ تھی بلکہ ہر شخص جو اسلام کا کلمہ گو تھا اس رتبہ کا مستحق ہو سکتا تھا۔

تعلیم و تربیت

تعلیم وارشاد کے مختلف طریقے تھے۔ ایک یہ کہ دس بیس دن یا مہینہ دو مہینہ رہ کر عقائد اور فقہ کے ضروری مسائل سیکھ لیتے تھے اور اپنے قبائل میں واپس جاتے تھے اور ان کو تعلیم دیتے تھے۔ مثلاً مالکؓ بن الحویرث جب سفارت لے کر آئے تو بیس دن قیام کیا اور ضروری مسائل کی تعلیم حاصل کی۔ جب چلنے لگے تو آپؐ نے فرمایا،

"اپنے خاندان میں واپس جاؤ۔ ان میں رہ کر ان کو امر شریعت کی تعلیم دو اور جس طرح مجھ کو نماز پڑھتے دیکھا ہے اسی طرح نماز پڑھو"

دوسرا مستقل طریقہ درس کا تھا یعنی لوگ مستقل طریقہ سے مدینہ میں رہتے تھے اور عقائد شریعت اور اخلاق کی تعلیم پاتے تھے۔ ان کے لیئے صفہ کا خاص درسگاہ تھا اور اس میں زیادہ تر وہ لوگ قیام کرتے تھے جو تمام دنیاوی تعلقات سے آزاد ہو کر شب و روز زہد و عبادت اور زیادہ تر خدمت علم میں مصروف رہتے تھے۔ اس وقت کی اصطلاح میں ان طالبانِ حق کو قراء کہتے تھے۔

Marfat.com

اصحاب صفہ اگرچہ اس قدر مفلس اور نادار تھے کہ کسی کے پاس ایک کپڑے سے زیادہ نہیں ہوتا تھا جس کو گردن سے باندھ کر گھٹنوں تک چھوڑ دیتے تھے کہ چادر اور تہمد دونوں کا کام دیتا تھا تاہم یہ لوگ پاؤں توڑ کر نہیں بیٹھتے تھے بلکہ جنگل میں جا کر لکڑیاں چن لاتے تھے اور ان کو بیچ کر آدھا خیرات کر دیتے تھے اور آدھا اخوان طریقت میں تقسیم ہوتا تھا۔ اس بنا پر تعلیم اور درس کا وقت رات کو مقرر کیا گیا بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس درسگاہ کے معلمین میں حضرت عبادہؓ بن الصامت بھی تھے جو مشہور صاحب علم تھے۔

عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج بہت کم تھا۔ لیکن اسلام آیا تو تحریر و کتابت کا فن بھی گویا ساتھ لے کر آیا۔ سب سے بڑی ضرورت قرآن مجید کے ضبط و تدوین کی تھی۔ اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع ہی سے کتابت کی ترویج کی طرف توجہ فرمائی۔ جنگ بدر کے ذکر میں گزر چکا ہے کہ اسیران جنگ میں سے جو لوگ فدیہ نہیں ادا کر سکے ان کو اس شرط پر رہا کیا گیا کہ مدینہ میں رہ کر لوگوں کو لکھنا سکھا دیں۔ اصحاب صفہ کو جو تعلیم دی جاتی تھی اس میں لکھنا بھی داخل تھا۔ چنانچہ حضرت عبادہؓ قرآن مجید کے ساتھ لکھنے کی بھی تعلیم دیتے تھے۔

مساجد کی تعمیر

خود مدینہ کے اندر بہت سے قبائل آباد تھے۔ ہر قبیلہ کا الگ الگ محلہ تھا اور ہر محلہ میں ایک ایک مسجد تھی۔ ابو داؤد نے کتاب المراسیل میں بسند لکھا ہے کہ صرف مدینہ کے اندر آپؐ کے زمانہ میں نو مسجدیں تھیں جہاں الگ الگ جماعتیں ہوتی تھیں۔ روایتوں سے یہ بھی ثابت ہے کہ اشاعت اسلام کے ساتھ مدینہ سے باہر عرب کے گوشہ گوشہ میں مسجدیں بنتی جاتی تھیں جہاں دن میں پانچ بار خدا کا نام پکارا جاتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوات میں معمول کر لیا تھا کہ رات بھر انتظار فرماتے تھے۔ صبح کو جہاں سے اذان کی آواز آتی وہاں حملہ نہ فرماتے۔ چنانچہ ایک سفر جہاد میں آپؐ کے کانوں میں ایک طرف سے اللہ اکبر کی آواز آئی تو آپؐ نے فرمایا:

"یہ تو فطری شہادت ہے۔"

اس کے بعد آپؐ نے اشہد ان لا الہ الا اللہ کی آواز سنی تو فرمایا:

Marfat.com

"آگ سے نجات ہوگی۔"

صحابہؓ نے ادھر اُدھر نگاہ دوڑائی تو معلوم ہوا کہ بکریوں کے چرواہے کی آواز ہے۔ تمام مجاہدین اسلام کو بھی یہی حکم تھا۔ چنانچہ ایک بار آپؐ نے ایک سریہ کو روانہ کیا تو یہ وصیت فرمائی:

"اگر کہیں مسجد دیکھو یا اذان کی آواز سنو تو وہاں کسی شخص کو قتل نہ کرو۔"

اگرچہ اس وقت کی عام عزبت اور سادگی کی وجہ سے جو مسجدیں تعمیر ہوتی تھیں وہ ایک زمانہ ممتد تک قائم نہیں رہ سکتی تھیں اس لئے ان باقیات صالحات کا بہت بڑا حصہ صفحۂ ہستی سے مٹ گیا اور ان کے ساتھ ان کا نام اور ان کی تاریخ بھی مٹ گئی تاہم جو مسجدیں مدتوں قائم رہیں اُن کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کا کوئی گوشہ ان مذہبی یادگاروں سے خالی نہ تھا۔

عرب کے عام قبائل سے بحرین کا ایک قبیلہ عبدالقیس اسلام لا چکا تھا۔ اس قبیلہ نے ایک مسجد تعمیر کی تھی۔ چنانچہ اسلام میں مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلے جمعہ کی نماز اسی مسجد میں ادا کی گئی۔ اہل طائف جب اسلام لائے تو آپؐ نے ہدایت فرمائی کہ خاص اس جگہ مسجد تعمیر کرائیں جہاں ان کا بت نصب تھا۔ حضرت طلقؓ بن علی سے روایت ہے کہ جب ہماری قوم کے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے عرض کی کہ ہمارے ملک میں ایک گرجا ہے تو آپؐ نے اپنے وضو کا پانی عنایت فرمایا اور ہدایت کی کہ گرجے کو توڑ ڈالو اور وہاں یہ پانی چھڑک کر مسجد بناؤ۔ چنانچہ جب وہ لوگ واپس آئے تو حسب ارشاد مسجد تعمیر کرلی۔

قبائل کی ضروریات کے علاوہ مسجدوں کی تعمیر کا ایک بڑا سبب یہ ہوتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم راہ میں جہاں کہیں نماز پڑھتے تھے وہاں صحابہ تبرکاً مسجد تعمیر کر لیتے تھے حافظ ابن حجر نے ان کے حسب ذیل نام گنائے ہیں۔ مسجد قبا، مسجد الفضیح، مسجد بنی قریظہ، مشربہ ام ابراہیم، مسجد بنی ظفر یا مسجد بغلہ، مسجد بنی معاویہ، مسجد فتح، مسجد قبلتین۔ حافظ ابن لو بہر نے یہ بھی لکھا ہے کہ مدینہ اور اطراف مدینہ میں جو مسجدیں منقش پتھروں سے تعمیر ہوئی ہیں

ان سب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی ہے کیونکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جب ان مساجد کی تجدید کی تھی تو اہل مدینہ سے اس کی تحقیق کر لی تھی۔

آئمہ نماز کا تقرر

مساجد کی تعمیر کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری تھا کہ مختلف قبائل کے لئے الگ الگ امام مقرر کر دیئے جائیں۔ امامت کے انتخاب کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند امام مقرر فرما دیئے تھے۔

"ابو مسعودؓ انصاری سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جماعت کی امامت وہ کرے جو سب سے زیادہ کلام اللہ پڑھا ہو۔ اگر اس میں سب برابر ہوں تو جو سنت سے سب سے زیادہ واقف ہو۔ اگر اس میں بھی مساوات ہو تو جس نے پہلے ہجرت کی تھی اور اس میں بھی سب برابر ہوں تو جس کی عمر زیادہ ہو۔"

جب کوئی ایسا قبیلہ خدمت اقدس میں حاضر ہوتا تو آپ پوچھتے کہ تم میں سب سے زیادہ حافظ قرآن کون ہے؟ اگر کوئی ایسا شخص ہوتا تو لوگ اس کا نام لیتے اور آپ اس کو اس عہدہ پر خود ممتاز فرماتے۔ چنانچہ اہل طائف کے امام عثمان بن ابی العاص اسی طرح مقرر ہوئے تھے۔ اور سب مساوی الحیثیت ہوتے تو ارشاد ہوتا تم میں جو بڑا ہو وہ جماعت کی امامت کرے۔ مالکؓ بن حویرث جب اپنی قوم کی طرف سے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی ارشاد فرمایا۔

مدینہ میں، مدینہ سے باہر اطراف میں، عرب کے مختلف صوبوں میں جہاں جہاں مسجدیں تعمیر ہوئی تھیں ظاہر ہے کہ وہاں ہر جگہ الگ الگ امام مقرر ہوئے ہوں گے۔ جن قبائل میں عمال مقرر ہوتے تھے وہی ان کے امام بھی ہوتے تھے۔ بڑے بڑے مقامات پر یہ عہدے الگ الگ ہوتے تھے۔ عمان میں حضرت عمرو بن العاص حاکم تھے اور ابوزید انصاری امام لیکن افسوس ہے کہ احادیث وسیر کی کتابوں میں نام بنام ان کی مستقل تفصیل مذکور نہیں ہے

Marfat.com

ضمنی واقعات میں جہاں تک سراغ مل سکا ہے وہ حسب ذیل ہے:۔

نام	مقام تقرر	کیفیت
۱۔مصعبؓ بن عمیر	مدینہ منورہ	ہجرت نبویؐ سے پہلے انصار کی امامت کرتے تھے۔
۲۔سالم مولیٰؓ ابی حذیفہ	مدینہ منورہ	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے مہاجرین کے امام تھے۔
۳۔ابن اُم مکتومؓ	مدینہ منورہ	جب آپؐ مدینہ سے باہر غزوات میں تشریف فرما ہوتے تو اکثر صحابہ بھی ہمرکاب ہوتے لیکن چونکہ یہ آنکھوں سے معذور تھے اس لئے مدینہ ہی میں رہتے تھے۔اسی سبب سے اس موقع پر ان ہی کو آپؐ امام مقرر فرما جاتے۔
۴۔ابوبکرؓ صدیق	مدینہ منورہ	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم تشریف آوری پر مسجد نبویؐ میں امام ہوتے تھے۔
۵۔عتبانؓ بن مالک	بنو سالم	اپنے قبیلہ کے امام تھے۔
۶۔معاذ بن جبل	بنو سلمہ	ایضاً
۷۔ایکؓ انصاری	مسجد قبا	ایضاً
۸۔عمروؓ بن سلمہ	بنو جرم	ایضاً
۹۔اسیدؓ بن حضیر	..	ایضاً
۱۰۔انسؓ بن مالک یا کوئی	بنو نجار	ایضاً
۱۱۔دوسرے صحابی	..	ایضاً
۱۲۔مالکؓ بن حویرث	..	ایضاً
۱۳۔عتابؓ بن اسید	مکہ معظمہ	ایضاً
۱۴۔عثمانؓ بن ابی العاص	طائف	ایضاً

Marfat.com

۱۵۔ ابوزید رضؓ انصاری	عمان	اپنے قبیلہ کے امام تھے۔

مؤذنین

عام طور پر اذان کے لئے کوئی خاص شخص منتخب نہیں کیا جاتا تھا تاہم چند مثالوں سے قیاس ہوتا ہے کہ بڑی بڑی مسجدوں میں یہ عہدہ الگ آپؐ نے قائم فرمایا تھا۔

بلال رضؓ بن رباح	مدینہ منورہ	مؤذن مسجد نبوی
عمرو رضؓ بن ام مکتوم قرشی	ایضاً	ایضاً
سعدؓ القرظ	عوالی مدینہ	مؤذن مسجد قبا
ابو محذورہ رضؓ جمحی قرشی	مکہ مکرمہ	مؤذن مسجد حرام

عقائد اور اسلام کے اصول اوّلین

یہ تمام انتظامات اور نظم و نسق اسلام کا حقیقی نصب العین نہ تھا بلکہ یہ اس لئے تھا کہ ملک میں امن و امان پیدا ہو اور ایک منظم اور باقاعدہ حکومت کا وجود ہو تا کہ مسلمان بے روک ٹوک اور بلا مزاحمت اپنے مذہبی فرائض انجام دے سکیں۔ ہجرت سے آٹھ برس تک کا زمانہ تمام تر مخالفوں کی شورشوں اور ہنگاموں کی مدافعت اور ملک میں امن و امان قائم کرنے میں گزرا۔ اسی لئے آٹھ برس کی وسیع مدت میں فرائض اسلام سے جو چیز ہر جگہ اور ہر موقع پر نمایاں نظر آتی ہے وہ صرف جہاد ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غزوات کی مصروفیت اور ملک میں بدامنی کی وجہ سے اکثر فرائض دیر میں فرض ہوئے اور جو پہلے فرض ہو چکے تھے اُن کی تکمیل بھی بتدریج اسی زمانہ میں ہوتی رہی۔ سب سے بڑا نکتہ احکام کے تدریجی نزول میں یہ تھا کہ ان سے مقصود محض عربوں کو ان کا بتا دینا نہیں تھا بلکہ عملاً ان کی زندگی کو ان پر کاربند بنا دینا تھا۔ اس لئے نہایت آہستہ آہستہ بتدریج ترتیب کے ساتھ اُن کو آگے بڑھایا گیا۔ اسی نکتہ کو حضرت عائشہ رضؓ نے نہایت خوبی سے بیان فرمایا ہے کہ

"پہلے عذاب و ثواب کی آیتیں نازل ہوئیں۔ جب دلوں میں استعداد اور رقت پیدا ہو

گئیں تو احکام نازل ہوئے، ورنہ اگر پہلے ہی دن یہ حکم ہوتا کہ شراب نہ پیو تو کون مانتا۔"

مکہ معظمہ کے قیام تک روزہ سرے سے فرض نہیں ہوا۔ مدینہ منورہ میں روزے فرض ہوئے لیکن زکوٰۃ کی فرضیت سات آٹھ سال کے بعد ہوئی۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ رات دن کی معرکہ آرائیوں سے مالی حالت اس حد تک پہنچنے کہاں پائی تھی کہ زکوٰۃ کی فرضیت کا موقع آتا۔ فتح مکہ سے پہلے مسلمان اس سرزمین مقدس پر قدم نہیں رکھ سکتے تھے اس لئے اس وقت تک حج بھی فرض نہ ہوا۔ نماز روزانہ کا فرض ہے اور یہ فرض اسلام کے وجود کے ساتھ آیا لیکن اس کی تکمیل بتدریج ہجرت کے چھ سات برس کے بعد ہوئی۔ ۶ھ تک نماز میں بات چیت کرنا جائز تھا اور کوئی باہر کا آدمی سلام کرتا تو نمازی عین نماز میں جواب دیتے تھے۔

اسلام کے فرائض اولین عقائد ہیں یعنی توحید، رسالت، ملائکہ، قیامت، حشر و نشر وغیرہ پر ایمان لانا۔ مکہ معظمہ کے قیام کے زمانہ میں جس قدر آیتیں نازل ہوئیں وہ بیشتر عقائد سے متعلق تھیں۔ شرک اور بت پرستی کی برائی، خدا کی عظمت و جلال کا اظہار، قیامت کا ہولناک سماں اور جنت و دوزخ کا پر اثر بیان، رسالت کے خواص اور اس کی ضرورت کے دلائل۔ مکہ میں تیرہ برس تک یہی مطالب ادا ہوتے رہے۔

غرض عقائد کے تمام اجزا اگرچہ آغاز اسلام ہی میں لوگوں کو سنائے جا چکے تھے لیکن کئی آیتوں کے استقصار سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر ایک کا بیان الگ الگ ہوتا تھا۔ عقائد کا مسلسل بیان سورۂ بقرہ اور سورۂ نساء میں ہے اور یہ دونوں سورتیں مدینہ میں نازل ہوئیں۔ سورۂ نساء کی آیت یہ ہے جس میں بالتفصیل بتایا گیا ہے کہ جو لوگ مسلمان ہو چکے ہیں ان کے کیا عقائد ہونے چاہئیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ	اے وہ لوگو! جو ایمان لا چکے ہو ایمان
وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ	لاؤ، خدا پر اس کے رسول پر اور اس
عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ	کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری
مِنْ قَبْلُ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓىٕكَتِهٖ	اور اس کتاب پر جو اس سے پہلے اتاری

Marfat.com

وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا۔

اور جو شخص خدا کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا، اُس کے پیغمبروں کا اور روز آخرت کا انکار کرے گا وہ سخت گمراہ ہوا۔

احادیث کتاب الایمان میں بہت سے ایسے واقعات ہیں جن میں لوگوں نے آپؐ سے اسلام اور ایمان کے معنی دریافت کئے ہیں اور آپؐ نے سائل کی یا وقت کی مناسبت سے مختلف جوابات دیئے ہیں۔ ایک دفعہ آپؐ صحابہ کے مجمع میں تشریف فرما تھے۔ اس اثنا میں ایک شخص نے آکر سوال کیا "ایمان کیا چیز ہے؟"

آپؐ نے فرمایا "ایمان یہ ہے کہ خدا پر، فرشتوں پر، خدا کی ملاقات پر، اُس کے پیغمبروں اور مرنے کے بعد جی اٹھنے پر یقین ہو"

اُس نے پوچھا "اور اسلام کیا ہے؟"

فرمایا "اسلام یہ ہے کہ صرف خدا کو پوجو، کسی کو اُس کا شریک نہ بناؤ۔ نماز پڑھو، فرض زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو"

اُس نے پھر دریافت کیا کہ "احسان کس کو کہتے ہیں؟"

ارشاد ہوا کہ "خدا کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ تم اُس کو دیکھ رہے ہو۔ کیونکہ اگر تم اُس کو نہیں دیکھتے تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے"

یہ اصول اسلام کا تقریباً کامل نقشہ ہے۔ غالباً یہ سوال و جواب فتح مکہ یعنی ۸ھ سے پہلے کا واقعہ ہے کیونکہ اس میں حج کا ذکر نہیں ہے۔ تاہم اس قدر اطمینان حاصل ہو چکا تھا کہ تکمیل عبادت کے لئے خضوع و خشوع کی قید بھی اضافہ کی جائے۔ اصول اسلام کا آخری اعلان یہ ہے:۔

"اسلام کی بنا پانچ باتوں پر ہے۔ اس بات کی گواہی کہ خدا کے سوا کوئی اور خدا نہیں محمدؐ اُس کے پیغمبر ہیں۔ نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا، رمضان کے روزے رکھنا"

رفتہ رفتہ ایمان اور اسلام کے اصول کلیہ کی جب تکمیل ہو چکی تو اُس کے جزئیات اور دیگر لوازم کی بھی تعلیم دی گئی۔ آپؐ نے فرمایا کہ "ایمان کی کچھ اوپر ساٹھ شاخیں ہیں جن میں ایک شاخ

Marfat.com

حیا ہے۔" ایک دفعہ فرمایا: "بہترین اسلام یہ ہے کہ مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ رہے۔" ایک اور صاحب کے جواب میں فرمایا کہ "بہترین اسلام یہ ہے کہ محتاجوں کو کھانا کھلاؤ اور کسی سے جان پہچان ہو یا نہ ہو مگر اس کو سلام کرو۔" یہ بھی فرمایا کہ "اس وقت تک تم مومن نہیں جب تک اپنے بھائی کے لئے وہی پسند نہ کرو جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو۔" غرض اسلام کے تمام اصول و فروع کی تعلیم اسی طرح بتدریج تکمیل کو پہنچ گئی اور آخر ۹ ذوالحجہ ۱۰ھ جمعہ کے روز وہ ساعت آئی جب خدا نے فرمایا:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ	آج ہم نے تمہارا مذہب مکمل کر دیا۔
اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ ۔	اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔

عبادات

توحید و رسالت کے علاوہ بقیہ چار چیزیں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ عبادت میں داخل ہیں۔ ان میں سب سے اوّل شے نماز ہے۔ نماز کی صحت کے لئے متعدد شرطیں ہیں۔ سب سے اوّل اور ضروری شرط طہارت ہے۔

طہارت کے معنی یہ ہیں کہ جسم اور لباس ظاہری اور معنوی ہر قسم کی نجاستوں سے پاک ہو۔ طہارت کو اسلام میں جو اہمیت حاصل ہے اس کا اندازہ اس سے کرو کہ دوسری ہی دفعہ کی وحی سے جب احکام اور فرائض کا آغاز ہوا تو توحید کے بعد دوسرا حکم طہارت ہی کا دیا گیا۔ نماز سے پہلے وضو کرنا فرض ہے۔ اس فرضیت کا ثبوت ابتدائے اسلام سے ثابت ہوتا ہے۔ تاریخ و سیر اور بعض روایات حدیث میں ہے کہ وضو کا طریقہ آغاز وحی ہی میں حضرت جبرئیلؑ نے آپؐ کو سکھایا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتداً لوگ نہایت جلدی جلدی وضو کر لیتے تھے۔ کچھ حصہ بھیگتا تھا کچھ نہیں بھیگتا تھا۔ ۸ھ میں یا اس کے بعد کے کسی سفر میں آپؐ مکہ سے واپس آ رہے تھے، کچھ لوگ جھپٹ کر تالاب کے پاس پہنچے اور جلدی جلدی ہاتھ منہ دھو لیا۔ ایڑیاں کچھ بھیگیں کچھ خشک رہیں۔ آپؐ نے فرمایا:

"ان ایڑیوں پر دوزخ کی پھٹکار ہے، وضو کو کامل کرو۔"

Marfat.com

اس وقت سے "اسباغ وضو" یعنی سکون اور طمانیت کے ساتھ وضو کے تمام فرائض ادا
کرنا لازم قرار دیا گیا۔ اسباغ وضو کے فضائل آپؐ نے بیان فرمائے۔ ابتداءً وضو ٹوٹے یا
ٹوٹے ہر نماز کے وقت تازہ وضو کرتے تھے۔ لیکن آخر عام مسلمانوں پر جبر ہونے کے خیال سے
ہر وقت ضروری نہ رہا اور اس کا اعلان آپؐ نے عملاً فتح مکہ کے وقت فرمایا۔

وضو کے لئے پانی کی ضرورت ہے لیکن ہر وقت سفر میں اس کا ملنا مشکل ہے۔ نیز بیماری
کی حالت میں پانی کا استعمال کبھی مضر ہے۔ اس لئے ۵ھ میں تیمم کی آیت نازل ہوئی

"اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی جائے ضرور سے آئے یا تم نے
عورتوں سے مقاربت کی ہو اور پانی میسر نہ آئے تو طاہر مٹی لے کر اس سے
تیمم یعنی منہ اور ہاتھوں کا اس سے مسح کر لو۔ اللہ تم پر کسی طرح تنگی کرنا نہیں چاہتا
بلکہ یہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک وصاف کر دے اور اپنا احسان تم پر پورا کر دے
تاکہ تم شکر گزار بنو۔" (مائدہ)

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ غزوہ بنی مصطلق (۵ھ) سے آپؐ واپس آرہے
تھے۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ ساتھ تھیں۔ مدینہ کے قریب جب قافلہ پہنچا تو اتفاقاً ام المومنین
کا ہار کہیں گر گیا۔ سارا قافلہ وہیں اتر پڑا۔ نماز کا وقت آیا تو پانی نہ ملا۔ تمام صحابہ پریشان خاطر
تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی۔ اتنے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ مسلمانوں کو اس
سے بڑی خوشی ہوئی۔ اسیدؓ بن حضیر ایک صحابی نے کہا:

"اے آل ابی بکرؓ! تم لوگوں کے لئے سرمایۂ برکت ہو۔"

نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ فرض ہوئی لیکن چونکہ تین برس تک
دعوت اسلام مخفی رہی اور کفار کے ڈر سے علانیہ نماز پڑھنا ممکن نہ تھا، اس لئے صرف رات
کو دیر تک نماز پڑھتے رہنے کا حکم تھا۔ دن میں کوئی نماز فرض نہیں ہوئی۔ اس کے بعد صبح و شام
کی دو دو رکعتیں اور فرض ہوئیں۔ رات کو دیر تک نماز پڑھنے کا جو حکم تھا ایک سال تک قائم رہا۔
چنانچہ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ آپؐ کا اور اکثر صحابہ کا ایک سال تک اسی پر عمل رہا۔ نماز
پڑھتے پڑھتے ان کے پاؤں سوج جاتے تھے۔ ایک سال کے بعد فرضیت منسوخ ہو گئی اور

Marfat.com

حکم ہوا :۔

"تیرا پروردگار جانتا ہے کہ دو تہائی رات سے کم اور آدھی رات اور تہائی رات تک نماز پڑھا کرتا ہے اور کچھ لوگ اور تیرے ساتھ۔ خدا ہی رات اور دن کا اندازہ کرتا ہے۔ اُس نے جان لیا کہ تم اس کو گن نہیں سکتے۔ تم پر اُس نے مہربانی کی۔ اب جتنا ہو سکے اتنا ہی قرآن نماز میں پڑھو۔ اُس نے جان لیا کہ تم میں بیمار بھی ہوں گے۔ مسافر بھی ہوں گے جو خدا کی روزی ڈھونڈنے کو سفر کریں گے۔ لوگ خدا کی راہ میں سفر جہاد کریں گے۔ پس اب جتنا ہو سکے اتنا ہی پڑھو"

رات کی اس نفل نماز کا نام تہجد ہے۔ نماز نفل کے تہجد ہو جانے کے بعد فجر، مغرب اور عشاء تین وقت کی نمازیں فرض ہوئیں۔ معراج میں جو نبوت کے پانچویں سال ہوئی پانچ وقت کی نمازیں فرض ہوئیں۔ لیکن رکعتیں دو ہی رہیں۔ مدینہ منورہ میں آکر جب نسبتاً کسی قدر اطمینان ہوا تو اس فرض نے وسعت حاصل کی اور دو کے بجائے چار رکعتیں فرض ہو گئیں۔

پہلے لوگ نماز میں آنکھ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھ لیا کرتے تھے۔ بالآخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"یہ کیسے لوگ ہیں کہ نماز میں آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا کرتے ہیں"

ایک مدت تک یہ حالت تھی کہ نماز پڑھنے میں کوئی کام یاد آ جاتا تو کسی سے کہہ دیتے یا کوئی سلام کرتا تو نماز ہی میں جواب دیتے۔ پاس پاس کے آدمی نماز میں باہم باتیں کیا کرتے۔ جب مہاجرین حبش ۲ھ میں واپس آکر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول تھے۔ معمول کے موافق لوگوں نے سلام کیا لیکن جواب نہیں ملا۔ نماز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا نے اب حکم دیا ہے کہ نماز میں باتیں نہ کرو۔ اس وقت سے بات چیت کرنا یا سلام کا جواب دینا بالکل منع ہو گیا۔

تشہد کا جو طریقہ اب ہے پہلے نہ تھا۔ مختلف اشخاص کے نام لے کر کہتے تھے السلام علی فلاں وفلاں۔ بالآخر التحیات کے خاص الفاظ سکھائے گئے جواب نماز میں معمول بہا ہیں۔

قرآن مجید میں آیت اتری۔ قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ

Marfat.com

خَاشِعُوْنَ - یعنی فلاح پانے والے مسلمان وہ مسلمان ہیں جو خشوع کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں۔ اس بنا پر نماز میں ادھر اُدھر دیکھنا یا کوئی حرکت خضوع و خشوع کے خلاف کرنا منع ہو گیا۔ نماز کے تمام ارکان کا نہایت سکون اور اطمینان کے ساتھ ادا کرنا لازمی قرار پایا۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نماز ادا کی اور تمام ارکان ٹھہر ٹھہر کر اچھی طرح نہیں ادا کیئے تو آپؐ نے اُس سے فرمایا کہ "تم نے نماز نہیں پڑھی جا کر پھر پڑھو" اُس نے دوبارہ اسی طرح ادا کی۔ آپؐ نے فرمایا کہ "نماز نہیں ہوئی" تیسری دفعہ اُس نے پوچھا کہ کیونکر پڑھوں آپؐ نے رکوع، سجدہ، قیام سب کی نسبت ہدایت کی کہ نہایت اطمینان کے ساتھ ادا کیئے جائیں۔

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت اور تعلیم سے یہ حالت ہوئی کہ ایک انصاری نماز کی حالت میں تین دفعہ تیر کا زخم کھاتے ہیں لیکن نماز نہیں توڑتے کہ جو سورہ انہوں نے شروع کیا تھا اس کی لذت معنوی اس درد زخم سے زیادہ تھی۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ حضرت عمرؓ فاروق نماز میں زخم کھا کر گرتے اور تڑپتے ہیں۔ یہ قیامت خیز منظر سب کے سامنے ہے لیکن ایک شخص مڑ کر نہیں دیکھتا۔ کیونکہ خشیتِ الٰہی اور محویت کا عالم جو دلوں پر طاری ہے۔ وہ اور کسی طرف متوجہ ہونے نہیں دیتا۔

نمازِ جمعہ اور عیدین

مکہ میں چار شخصوں کا یک جا ہو کر نماز ادا کرنا ناممکن تھا۔ اس لیئے جمعہ کی نماز فرض نہ تھی کیونکہ جمعہ کی پہلی شرط جماعت ہے۔ لیکن مدینہ منورہ میں انصار کی ایک بڑی جماعت اسلام لا چکی تھی اور کوئی شخص ادائے نماز میں خلل انداز نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل جو مسلمان مدینہ آ چکے تھے اسعدؓ بن زرارہ کی تحریک سے بنی بیاضہ کے محلہ میں انھوں نے جمعہ کی سب سے پہلی نماز ادا کی۔ مصعبؓ بن عمیر امام تھے اور کل چالیس مسلمان نمازی تھے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو پہلے قبا میں قیام فرمایا۔ یہاں سے روانگی کے لیئے آپؐ نے قصداً جمعہ کا دن متعین فرمایا۔ بنی سالم کے محلہ میں پہنچے تو نماز کا وقت آ گیا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے

Marfat.com

نماز جمعہ یہیں ادا فرمائی۔ یہ اواخر ربیع الاوّل سنہ ۱ھ کا واقعہ ہے۔ مدینہ سے باہر عرب کے دوسرے حصّوں میں مسلمانوں کی یک جا تعداد سب سے زیادہ جواثی میں تھی جو بحرین میں واقعہ تھا۔ حضرت ابن عباس رض کی روایت ہے کہ مسجد نبوی ؐ کے بعد سب سے پہلے نماز جمعہ یہیں قائم ہوئی۔

عید کی نماز بھی مدینہ ہی میں آکر قائم ہوئی۔ لیکن جس سال آپؐ تشریف لائے اس سال عید کی نماز نہیں ہوئی بلکہ سنہ ۲ھ میں مسنون ہوئی جس کی وجہ یہ ہے کہ عید کی نماز روزہٴ رمضان کے تابع ہے اور رمضان کے روزے دوسرے سال فرض ہوئے۔

صلوٰۃ خوف

صلوٰۃ الخوف کا حکم غزوہ ذات الرقاع سنہ ۵ھ میں نازل ہوا۔ اسی غزوہ کا نام بعض راویوں نے غزوہ نجد بتایا ہے۔ جنگ میں یہ حکم ہے کہ تمام فوج کے دو ٹکڑے کر دیئے جائیں۔ پہلے ایک جماعت ہتھیاروں سے مسلح ہو کر امام کے پیچھے کھڑی ہو اور نماز قصر ادا کرے۔ پھر بہ ترتیب یہ آگے بڑھے اور دوسری جماعت جو دشمن کے مقابلہ میں تھی وہ پیچھے ہٹے اور وہ بھی قصر نماز ادا کرے امام اپنی جگہ پر قیام کرے۔

روزہ

اسلام سے پہلے قریش عاشورہ کے دن روزہ رکھتے تھے۔ اس دن خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس دن روزہ رکھتے تھے اور عجب نہیں کہ آپؐ کی تبعیت میں دوسرے صحابہ بھی روزہ رکھتے ہوں۔ سنہ ۵ نبوی میں یعنی ہجرت سے آٹھ برس پہلے حضرت جعفر رض نے حبش کے نجاشی کے سامنے اسلام پر جو تقریر کی تھی اس میں روزہ کا ذکر بھی موجود ہے۔ [redacted] غالباً اسی دن کا روزہ ہوگا۔ اس کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو دیکھا کہ یہود بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں۔ آپؐ نے لوگوں سے وجہ پوچھی لوگوں نے بیان کیا کہ حضرت موسیٰ ؑ نے اسی روز فرعون کے ہاتھ سے نجات پائی تھی۔

Marfat.com

آپؐ نے فرمایا: "تو ہم کو موسیٰؑ کی تقلید کا زیادہ حق ہے۔" چنانچہ آپؐ نے یہاں بھی عاشورہ کا روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی رکھنے کا حکم دیا۔ پھر ۲ھ میں رمضان کے روزے فرض ہوئے تو عاشورہ کا روزہ مستحب ہو گیا یعنی جس کا جی چاہتا تھا رکھتا تھا اور جو نہیں چاہتا تھا نہیں رکھتا تھا۔ لیکن آپؐ نے بہ نفس نفیس اس دن کا روزہ برابر رکھا۔ ۱۱ھ میں لوگوں نے عرض کی، یا رسول اللہ! یہود تو اس دن کی بڑی عزت کرتے ہیں۔ فرمایا، آئندہ سال ایک کے بجائے نو کو بھی روزہ رکھوں گا لیکن افسوس کہ آپؐ نے اسی سال وفات پائی۔

اہل عرب روزہ کے بہت کم خوگر تھے۔ اوّل اوّل روزہ اُن پر شاق ہوا۔ اس لیے نہایت تدریج کے ساتھ روزہ کی تکمیل کی گئی۔ اوّل اوّل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تو سال میں تین روزے رکھنے کا حکم دیا۔ پھر روزے کی فرضیت نازل ہوئی تو یہ اختیار رہا کہ جو شخص چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے روزہ کے بدلے ایک غریب کو کھانا کھلا دے۔ رفتہ رفتہ جب لوگ روزے کے خوگر ہو چلے تو یہ آیت اتری۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ — جو رمضان کا مہینہ پائے وہ ضرور روزہ رکھے۔

اب بالیقین روزہ فرض ہو گیا اور فدیہ کی اجازت جاتی رہی البتہ جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو اُس کے لیے یہ حکم ہوا کہ اس وقت روزہ توڑ دے اور ان کے بدلے کسی اور وقت قضا کر دے۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے۔ ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے گرد بھیڑ لگی ہوئی ہے اور اس پر لوگوں نے سایہ کر رکھا ہے۔ سبب پوچھا، معلوم ہوا کہ گرمی میں اس شخص نے روزہ رکھا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ:

"سفر میں روزہ رکھنا کچھ ثواب کی بات نہیں۔"

بعض لوگوں نے صوم وصال رکھنا چاہا یعنی رات دن روزہ رکھیں۔ بیچ میں افطار نہ کریں۔ آپؐ نے اس سے منع فرمایا۔

راتوں کو صبح صادق تک کھانے پینے اور تمام اشغال کی اجازت تھی۔ سحری کھانے کی فضیلت بیان کی اور یہ بھی فرمایا کہ صبح کے قریب کھائی جائے تاکہ دن بھر قوت باقی رہے۔

Marfat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"جو شخص روزہ میں جھوٹ فریب نہیں چھوڑتا، خدا کو اس کی فاقہ کشی کی کوئی حاجت نہیں ہے۔"

زکوٰۃ

خیرات اور زکوٰۃ کی ترغیب اور تحریص اسلام میں ابتدا ہی سے معمول بہ تھی۔ مکہ میں جو سورتیں اتریں ان میں زکوٰۃ کا لفظ تصریحاً مذکور ہے اور خیرات نہ دینے والوں پر عتاب ہے۔ مدینہ منورہ میں زیادہ تاکیدی آیتیں نازل ہوئیں۔ ۲ھ میں عید کے دن صدقہ فطر دینا واجب قرار پایا۔ ہجرت کے ابتدائی زمانہ میں عام مسلمان اور خصوصاً مہاجرین سخت فقر و فاقہ میں مبتلا تھے حدیثوں میں صحابہ کے فقر و تنگ دستی کے جو واقعات کثرت کے ساتھ مذکور ہیں اسی زمانہ کے ہیں۔ اس بنا پر یہ حکم ہوا کہ جس شخص کے پاس ضروری مصارف سے جو کچھ بچے سب کو خیرات کر دینا چاہئے ورنہ عذاب ہوگا۔ اب صدقہ و خیرات کی طرف یہ عام رغبت پیدا ہوئی کہ جو لوگ نادار تھے وہ صرف اس لئے بازار میں جا کر مزدوری کرتے اور کندھوں پر بوجھ لاد کر لوگوں کے پاس پہنچاتے تھے کہ مزدوری ملے تو خیرات کریں۔ بایں ہمہ ۸ھ تک زکوٰۃ فرض نہیں ہوئی۔ فتح مکہ کے بعد اس کی فرضیت ہوئی تو اس کے مصارف بیان کئے گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ممالک مقبوضہ میں زکوٰۃ کے وصول کرنے کے لئے محرم ۹ھ میں محصلین مقرر کئے۔

حج

دنیا میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا پرستی کے لئے عبادت گاہِ عام بنایا اور تمام دنیا کو وہاں آ کر عبادت کرنے کی دعوت دی۔ حضرت ابراہیمؑ کی دعوتِ عام پر دنیا نے لبیک کہا اور ہر سال عرب کے دُور دراز اطراف سے لوگ حج کو آتے تھے لیکن ایک طرف تو یہ افسوسناک انقلاب ہوا کہ جو گھر خالص توحید کے لئے تعمیر ہوا تھا وہ تین سو ساٹھ

Marfat.com

بتوں کا تماشاگاہ بن گیا۔ دوسری طرف اس گھر کی تولیت کا سب سے زیادہ جس کو حق تھا وہ یہاں سے نکلنے پر مجبور ہوا اور پورے آٹھ برس تک ادھر آنکھ اٹھا کر دیکھ بھی نہ سکا۔

بالآخر ظہور حق کا وقت آیا، مکہ فتح ہوا اور جانشین ابراہیمؑ اور ان کے مبلغین کو موقع ملا کہ شعائر ابراہیمی کو پھر زندہ کیا جائے۔ چنانچہ ۹ھ میں حج فرض ہوا تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال یہ فرض ادا نہیں کیا کہ عرب ننگے ہو کر طواف کعبہ کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسی بے حیائی کا منظر آنکھ سے دیکھنا گوارا نہیں فرما سکتے تھے۔ اس لئے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ ایام حج میں روانہ کئے گئے کہ کعبہ میں جا کر منادی کر دیں کہ آئندہ سے کوئی شخص عریاں ہو کر کعبہ کا طواف نہ کرنے پائے گا۔

ایک اور وجہ یہ تھی کہ نسئی کے قاعدہ سے حج کا مہینہ ہٹتے ہٹتے ذیقعدہ میں آگیا تھا چنانچہ ۹ھ کا حج اسی مہینہ میں ادا ہوا لیکن حج کا اصلی مہینہ ذوالحجہ تھا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سال کا انتظار فرمایا اور اس وقت حج ادا کیا جب وہ اپنے اصلی مرکز پر آگیا۔

حج کے اصلاحات

حج کی رسم اگرچہ کفار نے قائم رکھی تھی لیکن اس کی صورت بدل دی تھی۔ سب سے مقدم یہ کہ حج اور تمام عبادات کا مقصد خدا کا ذکر اور توجہ الی اللہ ہے لیکن اہل عرب جب حج میں جمع ہوتے تھے تو خدا کے بجائے اپنے باپ دادا کے مفاخر اور کارنامے بیان کرتے تھے اس بنا پر یہ آیت اتری۔

> "پھر جب حج کے ارکان پورے کر لو تو خدا کا ذکر کرو جس طرح اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے تھے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔" (سورۂ بقرہ)

خاص اہل مدینہ نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ منات جو بت تھا اس کا طواف کرتے تھے اور اس بنا پر جب کعبہ کا حج کرتے تھے تب بھی صفا و مروہ کا طواف نہیں کرتے تھے۔ حالانکہ حج کے مقاصد میں سے ایک بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگاریں قائم رکھی جائیں اور صفا و مروہ کا طواف اسی عہد کی یادگار ہے۔ اسی بنا پر یہ آیت اتری۔

Marfat.com

"صفا اور مروہ خدا کی یادگاریں ہیں اس لئے جو شخص حج یا عمرہ کرے تو اس کو ان دو مقاموں کا بھی طواف کرنا چاہئے۔" (بقرہ)

ایک طریقہ یہ جاری ہو گیا تھا کہ اکثر لوگ (آج کل کی طرح) جن کے پاس زادِ سفر نہیں ہوتا تھا یوں ہی چل کھڑے ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم متوکل ہیں۔ ان لوگوں کو اکثر راہ میں گداگری اور دوستوں کی دست گیری کا محتاج ہونا پڑتا تھا۔ اس بنا پر یہ آیت نازل ہوئی۔

"اور گھر سے زادِ سفر لے کر چلو کیونکہ اچھا زادِ سفر تقویٰ ہے۔"

احرامِ حج میں سر کے بالوں کا منڈوانا یا ترشوانا منع ہے لیکن اس میں اہلِ جاہلیت نے بہت سختی کر دی تھی۔ یہاں تک کہ بعض صاحبوں کے بالوں میں اس قدر جوئیں پڑ گئیں کہ بینائی جاتے رہنے کا خوف ہو گیا تاہم وہ بال نہ ترشوا سکے۔ اسلام میں چونکہ سب سے مقدم یہ امر پیشِ نظر ہے کہ اس کی عبادات اور احکام تکلیف مالا یطاق نہ بن جائیں۔ اس لئے حکم ہوا۔

"تو جو شخص بیمار ہو یا اُس کے سر میں کچھ عارضہ ہو تو وہ (اگر بال منڈائے) تو فدیہ ادا کرے یعنی یا روزہ یا خیرات یا قربانی۔"

قربانی جو کرتے تھے اس کا خون لے کر کعبہ کے در و دیوار پر ملتے تھے اور اس کو ثواب سمجھتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

"خدا کو قربانی کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا بلکہ تمہاری پرہیزگاری اس تک پہنچتی ہے۔"

رسومِ حج میں بڑی چیز جو قریش نے اصولِ اسلام کے خلاف قائم کر دی تھی یہ تھی کہ عرفات جو حج کا اصلی عبادت گاہ عام تھا نہیں جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اہلِ حرم ہیں۔ ہم حدودِ حرم سے نہیں جا سکتے۔ یہ ہمارے خاندان کی توہین ہے۔ اس لئے وہ صرف مزدلفہ تک جا کر ٹھہر جاتے تھے۔ باقی تمام عرب عرفات میں جمع ہوتے تھے اور وہاں سے چل کر مزدلفہ اور منیٰ میں آتے تھے۔ چونکہ اسلام کا اصول اصلی مساواتِ عامہ ہے اور عبادات میں سب یکساں ہیں اس لئے حکم آیا کہ

"پھر جب عرفات سے لوٹو تو مشعرِ حرام (مزدلفہ) کے پاس خدا کا ذکر کرو جس طریقہ

سے اُس نے تم کو ہدایت کی ہے۔ اور اس سے پہلے بے شک تم گمراہ تھے۔ پھر وہیں سے چلو جہاں سے اور لوگ چلتے ہیں اور خدا سے معافی مانگو وہ غفور اور رحیم ہے۔"

قربانی کے جانور کو چونکہ سمجھتے تھے کہ خدا پر چڑھا دیا گیا ہے اس لئے اس پر سوار نہیں ہوتے تھے اور پیدل چلنے کی تکلیف گوارا کرتے تھے۔ یہ رسم اسلام کے زمانہ تک قائم رہی ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب کو سفر حج میں دیکھا کہ قربانی کے اونٹ کے ساتھ ہیں لیکن خود پیدل جا رہے ہیں۔ آپؐ نے اُن سے فرمایا کہ "سوار ہو لو" بولے "یہ قربانی کے اونٹ ہیں" آپؐ نے دوبارہ فرمایا۔ انہوں نے دوبارہ وہی عذر کیا۔ آپؐ نے زجر کے ساتھ حکم دیا کہ "بیٹھ لو"

ایک قسم کا حج ایجاد کر لیا تھا جس کو حج مصمت کہتے تھے یعنی جو شخص حج کرتا تھا وہ آغاز حج سے اخیر تک منہ سے بولتا کچھ نہ تھا۔ اسلام نے اس تکلیف مالا یطاق سے منع کیا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ نے احمس کی ایک عورت کو جس کا نام زینب تھا دیکھا کہ کسی سے بات چیت نہیں کرتی۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ حج مصمت کی نیت کی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس سے کہا کہ یہ جائز نہیں ہے۔ یہ زمانہ جاہلیت کی بات ہے۔

سب سے بڑی بے حیائی کی بات یہ تھی کہ قریش (حمس) کے سوا عام عرب مرد و زن کعبہ کا برہنہ طواف کرتے تھے۔ حدود حرم میں آ کر تمام لوگ اپنے اپنے کپڑے اتار ڈالتے تھے اور عاریتاً کسی قریشی سے کپڑے مانگ لیتے تھے۔ اگر نہ ملتے تو ننگے کعبہ کے گرد گھومتے تھے۔ عورتیں بھی اسی طرح ننگی طواف کرتی تھیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

"اے آدم کے بیٹو! مسجدوں میں کپڑے پہن لیا کرو"

اس بنا پر ۹ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ صدیق کو بھیجا۔ انہوں نے عین موسم حج میں اعلان کیا کہ آئندہ کوئی برہنہ حج نہ کرنے پائے۔

معاملات ـــ وراثت

مسلمان جب ابتداً مدینہ آئے تو اس وقت یہ حالت تھی کہ باپ مسلمان ہے تو بیٹا کافر

Marfat.com

ہے۔ ایک بھائی کافر ہے تو دوسرا بھائی مسلمان ہے۔ اس حالت میں اقربا اور اعزہ کی وراثت کا قانون کیونکر نافذ ہو سکتا تھا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو آپؐ نے مہاجرین اور انصار میں مواخاۃ (برادری) قائم کردی۔ جس کی رو سے یہ قاعدہ مقرر ہو گیا کہ کوئی انصار مرتا تو اس کی وراثت مہاجرین کو ملتی۔ عرب میں پہلے بھی دستور تھا کہ دو آدمی آپس میں عہد کر لیتے کہ ہم دونوں آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ ان میں سے جب کوئی مرتا تو دوسرا وارث ہوتا۔ لیکن ۳ھ میں قرآن کی اس آیت نے اس قاعدہ کو منسوخ کر دیا۔

"قرابت مند ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہیں۔" (انفال)

اس کی رُو سے مواخات کی بنا پر وراثت موقوف ہو گئی اور خاندان اور ذوی الارحام میں وراثت محدود ہو گئی۔

آیت توریث کے نزول سے پہلے قرآن نے وصیّت کا قاعدہ جاری کیا تھا یعنی مرنے والا اپنے مال و جائداد کی نسبت یہ وصیت کر جاتا کہ اس میں سے اتنا اس کو دیا جائے اور اتنا اس کو ملے۔ مرنے کے بعد اسی طریقہ سے اس کی جائداد تقسیم کر دی جاتی۔ مرنے سے پہلے ہر مسلمان پر اس وصیّت کا مکمل کر جانا فرض تھا۔ جو لوگ حالت مسافرت میں مر جاتے اُن کے لئے گواہی اور شہادت کا قانون قرآن میں مقرر کیا گیا۔ گواہی کو چھپانا یا بدل دینا قانوناً جرم تھا۔

غزوۂ بدر کے بعد مسلمانوں کی تعداد میں کافی ترقی ہو تی گئی۔ خاندان کے خاندان مسلمان ہو گئے۔ اس لئے وراثت کے مخصوص قانون کی ضرورت ہوئی۔ پھر وصیّت کے قاعدہ میں بڑی دقت یہ تھی کہ ناگہانی موت کے موقع پر تقسیم جائداد کا کوئی اصول جاری کرنا ممکن نہ تھا مثلاً جہاد میں سینکڑوں مسلمان شریک ہوئے۔ اب کس کو معلوم ہے کہ کس کو شہادت ہو گی۔ اس حالت میں وصیّت نہ کر جانے سے رشتہ داروں میں جس کا قابو چل جاتا وہ جائداد پر قبضہ کر لیتا۔ چنانچہ غزوہ احد میں یہی موقع پیش آیا۔ سعدؓ بن الربیع جو بہت دولت مند صحابی تھے اس جنگ میں شہید ہوئے۔ ان کی بیوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں کہ سعدؓ آپ کی خدمت میں شہید ہوئے۔ انہوں نے دو لڑکیاں چھوڑی ہیں لیکن سعدؓ کے بھائی نے سعدؓ کی ساری جائداد پر قبضہ کر لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

Marfat.com

"خدا فیصلہ کرے گا"

پھر غالباً ۳ھ میں آیت نازل ہوئی جس میں وراثت کے تمام احکام مذکور ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سعدؓ کے بھائی کو بلا کر فرمایا کہ سعدؓ کے متروکہ میں سے دو تہائی ان کی بیٹیوں اور آٹھواں حصہ ان کی بیوی کو دو۔ اس کے بعد جو بچ رہے وہ تمہارا حق ہے۔

اہل عرب عورتوں کو وراثت سے محروم رکھتے تھے کہ وراثت اس کا حق ہے جو تلوار چلائے دنیا کی اور اکثر قوموں میں بھی یہی دستور تھا۔ یہ پہلا دن ہے کہ اس صنفِ ضعیف کی دادرسی کی گئی۔

وصیت

احکام وراثت کے بعد بھی وصیت کی اجازت باقی رہی لیکن چونکہ اس سے مستحقین وراثت کی حق تلفی کا اندیشہ تھا اس لئے وصیت کی تحدید کی ضرورت تھی۔ ۱۰ھ میں حضرت سعدؓ (عامؓ کے والد) بیمار ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کو گئے۔ انہوں نے عرض کی کہ میں مر رہا ہوں اور میرے صرف ایک ہی لڑکی ہے۔ چاہتا ہوں کہ دو تہائی مال خیرات کر دوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہیں دی۔ انہوں نے کہا تو نصف۔ آپؐ نے اس کو بھی قبول نہیں کیا۔ انہوں نے کہا ایک تہائی۔ آپؐ نے فرمایا:

"یہ بھی بہت ہے۔ وارثوں کو غنی چھوڑ کر مرنا اس سے اچھا ہے کہ وہ بھیک مانگتے پھریں"

"تاہم یہ مقدار آپؐ نے جائز رکھی۔ اس وقت سے وصیت ایک ثلث سے زیادہ ممنوع ہو گئی۔

وقف

وقف شریعت کا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ اسلام نے اس مسئلہ کو جس حد تک صاف کیا اس کا دوسرے مذاہب کے قوانین میں شائبہ تک موجود نہیں۔ اسی بنا پر شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں دعویٰ کیا ہے کہ اسلام طریقہ وقف کا موجد ہے۔ اسلام میں وقف کی تاریخ نہایت قدیم ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے پہلے ہی سال مدینہ میں مسجد

نبوی کی بنیاد جس زمین پر رکھی تھی وہ دو یتیموں کی ملکیت تھی۔ آپؐ نے قیمت دینی چاہی لیکن انہوں نے کہا:

"نہیں! ہم خدا کی قسم قیمت نہ لیں گے۔ ہم اس کی قیمت خدا سے لیں گے۔"

یہ اسلام کا پہلا وقف تھا اور نہایت سادہ صورت میں تھا۔ چنانچہ امام بخاریؒ اس حدیث کو وقف مشاع (مشترکہ جائداد کا وقف) کے ثبوت میں لائے ہیں۔ اس کے بعد ۳ھ یا ۴ھ میں جب یہ آیت نازل ہوئی:۔

"تم نیکی اس وقت تک نہیں پا سکتے جب تک خدا کی راہ میں وہ نہ دے دو جو تم کو سب سے محبوب ہے۔"

تو ابوطلحہ صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، بیرحا[1] مجھ کو سب سے زیادہ محبوب ہے میں اس کو خدا کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں اور اس کا ثواب اور اجر خدا سے چاہتا ہوں۔ آپؐ جس مصرف میں چاہیں اس کو رکھیں۔" چنانچہ آپؐ کے مشورہ سے انہوں نے اس کا منافع اپنے اعزہ پر وقف کیا۔

اب تک وقف کے لئے جو الفاظ استعمال ہوتے تھے وہ صرف یہ تھے کہ وہ ذاتی تصرف سے نکال کر خدا کی ملکیت میں دیا گیا۔ لیکن ۷ھ میں غزوہ خیبر کے بعد اس کی حقیقت بالکل واضح کر دی گئی۔ خیبر میں حضرت عمرؓ کو ایک زمین ملی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس کو وقف کرنا چاہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا "اگر چاہو اصل جائداد باقی رکھو اور منافع صدقہ کر دو۔" چنانچہ ان شرائط کے ساتھ وہ جائداد وقف ہوئی "اصل جائداد نہ بیچی جائے نہ ہبہ کی جائے اور نہ وراثت میں بانٹی جائے۔"

نکاح وطلاق

اسلام سے پہلے عرب میں کئی قسم کے نکاح کے طریقے جاری تھے۔ جن میں سے ایک

---

[1] ایک زمین کا نام ہے جو مدینہ میں واقع تھی۔

Marfat.com

کے سوا سب زنا سے مشابہ تھے۔ سب سے پہلے اسلام نے ان کو ناجائز ٹھہرایا۔ متعہ (محدود الوقت نکاح) جو زمانہ جاہلیت سے چلا آتا تھا بار بار حرام اور حلال ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ ۷ھ غزوہ خیبر میں قطعاً حرام ہو گیا۔ اگرچہ اس پر بھی اس کی ضرورت پیش آئی کہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں منبر پر کہا کہ:

"میں متعہ کو حرام کرتا ہوں یعنی متعہ کی حرمت جو اچھی طرح اب بھی ملک میں شائع نہ ہو سکی میں آج اس کا اعلان کرتا ہوں"

نکاح اور طلاق کے دیگر احکام مثلاً محرمات شرعی کا بیان، منہ بولے بیٹے کی بیوی کا حرام نہ ہونا، کثرت ازدواج کی تحدید، تعداد طلاق کی تعیین، زمانہ عدت کا بیان، مہر کا ضروری ہونا، ظہار یعنی ایک طریقہ طلاق جس میں اپنی بیوی کو محرمات سے تشبیہ دیتے تھے اور لعان یعنی شوہر کا اپنی بیوی کی عصمت پر شبہ کرنا اور باہم اپنی سچائی اور دوسرے کی دروغ گوئی کا دعوی کرنا۔ یہ تمام احکام قرآن مجید میں مذکور ہیں اور ان کے نزول کا زمانہ ۲ھ اور ۵ھ ہے۔

حدود و تعزیرات

حدود و تعزیرات کے اکثر قوانین ہجرت کے چند برس بعد نازل ہوئے لیکن انسان کی جان کی حرمت کا حکم مکہ ہی میں اتر چکا تھا۔ عرب میں اسلام سے پہلے بھی قتل و قصاص کے کچھ قوانین موجود تھے۔ یہود جو اس ملک میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ تورات کے حدود و تعزیرات کا مجموعہ ان کے پاس بھی موجود تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ عرب میں چونکہ منتظم حاکمانہ طاقت اور اخلاقی روح نہ تھی اس لئے وہ ان احکام کا نفاذ نہیں کر سکتے تھے۔ عرب میں ایک شخص کا قتل صدہا قبائل کی خانہ جنگی کا سلسلہ چھیڑ دیتا تھا۔ اس لئے غزوہ بدر کے بعد جب اسلام کے بازوؤں میں حاکمانہ زور آچلا تھا قصاص کا حکم نازل ہوا۔ یہودیوں میں خون بہا (دیت) کا قانون نہ تھا لیکن عرب میں یہ قانون تھا اور اسلام نے چند اصلاحات کے ساتھ اس کو باقی رکھا۔

اب تک قتل عمد اور قتل شبہ (یعنی غلطی سے قتل) میں کوئی تفریق نہ تھی۔ ۶ھ میں ایک مسلمان غلطی سے ایک مسلمان کے ہاتھ سے مارا گیا اور ایک مسلمان انصاری کے ہاتھ سے ایک قریشی

Marfat.com

قتل ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتول کے بھائی کو خوں بہا دے کر راضی کر لیا۔ اس کے بعد وہ منافقانہ اسلام لایا اور غداری سے انصاری کو قتل کر کے قریش میں جا کر مل گیا۔ ان واقعات کی بنا پر قتل شبہ کے متعلق متعدد احکام نازل ہوئے۔ حفاظت جان کا اعلان فتح مکہ کے موقع پر ہوا۔ جب آپ نے ارشاد فرمایا کہ "زمانہ جاہلیت کے تمام خون میرے دونوں پاؤں کے نیچے ہیں۔" اس کے بعد قتل خطا مشابہ بہ قتل عمد کے خوں بہا کی تحدید فرمائی۔ قتل خطا کا خوں بہا اہل قریہ کے لئے ۱۰۰۰ دینار مقرر کیا۔

۵ھ تک رہزنوں کے لئے کوئی حد مقرر نہ تھی۔ ۶ھ میں عکل و عرنیہ کے قبیلہ کے کچھ لوگ مدینہ آکر مسلمان ہوئے۔ یہاں کی آب وہوا ان کو راس نہ آئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر سے باہر چراگاہ میں ان کو قیام کی اجازت دی۔ ایک موقع پر مسلمان چرواہوں کو طرح طرح سے عذاب دے کر بڑی بے رحمی سے مار ڈالا اور مویشی لوٹ کر لے گئے۔ وہ گرفتار ہو کر آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کو اسی طرح عذاب کے ساتھ قتل کا حکم دیا۔ گو یہ برابر کا انتقام تھا تاہم اس میں کسی قدر بے رحمی تھی۔ اس لئے خدائے تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہوا اور ڈاکوؤں کے لئے علیحدہ احکام نازل ہوئے۔

جان کے بعد مال کا درجہ ہے۔ اسلام سے پہلے عرب میں چوروں کے لئے قطع ید کی سزا جاری تھی۔ اسلام نے بھی اس کو باقی رکھا۔ ۸ھ میں فتح مکہ کے موقع پر قبیلہ مخزوم کی ایک عورت نے اس جرم کا ارتکاب کیا۔ چونکہ وہ ایک شریف خاندان سے تھی۔ اس لئے مسلمانوں میں بڑا اضطراب پیدا ہوا۔ حضرت اسامہؓ بن زید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت چہیتے تھے۔ ان سے سفارش کرائی گئی۔ آپؐ بہت برہم ہوئے اور لوگوں کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ:

"تم سے پہلے لوگوں کی ہلاکت کا یہی سبب ہوا کہ وہ نچلے طبقہ کے لوگوں پر تو احکام جاری کرتے لیکن اوپر کے درجہ کے لوگ جب جرم کا ارتکاب کرتے تو ان سے درگزر کرتے۔ خدا کی قسم اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ لیتا۔"

Marfat.com

اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ لوگوں نے بے چون وچرا اس حکم کی تعمیل کی۔

عربوں میں زنا کی کوئی سزا مقرر نہ تھی۔ یہودیوں نے توراۃ کی رُو سے زانی کی سزا رجم (یعنی سنگسار کرنا) مقرر کی تھی۔ لیکن اخلاقی کمزوری کی بنا پر اس حکم کو جاری نہیں رکھ سکتے تھے اطراف مدینہ میں جو یہود آباد تھے، رجم کے بجائے انہوں نے یہ سزا مقرر کی تھی کہ مجرم کے منہ میں کالک لگا کر کوچہ و بازار میں اس کی تشہیر کرتے تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو انہوں نے ایک مجرم کا مقدمہ آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ غالباً یہ ۳ھ کے اندر کا واقعہ ہے۔ آپ نے استفسار فرمایا کہ تمہاری شریعت میں اس جرم کی کیا سزا ہے۔ انہوں نے اپنا رواج بتایا۔ آپ نے توراۃ منگوا کر ان سے پڑھوایا۔ انہوں نے رجم کی آیت پر انگلی رکھ کر چھپا دی۔ آخر ایک مسلمان یہودی نے نکال کر وہ آیت سنائی۔ آپ نے فرمایا:

"خداوندا یہ تیرا حکم ہے جس کو ان لوگوں نے مُردہ کر دیا ہے۔ میں سب سے پہلا شخص ہوں جو تیرے اس حکم کو زندہ کروں گا۔"

چنانچہ آپ نے اُس کے سنگسار کرنے کا حکم دیا اور وہ سنگسار کیا گیا۔

۵ھ میں سورۂ نور نازل ہوئی جس میں زنا کی سزا سو دُرّے قرار دی گئی۔ احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بن بیاہے کے لئے سو دُرّے اور بیاہوں کے لئے رجم کا حکم ہے۔ چنانچہ ۵ھ میں ایک مسلمان نے اس جرم کا ارتکاب کیا اور گو لوگوں کو اس کا علم نہ تھا لیکن دنیا کی سزا کو آخرت کے عذاب پر اُس نے ترجیح دی اور مجمع عام میں آکر بارگاہ نبوتؐ میں عرض پرداز ہوا کہ یا رسول اللہ! میں گنہگار ہوں۔ مجھے پاک کیجئے۔" آپ نے تحقیق فرمائی اور اُس کے رجم کا حکم دیا

ماکولات میں حلال وحرام

عرب میں کھانے پینے میں کسی چیز کا پرہیز نہ تھا اور نہ کوئی شے حلال یا حرام تھی۔ مُردار اور حشرات الارض تک کھاتے تھے۔ البتہ بعض بعض جانور جن کو بتوں کے نام پر چھوڑتے تھے ان کا ذبح کرنا گناہ سمجھتے تھے۔ بعض جانوروں میں یہ نذر مانتے تھے کہ مرد کھا سکتے ہیں، عورتیں نہیں۔ اگر بچہ مُردہ پیدا ہوا تو مرد و عورت دونوں کھا سکتے تھے اور زندہ ہوں تو صرف مرد

کھائیں۔ اسی قسم کے اور بعض بُت پرستانہ رسوم تھے۔ سورۂ انعام میں جو مکہ میں نازل ہوئی تھی، ان رسوم کا بہ تفصیل ذکر ہے۔ اسلام کے اکثر احکام گو مدینہ میں اترے لیکن ماکولات کی حلت وحرمت کے احکام مکہ ہی میں اترنے شروع ہو چکے تھے۔

سورۂ انعام اور سورۂ نحل میں چار چیزیں مُردار، خون، سور اور بتوں پر چڑھاوے حرام بیان کی گئیں۔ مدینہ طیبہ میں آکر پہلے سورۂ بقرہ میں تیسری بار یہ محرمات اربعہ بیان کئے گئے۔ مسلمانوں کی مالی حالت جیسے جیسے درست ہوتی جاتی تھی حلال وحرام کی تفریق بڑھتی جاتی تھی۔ لوگ عموماً مُردار اسی کو سمجھتے تھے جو بیمار ہو کر اپنی موت سے مر جائے۔ اس لئے اگر اور کسی سبب سے جانور مر جاتا تو اس کو حرام نہیں سمجھتے تھے۔ ہجرت کے چار پانچ سال کے بعد سورۂ مائدہ میں مُردار (میتہ) کی تفصیل بیان کی گئی۔ یعنی یہ کہ یا دہ گلا گھٹنے سے مرا ہو یا گردن ٹوٹنے سے مرا ہو یا اُوپر سے گر کر مرا ہو یا کسی جانور کا سینگ لگ کر مر گیا ہو یا کسی جانور نے اس کو پھاڑ ڈالا ہو۔ صرف وہ جانور حلال ہے جس کو تم نے ذبح کیا۔

۶ھ میں جب مسلمانوں کو خیبر کی فتوحات اور جاگیریں ہاتھ آئیں، تو جانوروں میں بھی حلال و حرام کی تفریق کی گئی اور اعلان کیا گیا کہ آج سے گدھا، درندہ جانور اور پنجہ دار پرند حرام ہیں۔ ۸ھ میں فتح مکہ کے بعد طے کے قبیلہ نے جو عیسائی تھا اسلام قبول کیا اور شام کے بعض عیسائی مسلمان ہوئے۔ یہ لوگ شکاری کتے پالتے تھے اور ان سے شکار کرتے تھے۔ اسلام لانے پر ان کو معلوم ہوا کہ مُردہ جانور حرام ہیں۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا حال عرض کیا۔ اس پر یہ آیت اتری:۔

"تجھ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لئے کیا حلال کیا گیا۔ کہہ دے کہ تمام ستھری چیزیں"۔

اس کے بعد یہ تفصیل ہے کہ شکاری جانور اگر سدھے ہوئے ہوں اور خدا کا نام لے کر چھوڑے جائیں تو ان کا شکار کیا ہوا کھانا حلال ہے۔

شراب کی حرمت

عرب کو شراب سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہ تھی۔ تمام ملک اس مرض میں مبتلا تھا۔ عرب

Marfat.com

کی شاعری کا موضوعِ اعظم شراب ہے۔ مصلحت کے لحاظ سے اسلام کے تمام احکام بتدریج آئے ہیں۔ اس لئے شراب بھی بتدریج حرام کی گئی۔

مدینہ میں شراب خوری کا رواج کس قدر زیادہ تھا۔ بڑے بڑے شرفاء علانیہ شراب پیتے تھے۔ عرب میں ایسے بھی نیک لوگ تھے جنہوں نے شراب پینی چھوڑ دی تھی اور اس کو خلاف اتقا سمجھتے تھے۔ ابھی تک اسلام نے اس کے متعلق کوئی اپنا فیصلہ نہ سنایا تھا۔ لوگوں نے پوچھنا شروع کیا کہ شراب کے متعلق کیا حکم ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا:

"اے خدا شراب کے بارے میں ہمارے لئے شافی بیان کر دے۔"

اس پر یہ آیت اتری:۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ	لوگ تم سے شراب اور جوئے کی بابت
قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ	دریافت کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ ان دونوں
لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا	میں بڑا گناہ ہے اور فائدے بھی ہیں۔
(بقرہ ۲۲)	لیکن فائدہ سے گناہ بڑھ کر ہے۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بھی لوگ شراب پیتے رہے۔ ایک دفعہ ایک انصاری نے حضرت علیؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی دعوت کی جس میں شراب بھی تھی۔ کھانے کے بعد مغرب کا وقت آگیا اور حضرت علیؓ نے نماز پڑھائی لیکن نشہ کے خمار میں کچھ کا کچھ پڑھ گئے۔ حضرت عمرؓ نے پھر دعا کی کہ خدایا شراب کے بارے میں صاف صاف بیان کر دے۔ اس پر یہ آیت اتری

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكَارٰى	نشہ کی حالت میں تم نماز نہ پڑھو یہاں
حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ۔ (نساء)	تک کہ جو تم کہو اس کو بھی سمجھ سکو۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد جب نماز کا وقت آتا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ایک منادی اعلان کرتا تھا کہ کوئی مخمور نماز میں شامل نہ ہونے پائے۔ لیکن چونکہ قطعی حکم نہ تھا اس لئے نماز کے سوا باقی اوقات میں لوگ بے تکلف پیتے پلاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے پھر وہی دعا کی۔ اسی زمانہ میں کچھ لوگ شراب پی کر اس قدر بدمست ہوئے کہ آپس میں مار پیٹ تک نوبت پہنچ گئی۔ اس پر یہ آیت اتری:۔

Marfat.com

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ (مائدہ)

مسلمانو! بے شبہ شراب اور جوا اور بت اور قمار کے تیر ناپاک ہیں اور شیطان کے کام ہیں تو تم اس سے باز آؤ کہ تم کو فلاح حاصل ہو۔ شیطان تو صرف یہ چاہتا ہے کہ تم لوگوں میں شراب اور جوئے کے ذریعہ سے دشمنی اور بغض ڈال دے اور تم کو خدا کی یاد سے اور نماز سے روک دے۔ تو ہو تم باز آتے ہو!

ان آیتوں کے نزول کے بعد شراب قطعاً حرام ہوگئی۔ اسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے گلی کوچوں میں منادی کرادی کہ آج سے شراب حرام ہے لیکن بایں ہمہ شراب کی تجارت اور خرید و فروخت جاری تھی۔ ۸ھ میں یہ بھی حرام ہوگئی۔ آپؐ نے مسجد نبوی میں لوگوں کو جمع کر کے اسی وقت اعلان کیا۔ اس کے بعد اسی سال فتح مکہ کے زمانہ میں آپؐ نے علی الاعلان ان چیزوں کی تجارت کی ممانعت فرمائی جن کا کھانا یا رکھنا ناجائز ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

"خدا اور اس کے رسول نے شراب، مردہ، سؤر اور بتوں کی خرید و فروخت حرام کردی۔"

سودخواری کی حرمت

سودخواری بھی ان اخلاق ذمیمہ میں سے ہے جو اہل عرب کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گئے تھے۔ اسی لئے نہایت تدریج کے ساتھ اس کی حرمت کے احکام بھی اترے۔ قریش عموماً تجارت پیشہ تھے۔ ان میں جو امیر اور دولت مند سوداگر تھے غریبوں اور کاشتکاروں کو بھاری شرح سود پر روپیہ قرض دیتے اور جب تک قرض وصول نہ ہو جاتا۔ اصل سرمایہ کو ہر سال بڑھاتے جاتے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباسؓ (اسلام سے پہلے) بہت

Marfat.com

بڑے سودی کاروبار کے مالک تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے۔ تو یہودی تاجروں کے سبب سے یہاں مختلف قسم کے سود کا رواج دیکھا۔ سب سے پہلے آپ نے چاندی اور سونے کے ادھار خرید و فروخت کو سود قرار دیا۔ پھر دوگنے اور چوگنے سود لینے کی ممانعت آئی۔ اس کے بعد آپ نے ہم جنس اشیاء کا باہم گھٹ بڑھ کے مبادلہ منع فرمایا۔ ۷ھ میں غزوہ خیبر کے موقع پر مسلمانوں نے یہودی سوداگروں سے لین دین شروع کیا۔ اس وقت آپ نے اعلان فرمایا کہ سونے کو اشرفی کے بھاؤ گھٹا بڑھا کر بیچنا بھی سود ہے۔ سود کی حرمت کے متعلق تفصیلی احکام ۸ھ میں نازل ہوگئے۔

لوگوں کو یہ اعتراض تھا کہ سود بھی ایک قسم کی تجارت ہے۔ جب تجارت جائز ہے تو سود کیوں حرام ہے۔ آخر تھوڑے ہی وقفہ کے بعد غالباً ۸ھ میں یہ آیت نازل ہوئی:۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ۔ (البقرہ)	مسلمانو! خدا سے ڈرو اور سود جو باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو۔ اگر تم سچے مومن ہو۔ اگر یہ نہ کرو تو خدا اور رسول سے لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ اگر باز آ جاؤ تو تم کو اپنے راس المال کا حق ہے۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر کوئی ظلم کرے۔

آیت جب اتری تو آپ نے مسجد میں تمام مسلمانوں کو جمع کر کے یہ حکم سنایا۔ ۹ھ
ان سے جو معاہدات صلح ہوئے ان میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ سود نہ لیں گے۔ ذوالحجہ ۱۰ھ میں حجۃ الوداع کے موقع پر اس آیت کے نزول سے پہلے تمام ملک عرب میں جس قدر سودی معاملات تھے، آپ نے سب کو کالعدم قرار دیا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔

"سود کی حرمت کا حکم اسلام کے سلسلۂ احکام کی سب سے آخری کڑی ہے۔"

Marfat.com

سالِ اخیر

حجۃ الوداع ۔ اختتام فرض نبوّت

ذوالحجہ سنہ ھ مطابق فروری سنہ ۶۳۲ء

إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ

يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ

رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ـــــ

جب خدا کی مدد آگئی اور مکہ فتح ہو چکا اور تو نے

دیکھ لیا کہ لوگ خدا کے دین میں فوج کی فوج داخل

ہو رہے ہیں تو خدا کی حمد کی تسبیح پڑھ اور استغفار

کر۔ خدا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

Marfat.com

بظاہر یہ خیال ہوتا ہے کہ نصرت اور فتح کے مقابلہ میں شکر کی ہدایت ہونی چاہیئے تھی تسبیح اور استغفار کو فتح سے کیا مناسبت ہے ؟ اسی بنا پر ایک صحبت میں حضرت عمرؓ نے صحابہ سے اس آیت کے معنی پوچھے ۔ لوگوں نے مختلف معنی بتائے ۔ حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن عباس کی طرف دیکھا ۔ وہ کم سن تھے اور جواب دیتے جھجکتے تھے ۔ حضرت عمرؓ نے ان کی ڈھارس بندھائی تو انہوں نے کہا ؛ "یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب وفات کا اعلان ہے استغفار موت کے لیے مخصوص ہے "

اس سورہ کے نازل ہونے کے بعد آپؐ کو معلوم ہو گیا تھا کہ رحلت کا زمانہ قریب آگیا ۔ اس لئے اب ضرورت تھی کہ تمام دنیا کے سامنے شریعت اور اخلاق کے تمام اصول اساسی کا مجمع عام میں اعلان کر دیا جائے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے زمانہ سے اب تک فریضہ حج ادا نہیں فرمایا تھا ۔ ایک مدت تک تو قریش سدِّ راہ رہے ۔ صلح حدیبیہ کے بعد موقع ملا لیکن مصالح اس کے مقتضی تھے کہ یہ فرض سب سے آخر میں ادا کیا جائے ۔

بہرحال ذیقعد میں اعلان ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حج کے ارادہ سے مکہ تشریف لے جا رہے ہیں ۔ یہ خبر دفعتہً پھیل گئی اور شرف ہمرکابی کے لئے تمام عرب امنڈ آیا ۔ سنیچر کے دن ذیقعد کی ۲۶ تاریخ کو آپؐ نے غسل فرمایا اور چادر اور تہبند باندھی ۔ نماز ظہر کے بعد مدینہ سے باہر نکلے اور تمام ازواج مطہرات کو ساتھ چلنے کا حکم دیا ۔ مدینہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ذوالحلیفہ ایک مقام ہے جو مدینہ کی میقات ہے ۔ یہاں پہنچ کر شب بھر اقامت فرمائی ۔ دوسرے دن دوبارہ غسل فرمایا ۔ حضرت عائشہؓ نے اپنے ہاتھ سے آپؐ کے جسم مبارک میں عطر ملا ۔ اس

Marfat.com

کے بعد آپؐ نے دو رکعت نماز ادا کی ۔ پھر قصواء (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کا نام تھا) پر سوار ہو کر احرام باندھا اور بلند آواز سے یہ الفاظ کہے :۔

لبیک اللھم لبیک اللھم لبیک	اے خدا! ہم تیرے سامنے حاضر ہیں ۔
لاشریک لک لبیک ۔ ان الحمد	اے خدا تیرا کوئی شریک نہیں ۔ ہم حاضر
والنعمۃ لک والملک لک لاشریک	ہیں تعریف اور نعمت سب تیری ہی ہے
لک ۔	اور سلطنت میں کوئی تیرا شریک نہیں ۔

حضرت جابرؓ جو اس حدیث کے راوی ہیں ان کا بیان ہے کہ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو آگے پیچھے، دائیں بائیں جہاں تک نظر کام کرتی تھی آدمیوں کا جنگل نظر آتا تھا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب لبیک فرماتے تھے تو ہر طرف سے اسی صدائے غلغلہ انگیز کی آواز بازگشت آتی تھی اور تمام دشت وجبل گونج اٹھتے تھے ۔

فتح مکہ میں آپؐ نے جن منازل میں نماز ادا کی تھی وہاں برکت کے خیال سے لوگوں نے مسجدیں بنا لی تھیں ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان مساجد میں نماز ادا کرتے جاتے تھے ۔ سرف پہنچ کر غسل فرمایا ۔ دوسرے دن، اتوار کے روز، ذوالحجہ کی چار تاریخ صبح کے وقت مکہ معظمہ میں داخل ہوئے ۔ مدینہ سے مکہ تک کا یہ سفر نو دن میں طے ہوا ۔ خاندان ہاشم کے لڑکوں نے آمد آمد کی خبر سنی تو خوشی سے باہر نکل آئے ۔ آپؐ نے فرط محبت سے اونٹ پر کسی کو آگے اور کسی کو پیچھے بٹھا لیا ۔ کعبہ نظر پڑا تو فرمایا کہ "اے خدا! اس گھر کو اور زیادہ عزت اور شرف دے" پھر کعبہ کا طواف کیا ۔ طواف سے فارغ ہو کر مقام ابراہیمؑ میں دوگانہ ادا کیا اور یہ آیت پڑھی ۔

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِیْمَ مُصَلًّی ۔	اور مقام ابراہیم کو سجدہ گاہ بناؤ ۔

صفا پر پہنچے تو یہ آیت پڑھی ۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۔	صفا اور مروہ خدا کی نشانیاں ہیں ۔

یہاں سے کعبہ نظر آیا تو یہ الفاظ فرمائے ۔

Marfat.com

لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک	خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کا
لہٗ لہ الملک والحمد یحیی ویمیت	کوئی شریک نہیں۔ اس کے لئے سلطنت
وھو علی کل شیءٍ قدیر۔ لا الٰہ الا	اور ملک اور حمد ہے۔ وہ مارتا اور جلاتا
اللہ وحدہٗ انجز وعدہٗ نصر عبدہٗ	ہے اور وہ تمام چیزوں پر قادر ہے
وھزم الاحزاب وحدہٗ۔	کوئی خدا نہیں مگر وہ اکیلا خدا۔ اس نے

اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندہ کی مدد کی اور تمام قبائل کو شکست دی۔

صفا سے اتر کر مروہ پر تشریف لائے۔ یہاں بھی دعا و تہلیل کی۔ اہل عرب ایام حج میں عمرہ ناجائز سمجھتے تھے۔ صفا و مروہ کے طواف و سعی سے فارغ ہو کر آپؐ نے ان لوگوں کو جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں تھے عمرہ تمام کر کے احرام اتارنے کا حکم دیا۔ بعض صحابہ نے گزشتہ رسوم مالوفہ کی بنا پر اس حکم کی بجاآوری میں معذرت کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اگر میرے ساتھ قربانی کے اونٹ نہ ہوتے تو میں بھی ایسا ہی کرتا۔"

حضرت علیؓ حجۃ الوداع سے کچھ پہلے یمن بھیجے گئے تھے۔ اسی وقت وہ یمنی حاجیوں کا قافلہ لے کر مکہ میں وارد ہوئے۔ چونکہ ان کے ساتھ قربانی کے جانور تھے اس لئے انہوں نے احرام نہیں اتارا۔ جمعرات کے روز آٹھویں تاریخ کو آپؐ نے تمام مسلمانوں کے ساتھ منیٰ میں قیام فرمایا۔ دوسرے دن نویں ذوالحجہ کو جمعہ کے روز صبح کی نماز پڑھ کر منیٰ سے روانہ ہوئے۔

قریش کا معمول تھا کہ جب مکہ سے حج کے لئے نکلتے تھے تو عرفات کے بجائے مزدلفہ میں قیام کرتے تھے جو حرم کے حدود میں تھا۔ ان کا خیال تھا کہ قریش نے اگر حرم کے سوا کسی اور مقام میں مناسک حج ادا کئے تو ان کی شان یکتائی میں فرق آ جائے گا۔ لیکن اسلام کو جو مساوات قائم کرنی تھی اس کے لحاظ سے یہ تخصیص روا نہیں رکھی جا سکتی تھی۔ اس لئے خدا نے حکم دیا: "ثُمَّ اَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ"۔ آپؐ بھی عام مسلمانوں کے ساتھ عرفات میں آئے اور یہ اعلان کرا دیا:۔

Marfat.com

"اپنے مقدس مقامات میں ٹھہرے رہو کہ تم اپنے باپ ابراہیمؑ کی وراثت ہو"
یعنی عرفہ میں حاجیوں کا قیام حضرت ابراہیمؑ کی یادگار ہے۔ اور ان ہی نے اس مقام کو اس غرض خاص کے لئے متعین کیا ہے۔ عرفات میں ایک مقام نمرہ ہے وہاں آپؐ نے ایک کمل کے خیمہ میں قیام فرمایا۔ دوپہر ڈھل گئی تو ناقہ (قصوار) پر سوار ہو کر میدان میں آئے اور ناقہ کے اُوپر ہی سے خطبہ پڑھا۔ آج پہلا دن تھا کہ اسلام اپنے جاہ و جلال کے ساتھ نمودار ہوا اور جاہلیت کے تمام بیہودہ مراسم کو مٹا دیا۔ اس لئے آپؐ نے فرمایا:۔

الا کل شئی من امر الجاهلیة تحت قدمی موضوع۔

ہاں جاہلیت کے تمام دستور میرے دونوں پاؤں کے نیچے ہیں۔

تکمیل انسانی کی منزل میں سب سے بڑا سنگ راہ امتیاز مراتب تھا جو دنیا کی قوموں نے، تمام مذاہب نے، تمام ممالک نے مختلف صورتوں میں قائم رکھا تھا۔ سلاطین سایۂ یزدانی تھے جن کے آگے کسی کو چون و چرا کی مجال نہ تھی۔ ائمہ مذہب کے ساتھ کوئی شخص مسائل مذہبی میں گفتگو کا مجاز نہ تھا۔ شرفاء رذیلوں سے ایک بالاتر مخلوق تھی۔ غلام آقا کے ہمسر نہیں ہو سکتے تھے۔ آج یہ تمام تفرقے، یہ تمام امتیازات، یہ تمام حد بندیاں دفعتہً ٹوٹ گئیں۔

ایها الناس! الا ان ربکم واحد وان اباکم واحد۔ الا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا احمر علی اسود ولا اسود علی احمر الا بالتقوی۔ ان کل مسلم اخو المسلم وان المسلمین اخوة ارقاءکم ارقاءکم اطعموهم مما تاکلون واکسوهم مما تلبسون

لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے۔ ہاں عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں۔ تمہارے غلام، تمہارے غلام، جو خود کھاؤ اُن کو کھلاؤ۔ جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ۔

عرب میں کسی خاندان کا کوئی شخص کسی کے ہاتھ سے قتل ہوتا تو اُس کا انتقام لینا خاندانی

فرض ہو جاتا تھا۔ یہاں تک کہ سینکڑوں برس گزر جانے پر بھی یہ فرض باقی رہتا تھا اور اسی بنا پر لڑائیوں کا ایک غیر منقطع سلسلہ قائم ہو جاتا تھا اور عرب کی زمین ہمیشہ خون سے رنگین رہتی تھی۔ آج یہ سب سے قدیم رسم، عرب کا سب سے مقدم فخر، خاندان کا پُر فخر مشغلہ برباد کر دیا جاتا ہے اور اس کے لئے نبوت کا منادی سب سے پہلے اپنا نمونہ آپ پیش کرتا ہے:۔

ودماء الجاھلیۃ موضوعۃ وان اول دم اضع من دمائنا دم ابن ربیعہ ابن الحارث۔

جاہلیت کے تمام خون (یعنی انتقام خون) باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا خون، ربیعہ بن الحارث کے بیٹے کا خون باطل کرتا ہوں

تمام عرب میں سودی کاروبار کا ایک جال پھیلا ہوا تھا۔ جس سے غربا کا ریشہ ریشہ جکڑا ہوا تھا۔ اور ہمیشہ کے لئے وہ اپنے قرض خواہوں کے غلام بن گئے تھے۔ آج وہ دن ہے کہ اس جال کا تارتار الگ ہوتا ہے۔ اس فرض کی تکمیل کے لئے بھی معلّم حق سب سے پہلے اپنے خاندان کو پیش کرتا ہے۔

وربوٰی الجاھلیۃ موضوع واول ربا اضع ربانا ربا عباس بن عبد المطلب۔

جاہلیت کے تمام سود بھی باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے اپنے خاندان کا سود عباس بن عبد المطلب کا سود باطل کرتا ہوں۔

آج تک عورتیں ایک جائداد منقولہ تھیں جو قماربازیوں میں داؤں پر چڑھا دی جا سکتی تھیں آج پہلا دن ہے کہ یہ گروہ مظلوم، یہ صنف لطیف، یہ جوہر نازک قدردانی کا تاج پہنتا ہے۔

فاتقوا اللہ فی النساء۔ ان لکم علی نسائکم حقا ولھن علیکم حقاً۔

له ربیعہ بن الحارث بن عبد المطلب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے۔ ربیعہ کا ایاس نامی بیٹا قبیلہ بنو سعد میں پرورش پا رہا تھا کہ ہذیل نے اس کو قتل کر ڈالا اس کے خون کا انتقام بینا میراث کے طور پر ایک فرض خاندانی چلا آتا تھا۔

عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو۔ تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔
عرب میں جان و مال کی کچھ قیمت نہ تھی۔ جو شخص چاہتا تھا قتل کر دیتا تھا اور جس کا مال چاہتا تھا چھین لیتا تھا۔ آج امن و سلامتی کا بادشاہ تمام دنیا کو صلح کا پیغام سناتا ہے۔

ان دمائکم واموالکم علیکم حرام کحرمۃ یومکم ھذا فی بلدکم ھذا الیٰ یوم تلقون ربکم۔

تمہارا خون اور تمہارا مال تا قیامت اسی طرح حرام ہے جس طرح یہ دن اس مہینہ میں اور اس شہر میں حرام ہے۔

اسلام سے پہلے بڑے بڑے مذاہب دنیا میں پیدا ہوئے لیکن ان کی بنیاد خود صاحب شریعت کے تحریری اصول پر نہ تھی۔ ان کو خدا کی طرف سے جو ہدایتیں ملی تھیں بندوں کی ہوس پرستیوں نے ان کی حقیقت گم کر دی تھی۔ ابدی مذہب کا پیغمبر اپنی زندگی کے بعد ہدایاتِ ربانی کا مجموعہ خود اپنے ہاتھ سے اپنی اُمت کو سپرد کرتا ہے اور تاکید کرتا ہے۔

وانی قد ترکت فیکم مالن تضلوا بعدہ ان اعتصمتم بہ کتاب اللہ۔

میں تم میں ایک چیز چھوڑتا ہوں۔ اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا تو گمراہ نہ ہو گے۔ وہ چیز کیا ہے؟ —— کتاب اللہ!

اس کے بعد آپؐ نے چند اصولی احکام کا اعلان فرمایا۔

- ان اللہ عزوجل قد اعطی کل ذی حق حقہ فلا وصیۃ لوارث۔
  خدا نے ہر حق دار کو (از روئے وراثت) اس کا حق دے دیا۔ اب کسی کو وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں۔
- الولد للفراش وللعاھر الحجر وحسابھم علی اللہ ——!
  لڑکا اُس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو۔ زنا کار کے لئے پتھر ہے اور ان کا حساب خدا کے ذمہ ہے۔
- من ادعی الی غیر ابیہ وانتمی الی غیر موالیہ فعلیہ لعنۃ اللہ۔

Marfat.com

جو لڑکا اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کے نسب سے ہونے کا دعویٰ کرے اور جو غلام اپنے مولیٰ کے سوا کسی اور طرف اپنی نسبت کرے اس پر خدا کی لعنت ہے۔

• الا لا یحل لامرءۃ ان تعطی من مال زوجها شیئاً الا باذنه الدین مقضیٌ والعاریة مرداۃ والمنحة مردودۃ والزعیم غارم۔

ہاں عورت کو اپنے شوہر کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر کچھ دینا جائز نہیں۔ قرض ادا کیا جائے، عاریت واپس کی جائے، عطیہ لوٹایا جائے۔ ضامن تاوان کا ذمہ دار ہے۔

یہ فرما کر آپ نے مجمع عام کی طرف خطاب کیا:

انتم مسئولون عنی فما انتم قائلون۔	تم سے خدا کے ہاں میری نسبت پوچھا جائے گا۔ تم کیا جواب دو گے؟

صحابہ نے عرض کی:

"ہم کہیں گے کہ آپ نے خدا کا پیغام پہنچا دیا اور اپنا فرض ادا کر دیا۔"

آپ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور تین بار فرمایا:

"اللھم اشھد ـــــ اے خدا تو گواہ رہنا۔"

عین اس وقت جب آپ یہ فرض نبوت ادا کر رہے تھے، یہ آیت اتری:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔

آج میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے مذہب اسلام کو انتخاب کر لیا۔

نہایت حیرت انگیز اور عبرت خیز منظر یہ تھا کہ شہنشاہ عالم جس وقت لاکھوں آدمیوں کے مجمع میں فرمان ربانی کا اعلان کر رہا تھا اُس کے تخت شاہنشاہی کا مسند بالیں (کجاوہ اور عرق گیر) ایک روپیہ سے زیادہ قیمت کا نہ تھا۔

Marfat.com

خطبہ سے فارغ ہوکر آپؐ نے حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا اور ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ ادا کی۔ پھر ناقہ پر سوار ہوکر موقف تشریف لائے اور وہاں کھڑے ہوکر دیر تک قبلہ رو دُعا میں مصروف رہے۔ جب آفتاب ڈوبنے لگا تو آپؐ نے وہاں سے چلنے کی تیاری کی۔ حضرت اسامہؓ ابن زیدؓ کو اونٹ پر پیچھے بٹھا لیا۔ آپؐ ناقہ کی زمام کھینچے ہوئے تھے، یہاں تک کہ اس کی گردن کجاوے میں آکر لگتی تھی۔ لوگوں کے ہجوم سے ایک اضطراب سا پیدا ہو گیا تھا۔ لوگوں کو دست راست سے اور بخاری میں ہے کہ کوڑہ سے آپؐ اشارہ کرتے جاتے تھے کہ ــــ آہستہ آہستہ، اور زبان مبارک سے ارشاد فرما رہے تھے:

"لوگو! سکون کے ساتھ۔ لوگو! سکون کے ساتھ۔"

اثنائے راہ میں ایک جگہ اتر کر طہارت کی۔ اسامہؓ نے کہا:

"یارسولؐ اللہ! نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہے۔"

فرمایا:

"نماز کا موقع آگے آتا ہے۔"

تھوڑی دیر کے بعد تمام قافلہ کے ساتھ مزدلفہ پہنچے۔ یہاں پہلے مغرب کی نماز پڑھی گئی اس کے بعد لوگوں نے اپنے پڑاؤ پر جاکر سواریوں کو بٹھایا۔ ابھی سامان کھولنے بھی نہ پائے تھے کہ فوراً ہی نماز عشاء کی تکبیر ہوئی۔ نماز سے فارغ ہوکر آپ لیٹ گئے اور صبح تک آرام فرمایا۔ پیچ میں روزانہ دستور کے خلاف عبادت شبانہ کے لئے بیدار نہ ہوئے۔ محدثین نے لکھا ہے کہ یہی ایک شب ہے جس میں آپؐ نے نماز تہجد ادا نہیں فرمائی۔ صبح سویرے اُٹھ کر باجماعت فجر کی نماز پڑھی۔ قریش مزدلفہ سے اس وقت کوچ کرتے تھے جب آفتاب پورا نکل آتا تھا اور آس پاس کی چوٹیوں پر دھوپ چمکنے لگتی تھی۔ اس وقت باآواز بلند کہتے تھے:

"کوہ ثبیر دھوپ سے چمک جا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رسم کے ابطال کے لئے سورج نکلنے سے پہلے یہاں سے کوچ کیا۔ یہ ذوالحجہ کی دسویں تاریخ اور سنیچر کا دن تھا۔

فضلؓ بن عباسؓ آپؐ کے برادر عم زاد ناقہ پر ساتھ سوار تھے۔ اہل حاجت داہنے بائیں

حج کے مسائل دریافت کرنے کے لئے آرہے تھے۔ آپؐ جواب دیتے تھے اور زور زور سے مناسک حج کی تعلیم دیتے جاتے تھے۔ وادی محسر کے راستہ سے آپؐ جمرۃ کے پاس آئے۔ ابن عباسؓ سے جو اس وقت کم سن تھے فرمایا:

"مجھے کنکریاں چن کر دو۔"

آپؐ نے کنکریاں پھینکیں اور لوگوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا:

ایاکم والغلو فی الدین فانما اھلک	مذہب میں غلو اور مبالغہ سے بچو کیونکہ
قبلکم الغلو فی الدین۔	تم سے پہلی قومیں اسی سے برباد ہوئیں۔

اسی اثنا میں آپ یہ بھی فرماتے تھے:

"حج کے مسائل سیکھ لو۔ میں نہیں جانتا شاید کہ اس کے بعد مجھے دوسرے حج کی نوبت نہ آئے۔"

یہاں سے فارغ ہو کر منیٰ کے میدان میں تشریف لائے۔ داہنے بائیں، آگے، پیچھے تقریباً ایک لاکھ مسلمانوں کا مجمع تھا۔ مہاجرین قبلہ کے داہنے، انصار بائیں اور بیچ میں عام مسلمانوں کی صفیں تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ناقہ پر سوار تھے۔ حضرت بلالؓ کے ہاتھ میں ناقہ کی مہار تھی۔ حضرت اسامہؓ بن زیدؓ پیچھے پیچھے کپڑا تان کر سایہ کئے ہوئے تھے۔ آپؐ نے نظر اٹھا کر اس عظیم الشان مجمع کی طرف دیکھا تو فرائض نبوت کے ۲۳ سالہ نتائج نگاہوں کے سامنے تھے زمین آسمان تک قبول و اعتراف حق کا نور ضوفشاں تھا۔ دیوانِ قضا میں انبیائے سابقین کے فرائض تبلیغ کے کارناموں پر ختم رسالت کی مہر ثبت ہو رہی تھی اور دنیا اپنی تخلیق کے لاکھوں برس کے بعد دین فطرت کی تکمیل کا مژدہ کائنات کے ذرہ ذرہ کی زبان سے سن رہی تھی۔ عین اسی عالم میں زبان حق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کام و دہن میں زمزمہ پرواز ہوئی۔ اب ایک نئی شریعت، ایک نئے نظام اور ایک نئے عالم کا آغاز تھا۔ اس بنا پر ارشاد فرمایا:

"ابتدا میں جب خدا نے آسمان و زمین کو پیدا کیا تھا زمانہ پھر پھرا کے آج پھر اسی نقطہ پر آگیا۔"

ابراہیم خلیل کے طریق عبادت (حج) کا موسم اپنی جگہ سے ہٹ گیا تھا۔ اس کا سبب

Marfat.com

یہ ہے کہ اس زمانہ میں کسی قسم کی خون ریزی جائز نہیں تھی۔ اس لئے عربوں کے خون آشام جذبات حیلۂ جنگ کے لئے اس کو کبھی گھٹا کبھی بڑھا دیتے تھے۔ آج وہ دن آیا کہ اس اجتماع عظیم کے اشہر حرم کی تعیین کردی جائے۔ آپؐ نے فرمایا:۔

"سال کے بارہ مہینے ہیں جن میں چار مہینے قابل احترام ہیں۔ تین تو متواتر مہینے ہیں۔ ذیقعد، ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا رجب مضر کا مہینہ جو جمادی الثانی اور شعبان کے بیچ میں ہے۔"

دنیا میں عدل و انصاف اور جور و ستم کا محور صرف تین چیزیں ہیں۔ جان، مال اور آبرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کل کے خطبہ میں گو ان کے متعلق ارشاد فرما چکے تھے لیکن عرب کے صدیوں کے زنگ دور کرنے کے لئے مکرر تاکید کی ضرورت تھی۔ آج آپؐ نے اس کے لئے عجیب بلیغ انداز اختیار فرمایا۔ لوگوں سے مخاطب ہو کر پوچھا:

"کچھ معلوم ہے آج کون سا دن ہے؟"

لوگوں نے عرض کیا کہ "خدا اور اس کے رسولؐ کو زیادہ علم ہے۔"

آپؐ دیر تک خاموش رہے۔ لوگ سمجھے کہ شاید آپؐ اس دن کا کوئی اور نام رکھیں گے دیر تک سکوت کے بعد فرمایا، "کیا آج قربانی کا دن نہیں ہے؟"

لوگوں نے کہا "ہاں بے شک ہے۔"

پھر ارشاد ہوا، "یہ کون سا مہینہ ہے؟"

لوگوں نے پھر اسی طریقہ سے جواب دیا۔ آپؐ نے پھر دیر تک سکوت کیا اور فرمایا "کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟"

لوگوں نے کہا "ہاں بے شک ہے۔"

پھر پوچھا "یہ کون سا شہر ہے؟"

لوگوں نے بدستور جواب دیا۔ آپؐ نے اسی طرح دیر تک سکوت کے بعد فرمایا "کیا یہ بلدۃ الحرام نہیں ہے؟"

لوگوں نے کہا "ہاں بے شک ہے۔"

جب سامعین کے دل میں یہ خیال پوری طرح جاگزیں ہو چکا کہ آج کا دن بھی، مہینہ بھی اور خود شہر بھی محترم ہے یعنی اس دن اس مقام میں جنگ اور خونریزی جائز نہیں تب فرمایا: "تو تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری آبرو (تا قیامت) اسی طرح محترم ہے جس طرح یہ دن، اس مہینہ میں اور اس شہر میں محترم ہے۔"

قوموں کی بربادی ہمیشہ آپس کے جنگ و جدال اور باہمی خون ریزیوں کا نتیجہ رہی ہے۔ وہ پیغمبرؐ جو ایک لازوال قومیت کا بانی بن کر آیا تھا اس نے اپنے پیروؤں سے بآواز بلند کہا:۔

"ہاں میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ خود ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔ تم کو خدا کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس کرے گا۔"

ظلم و ستم کا عالمگیر پہلو یہ تھا کہ اگر خاندان میں سے کسی ایک شخص سے کوئی گناہ سرزد ہوتا تو اس خاندان کا ہر شخص اس جرم کا قانونی مجرم سمجھا جاتا تھا۔ اور اکثر اصلی مجرم کے روپوش یا فرار ہو جانے کی صورت میں بادشاہ کا اس خاندان میں سے جس پر قابو چلتا تھا اس کو سزا دیتا تھا۔ باپ کے جرم میں بیٹے کو سولی دی جاتی تھی اور بیٹے کے جرم کا خمیازہ باپ کو اٹھانا پڑتا تھا۔ یہ سخت ظالمانہ قانون تھا جو مدت سے دنیا پر حکمران تھا۔ اگرچہ قرآن مجید نے لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی کے وسیع قانون کی رو سے اس ظلم کی ہمیشہ کے لئے بیخ کنی کر دی تھی۔ لیکن اس وقت جب دنیا کا آخری پیغمبر ایک نیا نظام سیاست ترتیب دے رہا تھا اس اصول کو فراموش نہیں کر سکتا تھا۔ آپؐ نے فرمایا:

"ہاں مجرم اپنے جرم کا آپ ذمہ دار ہے۔ ہاں باپ کے جرم کا ذمہ دار بیٹا نہیں اور بیٹے کے جرم کا جواب دہ باپ نہیں۔"

عرب کی بدامنی اور نظام ملک کی بے ترتیبی کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ ہر شخص اپنی خداوندی کا آپ مدعی تھا اور دوسرے کی ماتحتی اور فرمانبرداری کو اپنے لئے ننگ اور عار جانتا تھا۔ ارشاد ہوا:۔

"اگر کوئی حبشی بینی بریدہ غلام بھی تمہارا امیر ہو اور وہ تم کو خدا کی کتاب کے مطابق لے چلے تو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو۔"

Marfat.com

ریگستان عرب کا ذرّہ ذرّہ اس وقت اسلام کے نور سے منوّر ہو چکا تھا اور خانۂ کعبہ ہمیشہ کے لئے ملّت ابراہیم کا مرکز بن چکا تھا اور فتنہ پردازانہ قوتیں پامال ہو چکی تھیں ۔ اس بنا پر آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"ہاں شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا کہ اب تمہارے اس شہر میں اس کی پرستش قیامت تک نہ کی جائے گی لیکن البتہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں اس کی پیروی کرو گے اور وہ اس پر خوش ہوگا۔"

سب سے آخر میں آپؐ نے اسلام کے فرض اولین یاد دلائے :-

"اپنے پروردگار کو پوجو، پانچوں وقت کی نماز پڑھو، مہینہ کا روزہ رکھا کرو اور میرے احکام کی اطاعت کرو۔ خدا کی جنّت میں داخل ہو جاؤ گے۔"

یہ فرما کر آپؐ نے مجمع کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: "کیوں، میں نے پیغام خداوندی سُنا دیا؟" سب بول اٹھے، "ہاں!" فرمایا، "اے خدا تو گواہ رہنا"۔ پھر لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا، "جو لوگ اس وقت موجود ہیں وہ اُن کو سُنا دیں جو موجود نہیں ہیں"۔ خطبہ کے اختتام پر آپؐ نے تمام مسلمانوں کو الوداع کہا۔

اس کے بعد آپؐ قربان گاہ کی طرف تشریف لے گئے اور فرمایا کہ "قربانی کے لئے منیٰ کی کچھ تخصیص نہیں ہے بلکہ منیٰ اور مکّہ کی ایک ایک گلی میں قربانی ہو سکتی ہے۔" آپؐ کے ساتھ قربانی کے سو اونٹ تھے۔ کچھ تو آپؐ نے خود اپنے ہاتھ سے ذبح کئے اور باقی حضرت علیؓ کے سپرد کر دیئے کہ وہ ذبح کریں اور حکم دیا کہ گوشت پوست جو کچھ ہو سب خیرات کر دیا جائے یہاں تک کہ قصاب کی مزدوری بھی اس سے ادا نہ کی جائے الگ سے دی جائے۔

قربانی سے فارغ ہو کر آپؐ نے معمر بن عبداللہ کو بلوایا اور سر کے بال منڈوائے اور فرطِ محبت سے کچھ بال خود اپنے دست مبارک سے ابو طلحہؓ انصاری اور ان کی بیوی ام سلیم اور بعض ان لوگوں کو جو پاس بیٹھے تھے عنایت فرمائے اور باقی ابو طلحہؓ نے اپنے ہاتھ سے تمام مسلمانوں کو ایک ایک دو دو کر کے تقسیم کر دیئے۔ اس کے بعد آپؐ مکّہ معظمہ تشریف لائے خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ اس سے فارغ ہو کر چاہ زمزم کے پاس آئے۔

Marfat.com

چاہ زمزم سے حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت خاندان عبدالمطلب سے متعلق تھی۔ اس وقت اسی خاندان کے لوگ پانی نکال نکال کر لوگوں کو پلا رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا:

"یا بنی عبدالمطلب! اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ مجھ کو ایسا کرتے دیکھ کر اور لوگ بھی تمہارے ہاتھ سے ڈول چھین کر خود اپنے ہاتھ سے پانی نکال کر پانی پئیں گے تو میں خود اپنے ہاتھ سے پانی نکال کر پیتا۔"

حضرت عباسؓ نے ڈول میں پانی نکال کر پیش کیا۔ آپؐ نے قبلہ رُخ کھڑے کھڑے پانی پیا۔ پھر یہاں سے منیٰ واپس تشریف لے گئے اور وہیں نماز ظہر ادا فرمائی۔

بقیہ ایام التشریق یعنی ۱۲ ذوالحجہ تک آپؐ نے مستقل اقامت منیٰ ہی میں فرمائی۔ ہر روز زوال کے بعد رمی جمار کی غرض سے تشریف لے جاتے اور پھر واپس آجاتے۔ ابوداؤد (باب الخطبہ منیٰ) میں ایک حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے ۱۲ ذوالحجہ کو بھی منیٰ میں ایک خطبہ دیا تھا جس کے الفاظ مختصراً وہی ہیں جو پہلے خطبوں میں گزر چکے۔ ۱۳ ذوالحجہ کو سہ شنبہ کے دن زوال کے بعد آپؐ نے یہاں سے نکل کر وادی محصب میں قیام کیا اور شب کو اسی مقام پر آرام فرمایا۔ پچھلے پہر اٹھ کر مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور خانہ کعبہ کا آخری طواف کر کے وہیں صبح کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد قافلہ اسی وقت اپنے اپنے مقام کو روانہ ہو گیا۔ اور آپؐ نے مہاجرین و انصار کے ساتھ مدینہ کی طرف مراجعت فرمائی۔ راہ میں ایک مقام خم پڑا جو جحفہ سے تین میل پر ہے۔ یہاں ایک تالاب ہے۔ عربی میں تالاب کو غدیر کہتے ہیں اور اس لئے اس مقام کا نام عام روایتوں میں غدیر خم آتا ہے۔ آپؐ نے یہاں تمام صحابہ کو جمع کر کے ایک مختصر سا خطبہ دیا:۔

"حمد و ثنا کے بعد اے لوگو! میں بھی بشر ہوں۔ ممکن ہے کہ خدا کا فرشتہ جلد آجائے اور مجھے قبول کرنا پڑے (یعنی موت) میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں۔ ایک خدا کی کتاب جس کے اندر ہدایت اور روشنی ہے۔ خدا کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو۔ اور دوسری چیز میرے اہل بیت۔ میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں خدا کو یاد دلاتا ہوں۔"

Marfat.com

آخری جملہ کو آپؐ نے تین دفعہ مکرر فرمایا۔ یہ صحیح مسلم مناقب حضرت علیؓ کی روایت ہے۔ نسائی، مسند امام احمد، ترمذی، طبرانی، طبری، حاکم وغیرہ میں کچھ اور فقرے بھی ہیں، جن میں حضرت علیؓ کی منقبت ظاہر کی گئی ہے۔ ان روایتوں میں ایک فقرہ اکثر مشترک ہے:۔

"جس کو میں محبوب ہوں علیؓ بھی اُس کو محبوب ہونا چاہیئے۔ الٰہی جو علیؓ سے محبت رکھے اُس سے تو بھی محبت رکھ اور جو علیؓ سے عداوت رکھے اُس سے تو بھی عداوت رکھ۔"

احادیث میں خاص یہ تصریح نہیں کہ ان الفاظ کے کہنے کی ضرورت کیا پیش آئی۔ بخاری میں ہے کہ اسی زمانہ میں حضرت علیؓ یمن بھیجے گئے تھے جہاں سے واپس آکر وہ حج میں شامل ہوئے تھے۔ یمن میں انہوں نے اپنے اختیار سے ایک ایسا واقعہ کیا تھا جس کو ان کے بعض ہمراہیوں نے پسند نہیں کیا۔ ان میں سے ایک صاحب نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی۔ آپؐ نے فرمایا، "علیؓ کو اس سے زیادہ کا حق تھا۔" عجب نہیں کہ اسی قسم کے شکوک رفع کرنے کے لئے اس موقع پر آپؐ نے یہ الفاظ فرمائے۔

مدینہ کے قریب پہنچ کر ذوالحلیفہ میں شب بسر کی۔ صبح کے وقت ایک طرف سے آفتاب نکلا اور دوسری طرف کوکبۂ نبوی مدینہ منورہ میں داخل ہوا۔ سواد مدینہ پر نظر پڑی تو یہ الفاظ فرمائے:

"خدا بزرگ و برتر ہے۔ اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ کوئی اس کا شریک نہیں۔ بس اُسی کی سلطنت ہے۔ اسی کے لئے مدح و ستائش ہے۔ وہ ہر بات پر قادر ہے۔ لوٹ رہے ہیں توبہ کرتے ہوئے، فرماں بردارانہ، زمین پر پیشانی رکھ کر، اپنے پروردگار کی مدح و ستائش میں مصروف ہو کر۔ خدا نے اپنا وعدہ سچا کیا اپنے بندہ کی نصرت کی اور تمام قبائل کو تنہا شکست دی۔"

Marfat.com

وفات

اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ (زمر)

ربیع الاول ۱۳۵۱ھ مطابق مئی ۱۹۳۲ء

Marfat.com

تجہیز و تکفین ______

حلیۂ اقدس ______

گفتگو اور خندہ و تبسم ______

لباس ______

Marfat.com

رُوحِ قدسی کو عالمِ جسمانی میں اسی وقت تک رہنے کی ضرورت تھی کہ تکمیلِ شریعت اور تزکیہ نفوس کا عظیم الشان کام درجہ کمال تک پہنچ جائے۔ حجۃ الوداع میں یہ فرض اہم ادا ہو چکا۔ توحیدِ کامل اور مکارمِ اخلاق کے اصول عملاً قائم کر کے عرفات کے مجمع عام میں اعلان کر دیا گیا کہ

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ — آج کے دن میں نے تمہارے دین کو
وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ — کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں پوری کر دیں

سورۂ فتح کا نزول خاص خاص صحابہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قربِ وفات کی اطلاع دے چکا تھا اور آپ حکمِ ربانی فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ (فتح) کے مطابق زیادہ تر اوقات تسبیح و تہلیل میں بسر فرماتے تھے۔ آپ عموماً ہر سال رمضان المبارک میں دس دن اعتکاف میں بیٹھتے تھے لیکن رمضان ۱۰ھ میں بیس دن اعتکاف میں بیٹھے۔ سال میں ایک دفعہ ماہ رمضان میں آپ پورا قرآن ناموسِ اکبر کی زبانی سنتے تھے لیکن وفات کے سال دو دفعہ یہ شرف حاصل ہوا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر مناسکِ حج کی تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ نے یہ اعلان بھی فرمایا کہ "مجھے امید نہیں کہ آئندہ سال تم سے مل سکوں"۔ غدیرِ خم کے خطبوں میں بھی اسی قسم کے الفاظ ادا ہوئے۔

غزوۂ اُحد کے بیان میں گزر چکا ہے کہ شہدائے احد کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی گئی تھی۔ تمام غزوات میں صرف غزوہ احد ہی ایک ایسا غزوہ ہے جس میں مسلمانوں نے سب سے زیادہ بیکسی کے ساتھ جان دی۔ اس لئے اُن کی یاد آپ کے دل میں اس وقت بھی موجود تھی۔ حجۃ الوداع

Marfat.com

کے موقع پر تمام مسلمانوں کو اپنے فیضِ دیدار سے مشرف فرمایا اور ان کو حسرت کے ساتھ وداع کیا۔ شہدائے احد جو بَلْ هُمْ اَحْيَاءٌ کے مژدۂ جانفزا سے فیض یاب تھے آٹھ برس کے بعد آخری دفعہ آپؐ نے ان کو بھی اپنی زیارت سے مشرف کرنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ اسی زمانہ میں اُن کی قبر پر تشریف لے گئے اور اُن کے لئے دُعا فرمائی اور اس رقت انگیز طریقہ سے اُن کو وداع کیا کہ جس طرح ایک مرنے والا اپنے زندہ اعزا کو وداع کرتا ہے۔ اس کے بعد ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا:

"میں تم سے پہلے حوض پر جارہا ہوں۔ اس کی وسعت اتنی ہے جتنی ایلا سے حجفہ تک۔ مجھ کو تمام دنیا کے خزانوں کی کنجی دی گئی ہے۔ مجھے خوف نہیں ہے کہ میرے بعد تم شرک کرو گے لیکن اس سے ڈرتا ہوں کہ دنیا میں نہ مبتلا ہو جاؤ اور اس کے لئے آپس میں کشت وخون نہ کرو۔ تو پھر اسی طرح ہلاک ہو جاؤ جس طرح تم سے پہلی قومیں ہلاک ہوئیں۔"

راوی کا بیان ہے کہ یہ آخری دفعہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ دیتے ہوئے سُنا۔

غزوات میں گزر چکا ہے کہ حضرت زیدؓ بن حارثہ کو حدود شام کے عربوں نے شہید کر ڈالا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے اس کا قصاص لینا چاہتے تھے۔ آغازِ علالت سے ایک روز پہلے آپؐ نے اسامہؓ بن زید کو مامور کیا کہ وہ فوج لے کر جائیں اور ان شریروں سے اپنے باپ کا انتقام لیں۔

۱۸ یا ۱۹ صفر ۱۱ھ میں آدھی رات کو آپؐ جنت البقیع میں، جو عام مسلمانوں کا قبرستان تھا تشریف لے گئے۔ وہاں سے واپس تشریف لائے تو مزاج ناساز ہوا۔ یہ حضرت میمونہؓ کی باری کا دن تھا اور روز چہارشنبہ تھا۔ پانچ دن تک آپؐ اس حالت میں بھی ازراہِ عدل وکرم باری باری ایک ایک بیوی کے حجرہ میں تشریف لے جاتے رہے۔ دوشنبہ کے دن مرض میں شدت ہوئی، تو ازواج مطہرات سے اجازت لی کہ حضرت عائشہؓ کے گھر قیام فرمائیں۔ خلق عظیم کی بنا پر اجازت بھی صاف اور علانیہ نہیں طلب کی۔ بلکہ پوچھا کہ کل میں کس کے گھر رہوں گا۔ دوسرا دن دوشنبہ

Marfat.com

حضرت عائشہ کے گھر قیام فرمانے کا تھا۔ ازواج مطہرات نے مرضی اقدس سمجھ کر عرض کی کہ آپ جہاں چاہیں قیام فرمائیں۔ ضعف اس قدر ہو گیا تھا کہ چلا نہیں جاتا تھا۔ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ دونوں بازو تھام کر بمشکل حضرت عائشہؓ کے حجرے میں لائے۔

آمد و رفت کی قوت جب تک رہی آپ مسجد میں نماز پڑھانے کی غرض سے تشریف لاتے رہے۔ سب سے آخری نماز جو آپ نے پڑھائی وہ مغرب کی نماز تھی۔ سر میں درد تھا اس لئے سر میں رومال باندھ کر آپ تشریف لائے اور نماز ادا کی جس میں سورۂ وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا قرأت فرمائی۔ عشاء کا وقت آیا تو دریافت فرمایا کہ

"نماز ہو چکی ؟"

لوگوں نے عرض کی کہ

"سب کو حضورؐ کا انتظار ہے۔"

لگن میں پانی بھروا کر غسل فرمایا۔ پھر اٹھنا چاہا کہ غش آگیا۔ افاقہ کے بعد پھر فرمایا کہ

"نماز ہو چکی ؟"

لوگوں نے پھر وہی پہلا جواب دیا۔ آپ نے پھر غسل فرمایا اور پھر اٹھنا چاہا تو غش آگیا۔ افاقہ ہوا تو پھر دریافت فرمایا اور لوگوں نے وہی جواب دیا۔ تیسری مرتبہ جسم مبارک پر پانی ڈالا۔ پھر اٹھنے کا ارادہ کیا تو پھر غشی طاری ہو گئی۔ جب افاقہ ہوا تو ارشاد فرمایا کہ

"ابوبکرؓ نماز پڑھائیں۔"

حضرت عائشہؓ نے معذرت کی کہ

"یا رسول اللہ! ابوبکرؓ نہایت رقیق القلب ہیں۔ آپ کی جگہ ان سے کھڑا نہ ہوا جائے گا۔"

آپ نے پھر یہی حکم دیا کہ ابوبکرؓ نماز پڑھائیں۔ چنانچہ کئی دن تک حضرت ابوبکرؓ نے نماز پڑھائی۔

وفات سے چار دن پہلے جمعرات کو آپ نے فرمایا کہ

"دوات کاغذ لاؤ۔ میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے۔"

بعض صحابہؓ نے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ

Marfat.com

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض کی شدت ہے اور تمہارے پاس قرآن موجود ہے، جو ہمارے لئے کافی ہے۔"

اس پر حاضرین میں اختلاف پیدا ہوا۔ بعض کہتے تھے کہ تعمیل ارشاد کی جائے۔ بعض کچھ اور کہتے تھے۔ اختلاف اور شور و غل زیادہ ہوا تو بعض نے کہا: "اھجر استفھموہ" خود آپؐ سے دریافت کرلو۔ لوگ جب پوچھنے لگے، تو آپؐ نے فرمایا:

"مجھے چھوڑ دو۔ میں جس مقام میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو۔"

اس کے بعد آپؐ نے تین وصیتیں فرمائیں۔ ان میں سے ایک یہ تھی کہ کوئی مشرک عرب میں نہ رہنے پائے۔ دوسری یہ کہ سفراء کا اسی طرح احترام کیا جائے جس طرح آپؐ کے زمانہ میں دستور تھا۔ تیسری وصیت راوی کو یاد نہیں رہی۔

اسی دن ظہر کی نماز کے وقت آپؐ کی طبیعت کچھ سکون پذیر ہوئی۔ آپؐ نے حکم دیا کہ پانی کی سات مشکیں آپؐ پر ڈالی جائیں۔ غسل فرما چکے تو حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ تھام کر مسجد میں لائے۔ جماعت کھڑی ہو چکی تھی اور حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے۔ آہٹ پا کر حضرت ابوبکرؓ پیچھے ہٹے۔ آپؐ نے اشارہ سے روکا۔ اور ان کے پہلو میں بیٹھ کر نماز پڑھائی یعنی آپؐ کو دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کو دیکھ کر اور لوگ ارکان ادا کرتے جاتے تھے۔

نماز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیا جو آپؐ کی زندگی کا سب سے آخری خطبہ تھا۔ آپؐ نے فرمایا:

"خدا نے اپنے ایک بندہ کو اختیار عطا فرمایا ہے کہ خواہ دنیا کی نعمتوں کو قبول کرے یا خدا کے پاس (آخرت میں) جو کچھ ہے اس کو قبول کرے لیکن اس نے خدا ہی کے پاس کی چیزیں قبول کیں۔"

یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ رو پڑے۔ لوگوں نے اُن کی طرف تعجب سے دیکھا کہ آپؐ تو ایک شخص کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ یہ رونے کی کون سی بات ہے۔ لیکن راز دار نبوتؐ سمجھ چکا تھا کہ وہ بندہ خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپؐ نے اپنی تقریر کا سلسلہ آگے بڑھایا اور فرمایا:

"سب سے زیادہ میں جس کی دولت اور صحبت کا ممنون ہوں وہ ابوبکرؓ ہیں۔ اگر میں دنیا میں کسی کو اپنی امت میں سے اپنا دوست بنا سکتا تو ابوبکرؓ کو بناتا لیکن اسلام کا رشتہ دوستی کے لئے کافی ہے۔ مسجد کے رُخ کوئی دریچہ ابوبکرؓ کے دریچہ کے سوا باقی نہ رکھا جائے۔ ہاں تم سے پہلی قوموں نے اپنے پیغمبروں اور بزرگوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا ہے۔ دیکھو تم ایسا نہ کرنا۔ میں منع کر جاتا ہوں۔"

زمانہ علالت میں انصار آپؐ کی عنایات اور مہربانیوں کو یاد کر کے روتے تھے۔ ایک دفعہ اسی حالت میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عباسؓ کا گزر ہوا۔ انہوں نے انصار کو روتے دیکھا تو وجہ دریافت کی۔ انہوں نے بیان کیا کہ

"حضورؐ کی صحبتیں یاد آتی ہیں۔"

ان میں سے ایک صاحب نے جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا۔ آج اس کی تلافی کا موقع تھا۔ اس لئے اس کے بعد آپؐ نے انصار کی نسبت لوگوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا:-

"یا ایھا الناس ——! میں انصار کے معاملہ میں تم کو وصیت کرتا ہوں۔ عام مسلمان بڑھتے جائیں گے لیکن انصار اس طرح کم ہو کر رہ جائیں گے جیسے کھانے میں نمک۔ وہ اپنی طرف سے اپنا فرض ادا کر چکے۔ اب تمہیں ان کا فرض ادا کرنا ہے۔ وہ میرے جسم میں بمنزلہ معدہ کے ہیں۔ جو تمہارے نفع اور نقصان کا متولی ہو (یعنی جو خلیفہ ہو) اس کو چاہئیے کہ ان میں جو نکوکار ہوں اُن کو قبول کرے اور جن سے خطا ہوئی ہو اُن کو معاف کرے۔"

اُوپر گزر چکا ہے کہ رومیوں کی طرف سے جس فوج کا بھیجنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز کیا تھا اس کی سرداری اسامہؓ بن زیدؓ کو تفویض فرمائی تھی۔ اس پر لوگوں نے (ابن سعد نے تصریح کی ہے کہ وہ منافقین تھے) شکایت کی کہ بڑے بوڑھوں کے ہوتے ہوئے نوجوانوں کو یہ منصب کیوں عطا ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلہ کی نسبت ارشاد فرمایا۔

"اب اسامہ کی سرداری پر تم کو اعتراض ہے تو اس کے باپ (زیدؓ) کی سرداری

Marfat.com

پر بھی تم معترض تھے۔ خدا کی قسم! وہ اس منصب کا مستحق تھا اور مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا اور اب اُس کے بعد یہ سب سے زیادہ محبوب ہے۔"

اسلام اور دیگر مذاہب میں ایک نہایت دقیق فرق یہ ہے کہ اسلام شریعت کے تمام احکام کا واضع اور حاکم براہ راست خدائے پاک کو قرار دیتا ہے۔ پیغمبر کا صرف اسی قدر فرض ہے کہ احکام الہٰی کو ـــــ اپنے قول و عمل کے ذریعہ سے بندوں تک پہنچا دے۔ چونکہ دوسرے مذاہب میں یہ غلط فہمی شرک و کفر تک منجر ہو چکی تھی اور اس کے نتائج پیش نظر تھے۔ اس لیے ارشاد فرمایا:۔

"حلال و حرام کی نسبت میری طرف نہ کی جائے۔ میں نے وہی چیز حلال کی ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کی ہے اور وہی چیز حرام کی ہے جو خدا نے حرام کی ہے۔"

انسان کی جزا و سزا کی بنیاد خود اس کے ذاتی عمل پر ہے۔ آپؐ نے فرمایا:۔

"اے پیغمبر خدا کی بیٹی فاطمہؓ اور اے پیغمبر خدا کی پھوپی صفیہؓ! خدا کے ہاں کے لئے کچھ کر لو۔ میں تمہیں خدا سے نہیں بچا سکتا۔"

خطبہ سے فارغ ہو کر آپؐ حجرۂ عائشہؓ میں واپس تشریف لائے۔

آپؐ کو حضرت فاطمہ زہراؓ سے بے حد محبت تھی۔ اثنائے علالت میں اُن کو بلا بھیجا۔ تشریف لائیں تو اُن سے کچھ کان میں باتیں کیں۔ وہ رونے لگیں۔ پھر بلا کر کچھ کان میں کہا تو وہ ہنس پڑیں۔ حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا تو کہا:

"پہلی دفعہ آپؐ نے فرمایا کہ میں اسی مرض میں انتقال کروں گا۔ جب میں رونے لگی تو فرمایا کہ میرے خاندان میں سب سے پہلے تمہی مجھ سے آکر ملوگی تو ہنسنے لگی۔"

یہود اور نصاریٰ نے انبیاء کے مزارات اور یادگاروں کی تعظیم میں جو افراط کی تھی وہ بُت پرستی کی حد تک پہنچ گئی تھی۔ اسلام کا فرض اولین بُت پرستی کے رگ و ریشہ کا استیصال کرنا تھا اس لئے حالت مرگ میں جو چیز سب سے زیادہ آپؐ کے پیش نظر تھی یہی تھی۔ اتفاق سے بعض ازواج مطہرات نے جو حبشہ ہو آئی تھیں اسی حالت میں وہاں کے عیسائی معبدوں کا ذکر

Marfat.com

اُن کے مجسموں اور تصویروں کا تذکرہ کیا۔ آپ نے فرمایا :۔

"ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی مرجاتا ہے تو اس کے مقبرے کو عبادت گاہ بنا لیتے ہیں اور اس کا بُت بنا کر اس میں کھڑا کرتے ہیں۔ قیامت کے روز اللہ عزوجل کی نگاہ میں یہ لوگ بدترین مخلوق ہوں گے۔"

عین کرب کی شدت میں جب کہ چادر کبھی منہ پر ڈال لیتے تھے اور کبھی گرمی سے گھبرا کر الٹ دیتے تھے حضرت عائشہؓ نے زبان مبارک سے یہ الفاظ سُنے :۔

"یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو۔ انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا۔"

اسی کرب اور بے چینی میں یاد آیا کہ حضرت عائشہؓ کے پاس کچھ اشرفیاں رکھوائی تھیں۔ دریافت فرمایا کہ

"عائشہ وہ اشرفیاں کہاں ہیں؟ محمدؐ خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا؟ جاؤ اُن کو خدا کی راہ میں خیرات کر دو۔"

وفات سے ایک دن پہلے اتوار کو لوگوں نے دوا پلانی چاہی۔ چونکہ گوارا نہ تھی آپؐ نے انکار فرمایا۔ اسی حالت میں غشی طاری ہو گئی۔ لوگوں نے منہ کھول کر دوا پلا دی۔ افاقہ کے بعد آپؐ کو احساس ہوا تو فرمایا کہ سب کو دوا پلائی جائے۔ معلوم ہوا جن لوگوں نے زبردستی پلائی تھی، ان میں حضرت عباسؓ شامل نہ تھے۔ اس لئے وہ اس حکم سے مستثنیٰ رہے۔ محدثین اس واقعہ کو لکھ کر لکھتے ہیں کہ یہ بشریت کا اقتضاء تھا یعنی جس طرح بیماروں میں نازک مزاجی آجاتی ہے آپؐ نے بھی اسی طرح یہ حکم دیا تھا۔ لیکن ہمارے نزدیک تو یہ تنک مزاجی نہیں بلکہ لطفِ طبع تھا۔

مرض میں اشتداد اور تخفیف ہوتی رہتی تھی۔ جس دن وفات ہوئی یعنی دوشنبہ کے روز بظاہر طبیعت کو سکون تھا۔ حجرۂ مبارک مسجد سے ملا ہوا تھا۔ آپؐ نے صبح کے وقت پردہ اٹھا کر دیکھا تو لوگ فجر کی نماز میں مشغول تھے۔ دیکھ کر مسرت سے ہنس پڑے۔ لوگوں نے آہٹ پا کر خیال کیا کہ آپؐ باہر آنا چاہتے ہیں۔ فرطِ مسرت سے تمام لوگ بے قابو ہو گئے اور قریب تھا کہ نمازیں ٹوٹ جائیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے جو امام تھے چاہا کہ پیچھے ہٹ جائیں۔ آپؐ نے اشارہ

Marfat.com

سے روکا اور حجرہ شریف میں داخل ہو کر پردے ڈال دیئے ۔ صحیح مسلم میں ہے کہ اس قدر ضعف تھا کہ آپؐ پردے بھی اچھی طرح نہ ڈال سکے ۔ یہ سب سے آخری موقع تھا کہ صحابہ نے جمالِ اقدس کی زیارت کی ۔ حضرت انسؓ بن مالک کہتے ہیں کہ آپؐ کا چہرہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ مصحف کا کوئی ورق ہے یعنی سپید ہو گیا تھا ۔

دن جیسے جیسے چڑھتا جاتا تھا آپ پر بار بار غشی طاری ہوتی تھی اور پھر افاقہ ہو جاتا تو حضرت فاطمہ زہراؓ یہ دیکھ کر بولیں :

" واکرب اباہ " (ہائے میرے باپ کی بے چینی)

آپؐ نے فرمایا :

" تمہارا باپ آج کے بعد بے چین نہ ہو گا ۔ "

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپؐ جب تندرست تھے تو فرمایا کرتے تھے کہ پیغمبروں کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ خواہ موت کو قبول کریں یا حیاتِ دنیا کو ترجیح دیں ، اس حالت میں اکثر آپؐ کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ ادا ہوتے رہتے ۔

مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۔ ان لوگوں کے ساتھ جن پر خدا نے انعام کیا ۔

اور کبھی فرماتے :۔

اَللّٰهُمَّ فِي الرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى ۔ خداوند بڑے رفیق ہیں ۔

وہ سمجھ گئیں کہ اب صرف رفاقتِ الٰہی مطلوب ہے ۔

وفات سے ذرا پہلے حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے عبدالرحمٰنؓ خدمتِ اقدس میں آئے ۔ آپ حضرت عائشہؓ کے سینہ پر سر ٹیک کر لیٹے تھے ۔ عبدالرحمٰنؓ کے ہاتھ میں مسواک تھی ۔ مسواک کی طرف نظر جما کر دیکھا ، حضرت عائشہؓ سمجھیں کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں ۔ عبدالرحمٰن سے مسواک لے کر دانتوں سے نرم کی اور خدمتِ اقدس میں پیش کی ۔ آپؐ نے بالکل تندرستوں کی طرح مسواک کی ۔ اب وفات کا وقت قریب آ رہا تھا ۔ سہ پہر تھی ۔ سینہ میں سانس کی گھرگھراہٹ محسوس ہوتی تھی ۔ اتنے میں لبِ مبارک ہلے تو لوگوں نے یہ الفاظ سنے ۔

Marfat.com

الصّلوٰۃ وما ملکت ایمانکم۔ نماز اور غلام ——!

پاس پانی کی لگن تھی۔ اس میں بار بار ہاتھ ڈالتے اور چہرہ پر ملتے۔ چادر کبھی منہ پر ڈال لیتے اور کبھی ہٹا دیتے تھے۔ اتنے میں ہاتھ اٹھا کر انگلی سے اشارہ کیا اور تین دفعہ فرمایا:

بل الرفیق الاعلٰی —— اب اور کوئی نہیں بلکہ وہ بڑا رفیق درکار ہے۔

یہی کہتے کہتے ہاتھ لٹک آئے۔ آنکھیں پھٹ کر چھت سے لگ گئیں اور روح پاک عالم قدس میں پہنچ گئی۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ وعلیٰ الہٖ واصحابہٖ صلوٰۃً کثیراً۔

تجہیز و تکفین

تجہیز و تکفین کا کام درحقیقت سہ شنبہ دوئم ربیع الاوّل کو شروع ہوا۔ اس تاخیر کے متعدد اسباب تھے۔

۱ —— عقیدت مندوں کو یقین نہیں آتا تھا کہ حضورؐ نے اس دنیا کو الوداع کہا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے تلوار کھینچ لی کہ جو کہے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اس کا سر اڑا دوں گا۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ آئے اور انہوں نے تمام صحابہؓ کے سامنے خطبہ دیا کہ حضورؐ کا اس جہان سے تشریف لے جانا یقینی تھا اور قرآن مجید کی آیتیں پڑھ کر سنائیں تو لوگوں کی آنکھیں کھلیں اور اس ناگزیر واقعہ کا یقین آیا۔

۲ —— اس کے بعد اتنا وقت نہیں رہا تھا کہ غروب آفتاب سے پہلے تجہیز و تکفین سے فراغت ہو سکے۔

۳ —— قبر کنی کا کام غسل و کفن کے بعد شروع ہوا اس لئے دیر تک انتظار کرنا پڑا۔

۴ —— جس حجرہ میں آپؐ نے وفات پائی تھی وہیں لوگ علی الترتیب تھوڑے تھوڑے کر کے جاتے اور نماز جنازہ ادا کرتے تھے۔ اس لئے بھی بڑی دیر لگی اور سہ شنبہ کا دن گزر کر رات کو فراغت ملی۔

تجہیز و تکفین کی خدمت خاص اعزہ اور اقارب نے انجام دی۔ فضل بن عباسؓ اور اسامہؓ بن زید نے پردہ کیا اور حضرت علیؓ نے غسل دیا۔ حضرت عباسؓ بھی موقع پر موجود تھے اور بعض روایتوں میں ہے کہ ان ہی نے پردہ بھی کیا تھا۔ چونکہ اس شرف میں ہر شخص شریک ہونا چاہتا تھا اس لیے حضرت علیؓ نے اندر سے کواڑ بند کر لئے تھے۔ انصار نے دروازہ پر آواز دی کہ

"خدا کے لئے ہمارے حقوق کا بھی خیال رکھئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری میں ہمارا بھی حصہ ہے۔"

حضرت ابوبکرؓ نے جیسا کہ واقدی کا بیان ہے فرمایا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی کا حق نہیں ہے۔ اس لئے اگر سب کو اجازت دے دی گئی تو کام رہ جائے گا۔"

لیکن انصار کے اصرار پر حضرت علیؓ نے اوسؓ بن خولی انصاری کو جو اصحاب بدر میں تھے اندر بلا لیا۔ وہ پانی کا گھڑا بھر بھر کر لاتے تھے۔ حضرت علیؓ نے جسم مبارک کو سینہ سے لگا رکھا تھا۔ حضرت عباسؓ اور اُن کے دونوں صاحبزادے قثم اور فضل جسم مبارک کی کروٹیں بدلتے تھے اور اسامہؓ بن زیدؓ اوپر سے پانی ڈالتے تھے۔

کفن کے لئے پہلے جو کپڑا انتخاب کیا گیا تھا وہ حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے عبداللہؓ کی یمن کی بنی ہوئی ایک چادر تھی لیکن بعد کو اتار لی گئی اور تین سوتی سفید کپڑے جو سحول کے بنے ہوئے تھے کفن میں دیئے گئے۔ ان میں قمیص اور عمامہ نہ تھا۔

غسل و کفن کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ آپؐ کو دفن کہاں کیا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا:

"نبی جس مقام پر وفات پاتا ہے وہیں دفن بھی ہوتا ہے۔"

چنانچہ نعش مبارک اٹھا کر اور بستر الٹ کر حجرۂ عائشہؓ میں اسی مقام پر قبر کھودنا تجویز ہوا حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ

"آپؐ کو کسی میدان میں اس لئے دفن نہیں کیا گیا کہ آخری لمحوں میں آپؐ کو یہ خیال تھا کہ لوگ فرط عقیدت سے میری قبر کو بھی عبادت گاہ نہ بنا لیں۔ میدان میں اس کی داروگیر مشکل تھی۔ اس لئے

Marfat.com

حجرہ کے اندر دفن کیا گیا۔"

مدینہ میں دو صاحب قبر کھودنے میں ماہر تھے۔ حضرت ابو عبیدہؓ جراح اور ابو طلحہؓ۔ حضرت ابو عبیدہؓ اہل مکہ کے دستور کے مطابق صندوقی قبر کھودتے تھے۔ اور ابو طلحہؓ مدینہ کے رواج کے مطابق لحدی۔ لوگوں میں اختلاف پیش آیا کہ کس قسم کی قبر کھودی جائے۔ حضرت عمرؓ نے کہا:

"اختلاف مناسب نہیں۔ دونوں صاحبوں کے پاس آدمی بھیجا جائے جو پہلے آ جائے۔"

لوگوں نے اس رائے کو پسند کیا۔ چنانچہ حضرت عباسؓ نے دونوں صاحبوں کے پاس آدمی بھیجے۔ اتفاق یہ کہ حضرت ابو عبیدہؓ گھر پر موجود نہ تھے۔ ابو طلحہؓ آئے اور انہی نے مدینہ کے رواج کے مطابق قبر کھودی جو لحدی یعنی بغلی تھی۔ چونکہ زمین نم تھی اس لئے جس بستر پر آپؐ نے وفات پائی تھی وہ قبر میں بچھا دیا گیا۔

جنازہ تیار ہو گیا تو لوگ نماز کے لئے ٹوٹے۔ جنازہ حجرہ کے اندر تھا۔ باری باری سے لوگ تھوڑے تھوڑے کر کے جاتے تھے۔ پہلے مردوں نے پھر عورتوں نے، پھر بچوں نے نماز پڑھی لیکن امام کوئی نہ تھا۔

جسم مبارک کو حضرت علیؓ، فضل بن عباسؓ، اسامہؓ بن زید اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے قبر میں اتارا۔

حلیہ اقدس

آپؐ میانہ قد اور موزوں اندام تھے۔ رنگ سفید سرخ تھا۔ پیشانی چوڑی اور ابرو پیوستہ تھے۔ بینی مبارک درازی مائل تھی۔ چہرہ ہلکا یعنی بہت پُر گوشت نہ تھا۔ دہانہ کشادہ تھا۔ دندان مبارک بہت پیوستہ نہ تھے۔ گردن اونچی، سر بڑا اور سینہ کشادہ تھا اور فراخ تھا۔ سر کے بال نہ بہت پیچیدہ تھے نہ بالکل سیدھے تھے۔ ریش مبارک گھنی تھی۔ چہرہ کھڑا کھڑا تھا۔ آنکھیں سیاہ و سرگیں اور پلکیں بڑی بڑی تھیں۔ شانے پُر گوشت اور مونڈھوں کی ہڈیاں بڑی تھیں۔ سینۂ مبارک پر ناف تک بالوں کی ہلکی تحریر تھی۔ شانوں اور کلائیوں پر بال تھے۔ ہتھیلیاں پُر گوشت اور چوڑی۔

Marfat.com

کلائیاں لمبی اور پاؤں کی ایڑیاں نازک اور ہلکی تھیں۔ پاؤں کے تلوے بیچ سے ذرا خالی تھے، نیچے سے پانی نکل جاتا تھا۔

آپؐ کے پسینہ میں ایک طرح کی خوشبو تھی۔ چہرۂ مبارک پر پسینہ کے قطرے موتی کی طرح ڈھلکتے تھے۔ جسم مبارک کی جلد نہایت نرم تھی۔

شانوں کے بیچ میں کبوتر کے انڈے کے برابر خاتمِ نبوت تھی۔ دونوں شانوں کے درمیان ایک ذرا سا ابھرا ہوا گوشت کا حصہ تھا جس پر تل تھے اور بال اُگے ہوئے تھے۔ اسی کو مہرِ نبوت کہتے تھے۔

سر کے بال اکثر شانے تک لٹکے رہتے تھے۔ اخیر اخیر زمانے میں مانگ نکالنے لگے۔ بالوں میں اکثر تیل ڈالتے اور ایک دن بیچ کنگھی کرتے تھے۔ ریش مبارک میں گنتی کے چند بال سفید ہونے پائے تھے۔

رفتار بہت تیز تھی۔ چلتے تھے تو معلوم ہوتا تھا ڈھلوان زمین پر اتر رہے ہیں۔ ضعیف روایتوں میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ تھا یعنی زمین پر جسم اقدس کا سایہ نہیں پڑتا تھا۔ لیکن محدثین کے نزدیک یہ روایتیں صحت سے خالی اور ناقابلِ اعتبار ہیں۔

گفتگو اور خندہ و تبسم

گفتگو بہت شیریں اور دلآویز تھی۔ بہت ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے تھے۔ معمول تھا کہ ایک ایک بات کو تین تین دفعہ فرماتے۔ جس بات پر زور دینا ہوتا بار بار اس کا اعادہ فرماتے۔ حالتِ گفتگو میں اکثر نگاہ آسمان کی طرف ہوتی تھی۔ آواز بلند تھی۔ آپ ہمیشہ متفکر رہتے تھے اکثر چپ رہتے اور بے ضرورت کبھی گفتگو نہ فرماتے۔ ایک ایک فقرہ الگ، صاف اور واضح ہوتا تھا۔ ہاتھ سے اشارہ فرماتے تو پورا ہاتھ اٹھاتے۔ کسی بات پر تعجب کرتے تو ہتھیلی کا رُخ پلٹ دیتے۔ تقریر میں کبھی ہاتھ پر ہاتھ مارتے۔ بات کرتے کرتے جب کبھی مسرت کی کیفیت طاری ہوتی تو آنکھیں نیچی ہو جاتیں۔ ہنستے بہت کم تھے۔ ہنسی آتی تو مسکرا دیتے اور یہی آپؐ کی ہنسی تھی۔

لباس

لباس کے متعلق کسی قسم کا التزام نہ تھا۔ عام لباس چادر، قمیص اور تہبند تھی۔ موزوں کی عادت نہ تھی۔ عمامہ کا شملہ کبھی دوش مبارک پر کبھی دونوں شانوں کے بیچ میں پڑا رہتا تھا۔ عمامہ اکثر سیاہ رنگ کا ہوتا تھا۔ عمامہ کے نیچے سر سے پیٹی ہوئی ٹوپی ہوتی تھی۔ اونچی ٹوپی کبھی استعمال نہیں فرمائی سُرخ، سبز، زعفرانی ہر رنگ کے کپڑے پہنے ہیں لیکن سفید رنگ بہت مرغوب تھا۔ اس قسم کی چادر بھی استعمال فرمائی ہے جس پر کجاوے کی شکل بنی ہوئی تھی۔ نعلین مبارک اس طرز کے تھے جس کو اس ملک میں چپل کہتے ہیں۔ یہ صرف ایک تلا ہوتا تھا جس میں تسمے لگے ہوتے تھے۔ بچھونا چمڑے کا گدا ہوتا تھا جس میں روئی کے بجائے کھجور کے پتے ہوتے تھے۔ چارپائی بان کی بنی ہوتی تھی جس سے اکثر جسم پر بدھیاں پڑ جاتی تھیں۔

گو تکلف اور جاہ پسندی سے آپؐ کو نفرت تھی لیکن کبھی کبھی آپ نہایت قیمتی اور خوش نما لباس بھی زیب تن فرماتے تھے۔ مزاج میں نظافت تھی۔ ایک شخص کو میلے کپڑے پہنے دیکھا تو فرمایا کہ

"اس سے اتنا بھی نہیں ہوتا کہ کپڑے دھو لیا کرے۔"

خوشبو آپؐ کو بہت پسند تھی۔ کوئی خوشبو کی چیز ہدیتہً بھیجتا تو کبھی ردّ نہ فرماتے۔ کبھی کبھی مجلس عالی میں خوشبو کی انگیٹھیاں سلگائی جاتیں جن میں اگر اور کبھی کبھی کافور ہوتا۔ حنا کی بُو ناگوار تھی ایک شخص کے بال پریشان دیکھے تو فرمایا کہ

"اس سے اتنا بھی نہیں ہو سکتا کہ بالوں کو درست کر لے۔"

مسجد نبوی میں جھاڑو دینے کا التزام تھا۔ ام محجن نام ایک عورت جھاڑو دیا کرتی تھی۔ عرب کی عادت تھی اور آج بھی بدویوں میں عموماً پائی جاتی ہے کہ راستہ میں بول و براز کرتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو نہایت ناپسند فرماتے اور اس سے منع کرتے تھے۔ بُودار چیزوں مثلاً پیاز، لہسن اور مولی سے نفرت تھی۔ یہ حکم تھا کہ یہ چیزیں کھا کر لوگ مسجد میں نہ آئیں۔

اشاریہ

عرب کی وجہ تسمیہ ۲۳

عرب کا جغرافیہ ۲۴

عرب کے اقوام و قبائل ۲۸

عرب کی قدیم حکومتیں ۴۴

عرب کے مذاہب ۵۱

حضرت اسماعیلؑ کی قربانی ۶۱

حضرت اسماعیلؑ کی اولاد ۶۳

حلیمہ سعدیہ (رضاعی والدہ) ۷۲

حارث (رضاعی باپ) ۷۳

رضاعی بھائی بہن ۷۴

مدینہ کا سفر ۷۵

شام کا سفر ۷۷

حرب فجار کی شرکت ۷۹

تعمیر کعبہ ۸۱

شغل تجارت ۸۳

تزویج خدیجہؓ ۸۵

احباب خاص ۸۸

حضرت حمزہؓ اور عمرؓ کا اسلام ۱۰۰

ہجرت حبش ۱۰۸

شعب ابوطالب میں محصور ہونا ۱۱۴

حضرت خدیجہؓ اور ابوطالب کی وفات ۱۱۷

قبائل کا دورہ ۱۲۰

بیعت عقبہ اولیٰ ۱۳۰

بیعت عقبہ ثانی ۱۳۱

مسجد نبویؐ اور ازواج مطہرات کے حجروں کی تعمیر ۴۶

اذان کی ابتدا ۱۴۹

مواخاۃ ۱۵۰

صفہ اور اصحاب صفہ ۱۵۴

مدینہ کے یہود سے معاہدہ ۱۵۶

تحویل قبلہ ۱۶۱

غزوۂ سویق ۱۸۸

حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی شادی ۱۸۹

سریہ ابوسلمۃ ۲۱۱

سریہ ابن انیس ۲۱۲

بیر معونہ ۲۱۲
واقعہ رجیع ۲۱۳
قتل کعب بن اشرف ۲۲۴
غزوہ بنو نضیر ۲۲۵
حضرت جویریہؓ کا واقعہ ۲۳۱
واقعۂ افک ۲۳۲
بنو قریظہ کا خاتمہ ۲۴۴
حضرت زینبؓ سے نکاح ۲۴۶
بیعت رضوان ۲۵۴
تقسیم زمین ۲۸۳
ملکی حالات اور احکام فقہی ۲۸۴
وادی القریٰ اور فدک ۲۸۵
ادائے عمرہ ۲۸۷
خطبۂ فتح ۳۰۰
خزائن حرم ۳۰۴
اوطاس ۳۱۳
محاصرۂ طائف ۳۱۴
تقسیم غنائم ۳۱۵
ایلا اور تخییر ۳۲۱
غزوہ تبوک ۳۲۷
مسجد ضرار ۳۳۰
ضمادؓ بن ثعلبہ کا اسلام ۳۳۷
حضرت ابوذرؓ کا اسلام ۳۳۸
پیشین گوئی روم کا اثر ۳۴۱
صلح حدیبیہ کا اثر ۳۴۲
فتح مکہ کا اثر ۳۴۳
یمن ۳۴۶
نجران ۳۴۹
بحرین ۳۵۰
عمان ۳۵۱
مزینہ ۳۵۶
بنو تمیم ۲۵۶
بنو سعد ۳۵۸
اشعریین ۳۵۹
دوس ۳۵۹
بنو حرث بن کعب ۳۶۰
قبیلہ طے ۳۶۰
عدی بن حاتم ۳۶۱
وفد ثقیف ۳۶۲
وفد نجران ۳۶۵
بنو اسد ۳۶۶
بنو فزارہ ۳۶۷
کندہ ۳۶۷
عبد القیس ۳۶۸
بنو عامر ۳۶۹
انتظام ملکی ۳۷۳

Marfat.com

محصلین زکوٰۃ و جزیہ ۳۷۷
غیر قوموں سے معاہدے ۳۸۱
اصناف محاصل و مخارج ۳۸۳
جاگیریں اور افتادہ زمینوں کی آبادی ۳۸۵
مذہبی انتظامات ۳۸۷
تعلیم و تربیت ۳۸۷
مساجد کی تعمیر ۳۸۸
آئمہ نماز کا تقرر ۳۹۰
مؤذنین ۳۹۲
عقائد اور اسلام کے اصولی قوانین ۳۹۲
عبادات ۳۹۵
نماز جمعہ و عیدین ۳۹۸
صلوٰۃ خوف ۳۹۹
روزہ ۳۹۹
زکوٰۃ ۴۰۱
حج ۴۰۱
وصیت ۴۰۰
وقف ۴۰۰
نکاح و طلاق ۴۰۰
حدود و تعزیرات ۴۰۸
شراب کی حرمت ۴۱۱
سود خواری کی حرمت ۴۱۳

Marfat.com

247

تلخیص

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

تالیف

مولانا شبلی نعمانی

تلخیص

احسان بی اے

DATA ENTERED

مقبول اکیڈمی
۱۹۹۔ سرکلر روڈ۔ چوک انارکلی لاہور

Marfat.com